ترمیم و اضافہ شدہ

اُردُو قواعد و اِنشا

برائے

جماعت نہم، دہم

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مصنّفین

- ڈاکٹر مس عارفہ سیّدہ زہرا
- اصغر علی شیخ
- پروفیسر سیّد وقار عظیم
- ڈاکٹر سہیل بخاری
- مرزا ہادی علی بیگ
- مولانا مرتضیٰ حسین فاضل

مدیران

- پروفیسر سیّد وقار عظیم
- نصیر احمد بھٹی

نظرِ ثانی

- ڈاکٹر علی محمد خاں

پروفیسر آف اُردو (ریٹائرڈ ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور)
کنسلٹنٹ اُردو، پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

نگران

- ڈاکٹر جمیل الرحمٰن (سینئر ماہر مضمون اُردو)
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
- ظہیر کاشر وٹو (ماہر مضمون اُردو)
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

ڈائریکٹر مسوّدات

- محترمہ فریدہ صادق

سینئر آرٹسٹ / ڈپٹی ڈائریکٹر گرافکس:

- محترمہ انجم واصف

کمپوزنگ

- محمد جمیل کنیرا

لے آوٹ اینڈ ڈیزائننگ

- کامران افضال

تجرباتی ایڈیشن

ناشر:

مطبع:

پیش لفظ

لفظ بولا ہوا ہو یا لکھا ہوا، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم وفن کی ترسیل کا سب سے مؤثر وسیلہ لفظ ہی رہا ہے اور لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہو گیا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہوا۔ کتاب لفظوں کا ذخیرہ اور اِسی نسبت سے مختلف علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔ زندہ قومیں شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی زبان کی حفاظت اور اسے نکھارنے سنوارنے کے عمل کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھتی ہیں۔ زبان کے اُصول وقواعد کا مطالعہ باوقار قوموں کی حیاتِ جاوداں کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کامیاب زندگی گزارنے کے لیے قاعدے قانون پر عمل پیرا رہنے کا۔ یہ امر نہ صرف وقت کی ضرورت ہے بلکہ زبان کے حق میں بھی نیک فال بھی ہے۔

اصولِ فطرت ہے کہ دس سے پندرہ سال کی عمر کا دورانیہ ایسا ہی ہیجان خیز دَور ہے جب بچے میں زبان سیکھنے اور زبان کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور زبان سیکھنے سے دماغ کا حجم بھی بڑھتا ہے بشرطیکہ اس عمر کے بچّے کو سیکھنے سکھانے کا مناسب ماحول مُیسر آجائے، جس کے لیے قواعد وانشا کی کسی ایسی کتاب کا ہونا لازمی امر ہے جہاں سے بچے کو بنیادی طور پر وہ تمام مواد حاصل ہو جائے جسے آگے چل کر اسے عملی زندگی میں برتنا ہے۔

اساتذہ کرام سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہمارے یہاں قواعد وانشا کے نصاب میں آئے دن کتر بیونت ہوتی رہتی ہے۔ ہم نے اس بات کی پروا کیے بغیر اس امر کو ضروری سمجھا ہے کہ قواعد وانشا کے بنیادی اصول وضوابط پر عبور حاصل کیے بغیر زبان دانی کی فہم مکمل نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے اس کتاب میں قواعد وانشا کی تمام مبادیات کو شامل رکھا ہے البتہ ان میں وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر کچھ چیزوں میں کتر بیونت اور کچھ چیزوں کا اضافہ کیا ہے مثلاً: منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف، حروفِ شمسی اور قمری، افعالِ معاون، رموزِ اوقاف، روزمرّہ اور محاورات اور ضرب الامثال اور نئے مضامین مثلاً: شجر کاری کی اہمیت و افادیت، ٹیکنیکل ایجوکیشن، انفارمیشن ٹیکنالوجی، ڈینگی بخار، فوگ اور سموگ: اسباب، اثرات وتدارک، تعلیمِ نسواں اور ملکی ترقی، لائبریری، اسلام میں گداگری کی مذمّت، سیلاب، سیر وسیاحت: تعلیم بھی تفریح بھی، زلزلے کی تباہ کاریاں اور تمبا کو نوشی کے نقصانات وغیرہ۔ امید ہے ہماری اس کاوش کو معزز اساتذہ کرام، طلبہ، والدین اور علمی حلقے سراہیں گے۔

ادارہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حُسنِ ترتیب

مندرجات	صفحہ نمبر	مندرجات	صفحہ نمبر
قواعدِ زبان		**انشا پردازی**	
لفظ، جملہ، کلمہ اور مہمل	1	خطوط نویسی	71
مرکب اور ہم رتبہ جملے	2	خط لکھنے کے لیے ضروری باتیں	71
کلمے کی قسمیں	2	خط کے حصے، القاب و آداب	72
منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف	3	نمونے کے چند خطوط	73
حروفِ شمسی و قمری	3	عرائض نویسی	80
اسم کی قسمیں (بلحاظ معنی)	4	عرائض نویسی کے لیے ہدایات	80
اسمِ معرفہ، اسمِ معرفہ کی اقسام	4	نمونے کی چند درخواستیں	80
اسمِ نکرہ، اسمِ نکرہ کی اقسام	6	رسید لکھنا	82
اسم کی قسمیں (بلحاظ ساخت)	7	رسید لکھنے کے لوازمات	83
جنس اور عدد	12	نمونے کی چند رسیدات	83
فعل، فعل کی اقسام	20	مکالمہ نگاری	86
افعالِ معاون	25	نمونے کے چند مکالمے	86
حروف، حروف کی اقسام	26	کہانی لکھنا، چند ضروری باتیں	92
مترادف اور متضاد الفاظ	28	نمونے کی چند کہانیاں	93
ذو معنی اور باہم مماثل الفاظ	32	خاکے کی مدد سے کہانیاں لکھنا	102
رموزِ اوقاف	33	مضمون نگاری	104
سابقے اور لاحقے	35	مضامین کی اقسام	104
مرکبات، مرکبات کی اقسام	40	چند مضامین	105
"نے" اور "کو" کا استعمال	43	مضامین کے لیے دیگر عنوانات	145
تلفظ	46	تفہیمِ عبارت، ضروری باتیں	146
روزمرہ اور محاورہ ، ضرب الامثال	52	چند عبارات، سوالات اور جوابات	147
علمِ بیان ، صنائع بدائع	62	مشق کے لیے عبارات	153

قواعدِ زبان

ہرزبان کے کچھ اصول اور ضابطے ہوتے ہیں، جن کے پیشِ نظر اس زبان کو صحیح طور پر سیکھا، سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ اردو زبان کے بھی کچھ اصول اور ضابطے ہیں جنھیں قواعد یا گرامر کہا جاتا ہے۔ ان پر عبور حاصل کرنے سے ہم اردو زبان کو ٹھیک ٹھاک بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ قواعد کے دو حصّے ہوتے ہیں: (۱) صرف (۲) نحو

قواعد کا وہ حصّہ جس میں مفرد الفاظ و حروف سے بحث کی جاتی ہے یعنی یہ لفظ واحد ہے یا جمع، مذکّر ہے یا مؤنث، فعل ہے یا حرف، صَرف کہلاتا ہے۔ اس حصّے میں صرف حروف و الفاظ و کلمات ہی موضوعِ بحث ہوتے ہیں۔ قواعد کا وہ حصّہ جس میں مرکّب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے، نحو کہلاتا ہے مگر کہتے ہیں کہ:

''صَرف آتی ہے نہ بے عقل کو نحو آتی ہے''

لفظ

سادہ آواز کو حرف کہا جاتا ہے۔ اردو میں بشمول الف ممدودہ اور ہمزہ حروفِ تہجی کی تعداد اڑتیس ہے۔ ان میں سے سترہ حروف منقوط اور اکیس حروف غیر منقوط ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ مخلوط حروف ہیں جنھیں دو چشمی ''ھ'' یا بھاری حروف بھی کہا جاتا ہے، ان کی تعداد پندرہ ہے۔ وہ مرکّب آواز جو کچھ سادہ آوازوں سے مل کر بنتی ہے، اسے لفظ کہتے ہیں مثلاً: ''عِلْم'' ایک لفظ ہے جو تین حروف (ع، ل، م) سے مل کر بنا ہے۔ اسی طرح ''کھاٹ'' ایک لفظ ہے جو تین حروف (کھ، ا، ٹ) سے مل کر بنا ہے۔ جب چند الفاظ ایک خاص ترتیب سے جوڑ دیے جائیں تو وہ جملہ بن جاتا ہے۔

جُملہ

الفاظ کے ایسے مجموعے کو جس کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجائے، جُملہ کہتے ہیں۔ مثلاً: آج موسم بڑا خوش گوار ہے۔ علم بڑی دولت ہے۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے، وغیرہ۔ جملے کو فقرہ بھی کہتے ہیں۔

کلمہ اور مہمل

الفاظ دو طرح کے ہوتے ہیں: بامعنی اور بے معنی۔ بامعنی لفظ کو کلمہ اور بے معنی لفظ کو مہمل کہتے ہیں۔ مثلاً پانی وانی، روٹی ووٹی، چائے وائے، سچ مچ، غلط سلط، بات چیت میں، بالترتیب پانی، روٹی، چائے، سچ، غلط، بات کو کلمہ اور وانی، ووٹی، وائے، مچ، سلط، چیت کو مہمل کہیں گے۔ یاد رہے کہ اگر مہمل پہلے سے زبان زدِ عام نہیں تو عام طور پر اردو میں مہمل واؤ سے بناتے ہیں۔ جیسے: میز ویز، کرسی ورسی، کھانا، وانا وغیرہ۔

مُرکّب اور ہم رتبہ جُملے

جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکّب جملہ کہلائے گا۔ اگر یہ جملے نحوی اعتبار سے جداگانہ اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں کو ''ہم رتبہ'' جملے کہیں گے۔ ہم رتبہ جملے حروفِ عطف کے ذریعے باہم ملے ہوتے ہیں۔ اردو میں ان کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) وصلی جملے　(۲) تردیدی جملے　(۳) استدراکی جملے　(۴) سببی جملے

ذیل میں بالترتیب ہر ایک کی دو دو مثالیں درج کی جاتی ہیں:

وصلی جملے:

- میں آیا اور وہ چلا گیا۔
- سورج صبح کو نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

تردیدی جملے:

- اسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو۔
- حاکم ہمدرد ہونا چاہیے، ورنہ رعایا تباہ ہو جائے گی۔

استدراکی جملے:

- وہ وعدے تو بہت کرتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔
- ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں، سو وہ بھی نہ ہوا۔

سببی جملے:

- میں اُن کا ساتھ دوں گا کیوں کہ مصیبت کے وقت انھوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔
- وہ بہت شریر اور نااہل ہے، اس لیے میں اسے منھ نہیں لگاتا۔

کلمہ کی قسمیں　(۱) اسم　(۲) فعل　(۳) حرف

اسم: وہ کلمہ ہے جو کسی شخص، کسی جگہ، چیز یا کیفیت کا نام ہو جیسے: محمود۔ لاہور۔ پنکھا یا نام کی جگہ استعمال ہو مثلاً وہ۔ وہاں۔
اسم کا زمانے سے تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ اپنے معنی کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔

فعل: وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی کے اعتبار سے مستقل ہو، جو کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا، ہونا یا نہ ہونا بتائے اور جس میں تین زمانوں یعنی ماضی، حال اور مستقبل میں سے کوئی ایک زمانہ پایا جائے جیسے: آیا۔ جاتا تھا۔ لکھے گا۔

حرف: وہ کلمہ جو اکیلا تو کچھ معنی نہ دے لیکن دوسرے کلمات کے ساتھ مل کر معنی دے اور ان میں تعلق بھی پیدا کرے۔ وہ اپنے معنی کے اظہار کے لیے دوسرے کلمات کا محتاج ہوتا ہے۔ جیسے: میں گھر سے مسجد تک گیا۔ اس میں ''سے'' اور ''تک'' دو حرف ہیں۔

منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروفِ تہجی

اردو زبان میں ہندی، عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں کے علاوہ بھی کئی زبانوں کے الفاظ بھی شامل اور اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ جب تک تفحص نہ کیا جائے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کون سا لفظ کس زبان کا ہے۔

اس خاصیّت نے اردو کو مقبول اور دل پذیر زبان بنا دیا ہے اور ہر غیر زبان بولنے والے کو اردو میں اپنائیت کی خوشبو آتی ہے اور اگر وہ اردو زبان سیکھنا چاہے تو اردو بول چال میں جلد ہی قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

دنیا کی تمام اہم زبانوں میں حروفِ ابجد دو طرح کے ہیں: کچھ منقوط اور کچھ غیر منقوط۔ انگلش کے چھبیس بڑے حروف (Capital Letters) ہیں اور چھبیس ہی چھوٹے حروف (Small Letters) بڑے حروف میں سے کسی پر نقطہ نہیں آتا جب کہ چھوٹے حروف میں سے فقط دو حروف (i, j) ایسے ہیں جن پر نقطے ہیں مگر ہندی، عربی اور فارسی میں منقوط حروف بہت زیادہ ہیں۔ اردو کی یہ خاصیّت ہے، جو مقبولیت کا بھی بڑا سبب ہے کہ اس میں متذکرہ تمام زبانوں کے حروف شامل ہیں۔ اردو میں بشمول الف ممدودہ اور ہمزہ کل مفرد حروف کی تعداد اڑتیس ہے۔ جن میں سے سترہ منقوط اور اکیس غیر منقوط ہیں جب کہ پندرہ بھاری حروف ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

منقوط حروف : ب، پ، ت، ث، ج، چ، خ، ذ، ز، ژ، ش، ض، ظ، غ، ف، ق، ن (۱۷)

غیر منقوط حروف: ا، آ، ٹ، ح، د، ڈ، ر، ڑ، ، س، ص، ط، ع، ک، گ، ل، م، و، ہ، ء، ی، ے (۲۱)

بھاری حروف : بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ (۱۵)

اس طرح بشمول منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف، حروفِ تہجّی کی کل تعداد ۵۳ ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

ا، آ، ب، بھ، پ، پھ، ت، تھ، ٹ، ٹھ، ث، ج، جھ، چ، چھ، ح، خ، د، دھ، ڈ،
ڈھ، ذ، ر، رھ، ڑ، ڑھ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک،
کھ، گ، گھ، ل، لھ، م، مھ، ن، نھ، و، ہ، ء، ی، ے

(۵۳)

❀❀

حروفِ شمسی و قمری

عربی زبان کی، جو ایک فصیح و بلیغ زبان ہے، ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض لفظوں میں امتیاز کرنے کے لیے الف لام لگا دیتے ہیں مگر کچھ حروف ایسے ہیں کہ اگر ان سے پہلے الف لام آتا تو ہے مگر تلفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جن حروف کے شروع میں الف لام نہیں پڑھا جاتا، انھیں حروفِ شمسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جب ''الشمس'' میں پہلے الف لام لگایا جاتا ہے، تو لام کی آواز ظاہر نہیں کی جاتی۔ جن حروف میں لام کی آواز تلفظ میں ظاہر کی جاتی ہے، انھیں حروف قمری کہتے ہیں۔ کیوں کہ ''القمر'' پر جب

الف لام لگائیں گے تو لام کی آواز ظاہر کی جائے گی۔

یہ اصول صرف عربی زبان کے الفاظ کے ساتھ مختص ہے۔ مگر چوں کہ اردو میں ایسے اَن گنت عربی الفاظ آتے ہیں لہذا اس کی تصریح ضروری ہے۔ مثلاً: ہارون الرشید، جبل الطارق اور ذوالنّورین میں ر، ط اور ن سے پہلے الف لام لکھا تو ضرور جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا۔ چنانچہ بشمول ان تین حروف کے حروفِ شمسی درج ذیل ہیں:

ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن = تعداد (۱۴)

حروف قمری: عبدالجلیل، نورالعین اور بیت المال میں ج، ع اور م سے پہلے الف لام لکھا جائے گا اور پڑھا بھی جائے گا۔ اس طرح بشمول ان تین حروف کے حروف قمری مندرجہ ذیل ہیں:

ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی = تعداد (۱۴)

اسم کی معنی کے لحاظ سے قسمیں

(۱) اسمِ معرفہ (۲) اسمِ نکرہ

اسمِ معرفہ

وہ اسم ہے جو کسی خاص چیز، شخص یا جگہ کے خاص نام کو ظاہر کرے۔ جیسے: کوہ ہمالیہ، بانگِ درا، لاہور، محمود، اسمِ معرفہ کو ''اسمِ خاص'' بھی کہتے ہیں۔

اسمِ معرفہ کی قسمیں

(۱) اسمِ عَلَم (۲) اسمِ ضمیر (۳) اسمِ اشارہ (۴) اسمِ موصول

اسمِ عَلَم

وہ اسم ہے جو کسی شخص کے خاص نام کو ظاہر کرے جیسے: شاعرِ مشرق، غالبؔ، مٹھو، ابنِ قاسم، شمس العلما

اسمِ عَلَم کی قسمیں: (i) خطاب (ii) لقب (iii) تخلّص (iv) کُنیت (v) عُرف

- خطاب: وہ اعزازی نام ہے جو کسی زمانے میں کسی شخص کو اس کی علمی و ادبی و قومی خدمات یا کارہائے نمایاں کے اعتراف کے طور پر حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ جیسے شمس العلما، خان بہادر، سر، رستم زماں وغیرہ۔ فی زمانہ پاکستان میں خطاب کے بجائے اعزاز دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے سول اور ملٹری اعزازات مندرجہ ذیل ہیں:

  ستارۂ امتیاز، تمغۂ حسنِ کارکردگی، تمغائے بسالت، تمغائے پاکستان، اعزازِ فضیلت، نشانِ حیدر، ہلالِ جرأت، ستارۂ جرأت، ستارۂ امتیاز وغیرہ۔
- تخلّص: وہ مختصر سا نام ہے جو شاعر یا ادیب اپنے کلام میں اصل نام کے بجائے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: ذوق، غالب، حالی، حسرت، اقبال، فیض وغیرہ۔

- **لقب:** وہ وصفی نام ہے جو کسی خاص خوبی یا خاص وصف کی وجہ سے قوم کی طرف سے دیا جائے اور مشہور ہو جائے جیسے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا ، نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری، تُو قتیلِ شیوۂ آزری

اس شعر میں کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔ اسی طرح امین، صادق، علّامہ، قائدِ اعظم، مادرِ ملّت، شہیدِ ملّت، شاعر، مزدور، بابائے اردو وغیرہ بھی القابات ہیں۔

- **عرف:** وہ نام ہے جو محبت یا حقارت یا پھر بلا وجہ مشہور ہو جائے، جیسے کلّو، کلیان، اچھّا، فخرو، گاما، بلاّ، گوگا، شرفو وغیرہ۔
- **کنیت:** وہ نام ہے جو باپ، ماں، بیٹے، بیٹی یا کسی اور تعلق کی وجہ سے پکارا جائے۔ عرب ممالک میں اس کا بہت چلن ہے۔ جیسے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں ابنِ مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کنیت ہے اسی طرح ابو القاسم، ابنِ خطاب، ابوتُراب، ابوالکلام، فاطمہ بنت عبداللہ، خالد بن ولید، محمد بن قاسم بھی کنیت ہیں۔ اردو میں اس کے بجائے منّے کے ابا، زین کی امّی وغیرہ بولتے ہیں۔ بعض اوقات کنیت کسی معنوی رشتے کی بنا پر بھی کسی شخص کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے۔ جیسے: ابوتُراب، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوالاثر حفیظ جالندھری، ابوالکلام آزاد وغیرہ۔

اسمِ ضمیر

وہ اسم ہے جو کسی دوسرے اسم کی جگہ استعمال کیا جائے کیوں کہ تحریر و تقریر میں ایک نام کا بار بار لانا معیوب سمجھا جاتا ہے مثلاً وہ، تُو، تم وغیرہ، جیسے: ندیم آیا اس نے سبق پڑھایا اور وہ چلا گیا۔ اس میں ''اس'' اور ''وہ'' دونوں ضمیریں ہیں جو ندیم کی جگہ استعمال ہوئی ہیں۔ ضمیر جس کی جگہ استعمال ہوتی ہے اسے ''مرجع'' کہتے ہیں۔

اسمِ ضمیر کی قسمیں: (۱) ضمیر فاعلی (۲) ضمیر مفعولی (۳) ضمیر اضافی

ضمیر فاعلی: وہ ضمیر ہے جو کسی فعل کا فاعل رہی ہو۔ وہ یہ ہیں:

غائب		حاضر		متکلّم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلّم	جمع متکلّم
وہ۔اس	انھوں	تو	تم	میں	ہم

ضمیر مفعولی: وہ ضمیر جو مفعول کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

غائب		حاضر		متکلّم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلّم	جمع متکلّم
اسے	انھیں	تجھے	تمھیں	مجھے	ہمیں

ضمیر اضافی: وہ ضمیر ہے جو مضاف الیہ بن کر استعمال ہو۔ وہ یہ ہیں:

غائب		حاضر		متکلم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
اس کا	ان کا	تیرا/ تیری	تمھارا/تمھاری	میرا/ میری	ہمارا/ ہماری

اسم اشارہ

وہ لفظ جو اشارہ کرنے کے لیے مقرر ہوں۔ اشارے دو طرح کے ہو سکتے ہیں یعنی قریب اور دور جیسے: وہ۔ یہ۔

''وہ'' دور کی چیز کے لیے اور ''یہ'' نزدیک کی چیز کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اسے مشارٌ الیہ کہتے ہیں۔ جیسے: وہ لڑکا، یہ کتاب، یہاں ''وہ'' اور ''یہ'' اسم اشارہ ہیں۔ لڑکا اور کتاب مشارٌ الیہ۔

اسم مَوصُول

وہ اسم ہے جسے کسی جملے کے ساتھ لگائے بغیر اس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں وہ یہ ہیں: جو کوئی۔ جس، جسے، جنھوں، جنھیں، جو کچھ، جو چیز قواعد میں اسے ضمیر موصولہ یا اسم موصولہ بھی کہتے ہیں۔

اسمِ نکرہ

وہ اسم ہے جو کسی عام چیز، شخص، یا جگہ کے عام نام کو ظاہر کرے جیسے: پہاڑ، کتاب، شہر، آدمی۔ اسم نکرہ کو ''اسمِ عام'' بھی کہتے ہیں۔

اسمِ نکرہ کی قسمیں

(۱) اسمِ آلہ (۲) اسمِ صَوت (۳) اسمِ مصغّر (۴) اسمِ ظرف

اسمِ آلہ: وہ اسمِ نکرہ ہے جو کسی اوزار یا ہتھیار کو ظاہر کرے جیسے: چاقو، قینچی، چھری، تلوار، بندوق، عربی اور فارسی کے اہم آلہ بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں جیسے: مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) مسواک۔ مقراض (قینچی) مسطر (فٹ رول، پیانہ) قلم تراش (چاقو) وغیرہ۔

اسمِ صَوت: وہ اسمِ نکرہ ہے جو کسی آواز کو ظاہر کرے جیسے: سائیں سائیں (ہوا کی آواز) کائیں کائیں (کوّے کی آواز) چھم چھم (بارش کی آواز) غُٹرغوں (کبوتر کی آواز) ٹن ٹن (گھنٹے کی آواز) کوکو (کوئل کی آواز)

اسمِ مصغّر: وہ اسمِ نکرہ ہے جو کسی چیز کا چھوٹا پن ظاہر کرے جیسے: دیگچی، باغیچہ، غالیچہ (چھوٹا قالین) پیالی، بچھڑا، ڈبیا، ڈھولک، مردوا، پگڑی بکھڑا، اسمِ مصغّر بنانے کے لیے لفظ کے آخر میں کی، یا، ڈا، ڈی، چی، چہ، ک کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اسمِ مکبّر: وہ اسمِ نکرہ ہے جو کسی چیز کا بڑا پن ظاہر کرے جیسے: شہنشاہ، شاہتوت، شہتیر، شاہ رگ، شاہ سوار، شہ زور، شہ پر (بڑا پر)، شاہ کار، مہاراج، گٹھڑ، بتنگڑ، پگڑ، چھتر۔ اسمِ مکبّر بنانے کے لیے ''ی'' کی جگہ الف کا اضافہ کرتے ہیں جیسے: مکڑی سے مکڑا۔ بعض اوقات مہا کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے: مہاراجا، مہا کاج، مہا گرو وغیرہ۔

اسمِ ظرف: وہ اسمِ نکرہ ہے جس سے کوئی جگہ یا وقت ظاہر ہو جیسے: دفتر، سکول، کارخانہ، صبح، شام، آج کل۔

اسمِ ظرف کی قسمیں: (۱) اسمِ ظرفِ مکاں (۲) اسمِ ظرفِ زماں

اسمِ ظرف مکاں: وہ اسم نکرہ جو کسی جگہ کو ظاہر کرے جیسے: مسجد، مدرسہ، گھر، اسٹیشن، سبزی منڈی، کانِ نمک، شفاخانہ، عیدگاہ، کتب خانہ، تارگھر، ڈاک خانہ، دارالحکومت، شکارگاہ، مے خانہ، منزل۔

اسمِ ظرف زماں: وہ اسم نکرہ جو کسی وقت کو ظاہر کرے جیسے: صبح، شام، دوپہر، رات، دن، سال، مہینا، ہفتہ، منٹ، سیکنڈ، آج، کل، صدی۔

اسم کی ساخت کے اعتبار سے قسمیں

(۱) اسمِ جامد (۲) اسمِ مصدر (۳) اسمِ مشتق

اسمِ جامد: وہ اسم ہے جو نہ تو خود کسی اسم سے بنا ہو اور نہ اس سے کوئی دوسرا اسم بنے جیسے: اینٹ، پتھر، درخت، چٹان، پہاڑ، وادی، چٹائی، میز، کرسی، دیوار، چھت وغیرہ۔

اسمِ مصدر: وہ اسم ہے جو خود تو کسی لفظ سے نہ بنے لیکن اس سے بہت سے اسم اور فعل بنیں جیسے: اچھلنا، کودنا، آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا وغیرہ۔ اُردو زبان میں ''نا'' مصدر کی علامت ہے لیکن کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے آخر میں ''نا'' آتا ہے لیکن وہ مصدر نہیں ہوتے۔ جیسے: گنا، کانا، نانا، پرانا، بچھونا (بستر)، چونا، تانا، بانا، سونا (دھات) سُونا (ویران) گھرانا، یہ مصدر نہیں ہیں۔

اسمِ مصدر کی قسمیں: (۱) مصدر مفرد (۲) مصدر مرکب (۳) مصدر لازم (۴) مصدر متعدی

مصدر مفرد: وہ اسم جو شروع ہی سے مصدر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے: آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا، کہنا، سننا وغیرہ

مصدر مرکّب: وہ اسم ہے جو کسی مصدر کے شروع میں کوئی لفظ لگا کر دوسرا مصدر بنا لیتے ہیں اسے مصدر مرکّب کہتے ہیں جیسے بہک جانا، بھٹک جانا، کلمہ پڑھنا، قصیدہ لکھنا، سچ کہنا، جھوٹ بولنا وغیرہ۔

مصدر لازم: وہ فعل جو صرف فاعل کو چاہے فعل لازم کہلاتا ہے۔ چناں چہ جس مصدر سے فعل لازم بنے گا، وہ مصدر بھی لازم ہوگا جیسے: آنا، جانا، چلنا، دوڑنا، ہنسنا، رونا، بھاگنا، سونا، جاگنا، اچھلنا کودنا وغیرہ سب مصدر لازم ہیں۔

مصدر متعدی: وہ مصدر ہے جس سے متعدی افعال بنتے ہیں اور متعدی فعل وہ ہے جو فاعل کے علاوہ مفعول کو بھی چاہے۔ جن مصادر سے یہ متعدی افعال بنیں گے وہ مصدر متعدی ہوں گے جیسے لکھنا، پڑھنا، کھانا، پینا، پیٹنا، دوڑانا، لانا، بھگانا، اچھالنا، دیکھنا وغیرہ سب متعدی مصادر ہیں۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ مصدر لازم کو مصدر متعدی بنا لیتے ہیں جس کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

ا۔ مصدر لازم کی ''نا'' سے پہلے ''الف'' لگا دینے سے مصدر متعدی بن جاتا ہے جیسے: چلنا مصدر لازم سے چلانا مصدر متعدی اور ہنسنا مصدر لازم سے ''ہنسانا'' مصدر متعدی بن جائے گا۔

ب۔ مصدر لازم کے دوسرے حرف کے بعد ''الف'' لگا دینے سے مصدر متعدی بن جاتا ہے جیسے: اچھلنا

سے ''اچھالنا'' مصدر متعدی بن جائے گا۔

ج۔ مصدر لازم کے دوسرے حرف کے بعد ''ی'' لگا دینے سے مصدر متعدی بن جاتا ہے جیسے: سمٹنا سے ''سمیٹنا'' سکڑنا سے ''سکیڑنا''

اسمِ مُشتق: وہ اسم ہے جو خود تو مصدر سے بنے لیکن اس سے پھر کوئی لفظ نہ بنے جیسے: لکھنا سے لکھنے والا، لکھنے والی، لکھا ہوا، لکھتا ہوا الفاظ بنتے ہیں لیکن آگے ان سے کوئی لفظ نہیں بنتا۔

اسمِ مشتق کی قسمیں: (۱) اسمِ فاعل (۲) اسمِ مفعول (۳) اسمِ حالیہ (۴) اسمِ حاصل مصدر

اسمِ فاعل: وہ اسمِ مشتق ہے جو کسی فاعل کو ظاہر کرے جیسے: وسیم لکھنے والا۔ مقیم پڑھنے والا۔ ان میں وسیم کو لکھنے والا اور مقیم کو پڑھنے والا کہ کر دونوں کا فاعل ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس لیے لکھنے والا اور پڑھنے والا اسمِ فاعل کہلاتے ہیں۔

اسمِ فاعل کی قسمیں: (۱) اسمِ فاعل قیاسی (۲) اسمِ فاعل سماعی

اسمِ فاعل قیاسی: وہ اسم ہے جو قاعدے کے مطابق مصدر سے بنایا جائے جیسے: لکھنے والا، پڑھنے والا

اسمِ فاعل قیاسی بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ''الف'' ہٹا کر مذکر کے لیے ''ے والا'' اور مؤنث کے لیے ''ے والی'' لگا دینے سے اسمِ فاعل بن جاتا ہے جیسے: پڑھنا سے پڑھنے والا اور پڑھنے والی، لکھنا سے لکھنے والا اور لکھنے والی۔

اسمِ فاعل سماعی: وہ اسم فاعل ہے جو کسی خاص قاعدے سے نہ بنا ہو بلکہ اہلِ زبان سے سننے میں آیا ہو مثلاً: لکڑ ہارا، ترکھان، بڑھئی، سنار، لوہار، طبیب، تیراک، پجاری، کھلاڑی، گویّا، حلوائی، موچی، جلاہا، بھکاری، بھٹیارا، سپیرا، گھسیارا، کسان، جیب کترا، ڈاکیا، لٹیرا، ڈاکو، چور، اچکّا، جواری وغیرہ۔

اسمِ فاعل سماعی بنانے کا طریقہ: اس اسمِ فاعل کے بنانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں بلکہ اہلِ زبان سے مختلف علامتوں کے لگانے سے اسمِ فاعل بنایا جانا منقول ہے۔ جیسے: ٹھٹھیرا، لکڑ ہارا، رکھوالا، حلوائی، دھوبی، موچی، جوہری، سنار، پجاری، بھکاری، بھٹیارا، سپیرا، گھسیارا، ڈاکو، جیب کترا، چور، ڈاکیا، کھلاڑی، گویّا۔

فارسی کے بعض اسمِ فاعل بھی اردو میں مستعمل ہیں مثلاً: راہ بر، راہ نما، سرمایہ دار، کتب فروش، خیر خواہ، باغ بان، توپچی، طلب گار، باشندہ، دانش ور، جادوگر، جفت ساز، خدمت گار، پرہیز گار وغیرہ۔ اس کے علاوہ عربی کے بعض اسمِ فاعل بھی اُردو میں بکثرت استعمال کیے جاتے ہیں جیسے: خادِم، حاکِم، شاعِر، کاتِب، عادِل، عابِد، ساجِد، رازِق، خالِق، قائِل، معالِج، مقابِل، مفاخِر، مفاسِد، ملازِم، محافِظ، مجاہِد، مسافِر، مونِس، محسِن، موجِد، مُشفِق۔ مُنصِف، منکِر، منجِّم، مصوِّر، محقِّق، مبلِّغ، مرتِّب، مصنِّف، معلِّم، متکبِّر، متکلِّم، متحمِّل، متفکِّر، متوکِّل وغیرہ۔

اسمِ فاعل اور فاعل میں فرق

۱۔ اسمِ فاعل بنایا جاتا ہے لیکن فاعل بنایا نہیں جاتا بلکہ اس سے تو صرف فعل واقع ہوتا ہے۔

۲۔ اسمِ فاعل وہ ہے جو فاعل کو ظاہر کرے جب کہ فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔

۳۔ اسمِ فاعل کو فاعل کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں لیکن فاعل کبھی اسمِ فاعل کی جگہ استعمال نہیں ہو سکتا جیسے: لکھنے والے نے خط لکھا۔

یہاں لکھنے والا اگر چہ اسمِ فاعل ہے لیکن فاعل بنا ہوا ہے۔

اسمِ مفعول:

وہ اسمِ مشتق ہے جو کسی کا مفعول ہونا ظاہر کرے جیسے: لکھا ہوا خط، پڑھی ہوئی کتاب، ان جملوں میں لکھا ہوا اور پڑھی ہوئی اسمِ مفعول ہیں کیوں کہ یہ دونوں خط اور کتاب کا مفعول ہونا ظاہر کر رہے ہیں۔

اسمِ مفعول کی قسمیں: (۱) اسمِ مفعول قیاسی (۲) اسمِ مفعول سماعی

اسمِ مفعول قیاسی: وہ اسمِ مشتق ہے جو قاعدے کے مطابق مصدر سے بنایا جائے۔

۱۔ اسمِ مفعول قیاسی بنانے کا طریقہ: جس مصدر سے اسمِ مفعول بنانا ہو اس کی ماضی مطلق کے آخر میں ہُوا لگا دینے سے اسمِ مفعول بن جاتا ہے جیسے: لکھنا سے لکھا ہوا اور لکھی ہوئی۔ پڑھنا سے پڑھا ہوا اور پڑھی ہوئی اسمِ مفعول بن گئے۔

۲۔ اسمِ مفعول سماعی: وہ اسم ہے جو کسی قاعدے سے بنایا تو نہیں جاتا لیکن معنی اسمِ مفعول کے دیتا ہے۔ مثلاً: نکٹا (ناک کٹا ہوا) کن چھدا (کان میں سوراخ کیا ہوا) بیاہتا (شادی کی ہوئی) دکھی (ستایا ہوا) وغیرہ

فارسی کے اسمِ مفعول اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے: اندوختہ (جمع کیا ہوا) آموختہ (پڑھا ہوا) آزمودہ (آزمایا ہوا) شنیدہ (سنا ہوا) وغیرہ

عربی کے اسمِ مفعول اردو میں بھی کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے: مظلوم، مخلوق، معبود، معلوم، مقتول، مقتدر، منتشر، منتخب، منتظر وغیرہ۔

اسمِ مفعول اور مفعول میں فرق:

۱۔ اسمِ مفعول وہ ہے جو مفعول کو ظاہر کرے اور مفعول اسے کہتے ہیں جس پر کوئی فعل واقع ہوا ہو۔

۲۔ اسمِ مفعول مصدر سے بنایا جاتا ہے لیکن مفعول بنایا نہیں جاتا۔

۳۔ اسمِ مفعول کو مفعول کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں لیکن مفعول کبھی اسمِ مفعول کی جگہ استعمال نہیں ہو سکتا جیسے: میں نے لکھا ہوا پڑھا، بچہ پڑھا ہوا بھول گیا۔ ان جملوں میں لکھا ہوا، پڑھا ہوا دونوں اسمِ مفعول ہیں جو مفعول کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔

اسمِ حالیہ:

وہ اسمِ مشتق ہے جو کسی فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرے جیسے: نعیم ہنستا ہوا آیا۔ وسیم نے کامران کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پہلے جملے میں ''ہنستا ہوا'' فاعل نعیم کی حالت بیان کر رہا ہے۔ دوسرے جملے میں ''پڑھتے ہوئے'' کامران جو کہ مفعول ہے، کی حالت بیان کر رہا ہے لہٰذا ''ہنستا ہوا'' اور ''پڑھتے ہوئے'' دونوں اسمِ حالیہ ہیں۔

اسمِ حالیہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ''نا'' ہٹا کر ''تا ہوا'' لگا دینے سے اسمِ حالیہ بن جاتا ہے جیسے لکھنا سے لکھتا ہوا، لکھتی ہوئی، پڑھنا سے پڑھتا ہوا، پڑھتی ہوئی اسمِ حالیہ ہیں۔

اسمِ حاصل مصدر:

وہ اسمِ مشتق ہے جو مصدر تو نہ ہو لیکن معنی اور اثر مصدر کا ظاہر کرے، مثلاً آہٹ (آنا)، (لڑائی لڑنا)، دباؤ (دبانا)۔ چناں چہ

آہٹ بڑائی، دباؤ حاصل مصدر ہیں۔

حاصل مصدر بنانے کے طریقے:

۱۔ بعض مصدروں کے آخر سے "الف" ہٹا کر جو باقی رہے وہ حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: جلنا سے جلن، چلنا سے چلن، دکھنا سے دکھن، لگنا سے لگن، چبھنا سے چبھن۔

۲۔ بعض مصدروں کے آخر سے "نا" ہٹا کر باقی جو رہے وہ حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: دوڑنا سے دوڑ، چاہنا سے چاہ، بھاگنا سے بھاگ، دیکھنا سے دیکھ حاصل مصدر ہیں۔

۳۔ بعض مصدروں کے آخر سے "نا" ہٹا کر "ؤ" لگا دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے دبانا سے دباؤ، جھکانا سے جھکاؤ۔ بہانا سے بہاؤ۔ لگانا سے لگاؤ۔

۴۔ بعض مصدروں کے آخر سے "نا" ہٹا کر "وٹ" لگا دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: ملانا سے ملاوٹ، گرانا سے گراوٹ، بنانا سے بناوٹ، سجانا سے سجاوٹ۔

۵۔ بعض مصدروں کے آخر سے "نا" ہٹا کر "ہٹ" لگا دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے گھبرانا سے گھبراہٹ، مسکرانا سے مسکراہٹ، آنا سے آہٹ۔

۶۔ بعض مصدروں کے آخر سے "نا" ہٹا کر "آئی" لگا دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: لڑنا سے لڑائی، رنگنا سے رنگائی، پڑھنا سے پڑھائی، لکھنا سے لکھائی، پٹنا سے پٹائی۔

۷۔ لڑکپن، بچپن، اپنائیت، چاہت، چال یہ سب بھی حاصل مصدر ہیں۔

۸۔ فارسی کے حاصل مصدر اردو میں بھی حاصل مصدر ہی شمار ہوں گے جیسے: گفت گو، جستجو، آمد ورفت، آزمائش، پیدائش وغیرہ

۹۔ عربی کے حاصل مصدر اردو میں بھی حاصل مصدر کے طور پر ہی استعمال ہوں گے جیسے: شرافت، جہالت، جماعت، علم، عمل وغیرہ

اسم معاوضہ:

وہ اسم مشتق ہے جو کسی کام یا کسی خدمت کی اجرت اور بدلے کے معنی دے مثلاً پسوائی۔ دھلائی۔

اسم معاوضہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے "نا" ہٹا کر "ائی" لگا دینے سے اسمِ معاوضہ بن جاتا ہے جیسے: رنگوانا سے رنگوائی لگوانا سے لگوائی، دھلانا سے دھلائی، اٹھوانا سے اٹھوائی، پسوانا سے پسوائی وغیرہ

اسم صِفَت:

وہ اسم ہے جس سے کسی کی اچھی یا بری حالت ظاہر کی جائے مثلاً نیک لڑکا، اونچی دیوار، ان میں نیک اور اونچی اسم صفت ہیں جس کی اچھی یا بری حالت ظاہر کی اسے اسمِ موصوف کہتے ہیں جیسے: اوپر کی مثالوں میں لڑکا اور دیوار اسمِ موصوف ہیں۔

اسم صِفَت کی قسمیں: (۱) صِفَت اصلی (۲) صِفَت نسبتی

۱۔ صِفَت اصلی: وہ اسم ہے جو زبان میں شروع سے کسی کی اچھائی یا برائی بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جیسے: اچھا۔ برا۔ نیک۔ بد۔ تیز۔ سُست۔

صِفَت اصلی کے تین درجے: (۱)صِفَت نفسی (۲)صِفَت بعض (۳)صِفَت کل

صِفَت نفسی: وہ اسم صِفَت ہے جس سے کسی کی حالت کسی دوسرے اسم سے بغیر مقابلہ کے ظاہر کی جائے جیسے: اچھا، برا، اونچا، نیچا، نیک، بد، خوب صورت وغیرہ

صِفَتِ بعض: وہ اسمِ صِفَت جس سے کسی ایک کو دوسرے سے بڑھایا جائے مثلاً: اس سے اونچا، نیک تر۔

صِفَتِ کل: وہ اسمِ صِفَت ہے جس سے ایک کو دوسرے سب سے بڑھایا جائے جیسے: سب سے اونچا، بلند ترین، نیک ترین۔

۲۔ صِفَتِ نسبتی: وہ اسمِ صِفَت ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن محض تعلق کی وجہ سے صِفَت کے معنی ظاہر کرے جیسے: لاہوری نمک، عربی آدمی۔

ان دونوں میں لاہوری کا لفظ لاہور سے اور عربی کا لفظ عرب سے تعلق ظاہر کرنے کی وجہ سے صِفَت نسبتی کہلاتے ہیں۔

صِفَتِ نسبتی بنانے کا طریقہ:

۱۔ بعض اسموں کے آخر میں ''ی'' لگا دینے سے صِفَت نسبتی بن جاتی ہے جیسے: لاہور سے لاہوری، ملتان سے ملتانی قصور سے قصوری۔

۲۔ اگر کسی اسم کے آخر میں ''الف۔ہ۔ی'' ہوں تو الف، ہ اور ی کو ''و'' سے تبدیل کر کے ''ی'' نسبتی لگائی جائے گی جیسے: بھیرہ سے بھیروی، ڈسکہ سے ڈسکوی، گولڑہ سے گولڑوی صِفَت نسبتی بنائی جائے گی۔

۳۔ بعض اسموں کے آخر میں ''انہ'' لگا دینے سے صِفَت نسبتی بن جاتی ہے جیسے: شاگرد سے شاگردانہ، استاد سے استادانہ، عالم سے عالمانہ۔ مرد سے مردانہ، ماہ سے ماہنامہ، دوست سے دوستانہ، جاہل سے جاہلانہ وغیرہ

۴۔ بعض اسموں کے آخر میں ''انی'' لگا دینے سے صِفَت نسبتی بن جاتی ہے جیسے: نور سے نورانی، روح سے روحانی۔

یہ ہندی ، وہ خراسانی ، یہ افغانی ، وہ تورانی
تُو اے شرمندۂ ساحل! اُچھل کر بے کراں ہوجا

علامہ اقبالؒ کے اس شعر میں اسی قاعدے سے بنائے ہوئے الفاظ خراسانی، افغانی اور تورانی ایسے اسم صِفَت ہیں جن کی نسبت خراسان، افغان اور توران سے ظاہر کی گئی ہے۔

۵۔ بعض اسموں کے آخر میں ''ین'' لگا دینے سے صِفَت نسبتی بن جاتی ہے جیسے: رنگ سے رنگین، سنگ (پتھر) سے سنگین، نمک سے نمکین، زر سے زرّیں وغیرہ

۶۔ مکہ اور مدینہ کی صِفَت نسبتی خلافِ قیاس مکہ سے مکی اور مدینہ سے مدنی استعمال کی جاتی ہے۔

۷۔ یہ الفاظ بھی صِفَت نسبتی ہیں: مٹیالا، جیالا، شرمیلا، رنگیلا، زہریلا، سنہری، مٹیالا، جیالا، گنوار، چچیرا، ممیرا وغیرہ

جنس اور عدد

جنس (تذکیر-تانیث)

درست جملہ بنانے اور فعل اور فاعل کی مطابقت جاننے کے لیے تذکیر وتانیث کے اصول وقواعد یاد رکھنا اور ان کی پابندی ضروری ہے۔

اردو میں اسم کی صرف دو جنسیں ہیں۔ مذکّر اور مؤنّث۔ یعنی ہر اسم چاہے وہ جان دار کے لیے ہو یا بے جان کے لیے وہ یا تو مذکّر ہوگا یا مؤنّث۔ مذکّر نر اور مؤنّث مادہ کو کہتے ہیں۔ اسم مذکّر وہ ہے جو نر کے معنوں میں مستعمل ہو اور اسم مؤنّث مادہ کے معنوں میں۔ عام طور سے تذکیر وتانیث بول چال اور زبان دان لوگوں کے ذریعے اور رواج کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے لیکن قواعد جاننے والوں نے کچھ قانون قاعدے بھی بنائے ہیں۔

۱۔ مذکّر اسم جن کی مؤنّث بنتی ہے۔ جیسے: باپ (ماں)۔ میاں (بیوی)۔ بیل (گائے)۔ بادشاہ (ملکہ)۔ راجا (رانی)۔

۲۔ مذکّر لیکن مؤنّث نہیں بنتی جیسے: درویش۔ شہ بالا۔ بابا۔ بچھونا۔ فرش۔ گیند۔

۳۔ صرف مؤنّث جیسے: باجی۔ آپا۔ دائی۔ سہاگن۔ انا۔ سوت۔

۴۔ مذکّر اسم۔ مؤنّث بنانے کے لیے لفظ مادہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے: کوا۔ اژدھا۔ خرگوش۔ باز۔ چیتا۔ نیولا۔ ہدہد۔ گینڈا۔ سرخاب۔ جانور۔

۵۔ بہ یک وقت مذکّر بھی اور مؤنّث بھی۔ جیسے: چیل۔ مینا۔ کوئل۔ فاختہ۔ لومڑی۔ چھپکلی۔ گلہری۔ مرغابی۔ تتلی۔ چکور۔ دیمک۔

۶۔ سوائے جمعرات کے تمام دنوں کے نام مذکّر ہیں۔ (ہفتہ۔ اتوار۔ پیر۔ منگل۔ بدھ۔ جمعہ)

۷۔ سال، مہینا، گھنٹا، منٹ، سنہ، مذکّر اسم ہیں۔ البتہ ''رات'' مؤنّث ہے۔

۸۔ پہاڑ اور پتھر اور ان کی تمام قسموں کے نام مذکّر بولے جاتے ہیں جیسے: زمرد۔ یاقوت۔ فیروزہ۔ ہیرا۔ پکھراج۔ ہمالہ۔ قراقرم۔

۹۔ شہروں کے نام مذکّر ہیں۔ جیسے۔ لاہور۔ کراچی۔ پشاور۔ اسلام آباد۔ کوئٹہ۔

۱۰۔ دریاؤں کے نام مذکّر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً راوی۔ جہلم۔ چناب۔ ستلج۔ سندھ

۱۱۔ تمام ندیوں کے نام مؤنّث بولے جاتے ہیں۔

۱۲۔ تارا یا ستارا کی طرح تمام ستاروں کے نام مذکّر بولے جاتے ہیں جیسے: زہرہ۔ مریخ۔ چاند۔ سورج۔

۱۳۔ تمام زبانوں اور نمازوں کے نام مؤنّث بولے جاتے ہیں۔ جیسے: فارسی۔ عربی۔ اردو۔ پشتو۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔

۱۴۔ بے جان چیزوں کے مذکّر اسما: بے ہوش۔ درد۔ نسخہ۔ پرہیز۔ عیش۔ فوٹو۔ اخبار۔ لالچ۔ تار۔ لفافہ۔ خط۔ ٹکٹ۔ کارڈ۔ مرض۔ مزاج۔ علاج۔ فیض۔ مرہم۔ ماضی۔ انتظار۔ کلام۔ ارتقا۔

۱۵۔ بے جان اسم جو مؤنّث بولے جاتے ہیں: جامن۔ دوا۔ پیاز۔ بھوک۔ پیاس۔ ترازو۔ بارود۔ راہ۔ گھاس۔ سرسوں۔ کیچڑ۔ پتنگ۔ سائیکل۔ چھت۔ آواز۔

بناوٹ کے قاعدے

بول چال میں رائج تذکیر اور تانیث کے علاوہ چند قواعد ایسے ہیں جن سے مذکّر نام مؤنّث اور مؤنّث اسما مذکّر کہلائے جاتے ہیں۔

مذکّر بنانے کے قاعدے:

(الف) ''الف'' اور ''ہ'' کے لاحقے اور لاحقے سے پہلے والے حرف پر زبر سے جو لفظ بنتے ہیں وہ مذکر بولے جاتے ہیں۔ جیسے:
(راج۔راجا)۔(پیار۔پیارا)۔(خاتم۔خاتمہ)۔(داخل۔داخلہ)

(ب) یائے نسبتی یعنی ''ی'' لگنے سے لفظ مذکّر بولتے ہیں جیسے: (تیل۔تیلی)۔(بھنگ۔بھنگی)۔(سیاہ۔سیاہی)

(ج) ''الف'' بڑھا کر جیسے: بھینس سے بھینسا۔ بطخ سے بطخا۔

(د) ''وئی'' لگا کر۔ بہن سے بہنوئی۔ نند سے نندوئی۔

(ہ) وہ اسما جن کے آخر میں پن۔ پنا۔ آپ اور آپا ہو تو ان کو مذکّر بولتے ہیں جیسے: بھولپن۔ بچپن۔ بچپنا۔ ملاپ۔ جلاپا۔

(و) جن اسما کے آخر میں ''زار'' اور ''ستان'' کے لاحقے ہوں، مذکّر ہیں۔ مثلاً گلزار۔ مرغزار۔ گلستان۔ پاکستان۔ افغانستان

(ز) وہ حاصل مصدر جن کے آخر میں لاحقہ ''آؤ'' ہو جیسے: جھکاؤ۔ لگاؤ۔ بہاؤ۔

مؤنث بنانے کے قاعدے:

(الف) ''ی'' کے لاحقے سے بننے والے اسما عام طور پر مؤنّث بولے جاتے ہیں جیسے: آری۔ شہزادی۔ کبوتری۔

(ب) کبھی مذکر اسم میں ''ن'' کا لاحقہ لگانے سے اسم مؤنّث بناتے ہیں جیسے: سنار سے سنارن۔ کمھار سے کمھارن۔

(ج) ''نی'' لگا کر مؤنّث: ڈوم سے ڈومنی۔ اونٹ سے اونٹنی۔ شیر سے شیرنی۔ مور سے مورنی۔ جمعدار سے جمعدارنی۔

(د) ''انی'' لگانے سے: سیّدانی۔ شیخانی۔ جیٹھانی۔ دیورانی۔

(ہ) وہ حاصل مصدر جن کے آخر میں ان۔ آن۔ وٹ ہو جیسے: اٹھان۔ نپان۔ بناوٹ۔ کھچاوٹ۔

(و) ''گاہ'' کا لاحقہ اسم مؤنّث کی علامت ہے۔ درگاہ۔ قتل گاہ۔ سجدہ گاہ۔ رصدگاہ۔ بندرگاہ۔ تخت گاہ۔

(ز) ''ش'' کا لاحقہ بھی اسم مؤنّث بناتا ہے۔ کوشش۔ بینش۔

(ح) وہ اسما جن کے آخر میں ''ہ'' ہو۔ والدہ۔ معلّمہ۔ ملکہ۔ خادمہ۔ شاعرہ۔ ادیبہ۔ ناصرہ۔

(ط) وہ عربی مصادر جن کے آخر میں ''ا'' ہو۔ وفا۔ دعا۔ ہوا۔ صفا۔ خطا۔

لاحقوں کی مدد سے بننے والے مذکّر و مؤنّث اسما

مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث	مذکّر	مؤنّث
اونٹ	اونٹنی	استاد	استانی	اداکار	اداکارہ	بکرا	بکری
بنجارا	بنجارن	بطخا	بطخ	بندر	بندریا	بندہ	بندی
بچھڑا	بچھیا	براتی	براتن	بھنگی	بھنگن	بلّا	بلّی

بھکاری	بھکارن	پٹھان	پٹھانی	باورچی	باورچن	تایا	تائی
پارسی	پارسن	بھینسا	بھینس	جیٹھ	جیٹھانی	تھانیدار	تھانیدارنی
پنجابی	پنجابن	تنبولی	تنبولن	جوگی	جوگن	چچا	چچی
چمار	چمارن	چیونٹا	چیونٹی	چھوکرا	چھوکری	چودھری	چودھرانی
چوکیدار	چوکیدارنی	چیلا	چیلی	حلوائی	حلوائن	خالو	خالہ
خان	خانم	دلھا	دلھن	دیور	دیورانی	دیہاتی	دیہاتن
دھوبی	دھوبن	درزی	درزن	روگی	روگن	رنڈوا	رانڈ
سید	سیدانی	سنار	سنارن	سیٹھ	سیٹھانی	ساتھی	ساتھن
شیخ	شیخانی	فقیر	فقیرنی	فریبی	فریبن	فرنگی	فرنگن
قصائی	قصائن	کمھار	کمھارن	کبوتر	کبوتری	کتا	کتیا
گدھا	گدھی	گنوار	گنوارن	گوالا	گوالن	گرہست	گرہستن
گھسیارا	گھسیارن	مرغا	مرغی	ماموں	ممانی	مور	مورنی
مینڈک	مینڈکی	موچی	موچن	مہتر	مہترانی	ملک	ملکہ
مغل	مغلانی	مالک	مالکن، مالکہ	ناگ	ناگن	نائی	نائن
نواسہ	نواسی	نانا	نانی	نندوئی	نند	نوکر	نوکرانی

واحد۔جمع (تعداد)

تحریراور تقریر میں جب کوئی اسم آئے گا تو وہ واحد ہوگا یا جمع ہوگا۔ اگر وہ واحد ہو تو اُسے جمع بنانے کے لیے درج ذیل قاعدے مقرر ہیں:

۱۔ اردو میں واحد سے جمع بنائی جاتی ہے۔

۲۔ جن مذکر اسموں کے آخر میں ''الف'' آیا ہو ان کی جمع بنانے کے لیے ''الف'' کو ''ے'' سے بدل دیتے ہیں جیسے: لڑکا سے لڑکے۔ بیٹا سے بیٹے۔ بندہ سے بندے۔ بکرا سے بکرے۔ پردہ سے پردے۔ بنجارا سے بنجارے

۳۔ کچھ اسم جو رشتوں کے نام ہیں یا خطابات اور القاب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ان کے آخر میں آنے والا ''الف'' واحد اور جمع دونوں حالتوں میں قائم رہتا ہے جیسے: تایا۔ نانا۔ دادا۔ چچا۔ رانا۔ ملا۔

۴۔ جن مذکر اسموں کے آخر میں نون غنہ (ں) آتا ہے ان کی جمع بناتے وقت تحریر میں نون غنہ کو گرا کر ''ین'' کا اضافہ کر دیتے ہیں جو علامت جمع مذکر ''اے'' کا بدل ہے۔ مثلاً دھواں سے دھویں۔ کنواں سے کنویں وغیرہ۔

۵۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ''ی'' آتی ہے ان کی جمع بنانے کے لیے ''اں'' لگاتے ہیں جیسے:
لڑکی سے لڑکیاں۔ گھوڑی سے گھوڑیاں۔ کہانی سے کہانیاں۔ بکری سے بکریاں

۶۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ''یا'' آتا ہے ان کا آخری الف گرا کر ''اں'' لگا کر جمع بنائی جاتی ہے جیسے:
کتیا سے کتیاں۔ بندریا سے بندریاں۔ لٹیا سے لٹیاں۔

۷۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ''ی'' نہیں ہوتی ان کی جمع بناتے وقت صرف ''یں'' لگاتے ہیں جیسے: میز سے میزیں۔ عورت سے عورتیں۔ ماما سے مامائیں۔ لیکن اگر ایسا اسم مؤنث ''الف'' یا ''ہ'' پر ختم ہو تو ''ئیں'' لگاتے ہیں مثلاً خالہ سے خالائیں۔

۸۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں نون غنہ آتا ہے ان کی جمع بناتے وقت تحریر میں نون غنہ دور کر کے ''یں'' بڑھا دیتے ہیں مثلاً جوں سے جویں۔ بھوں سے بھویں لیکن نون غنہ سے پہلے الف ہو تو ''ئیں'' لگاتے ہیں مثلاً ماں سے مائیں۔

۹۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ''ہمزہ'' اور ''ے'' (یعنی ئے) ہو ان کی جمع بناتے وقت ''ے'' کو گرا کر ''یں'' بڑھا دیتے ہیں جیسے:
گائے سے گائیں۔ رائے سے رائیں۔ خوشبو سے خوشبوئیں۔ دوا سے دوائیں

اردو بول چال میں عربی کی بہت سی جمعیں استعمال ہوتی ہیں۔ عام عربی اسما اور ان کی جمعوں کی ایک نا تمام فہرست نیچے دی جا رہی ہے۔ طلبہ انھیں ازبر کر لیں۔

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
اسلوب	اسالیب	افق	آفاق	اقلیم	اقالیم	امر	امور
استاد	اساتذہ	اکبر	اکابر	امام	ائمہ	امیر	امرا
آلہ	آلات	اسم	اسما	ادب	آداب	اول	اوائل
اب	آبا	اثر	آثار	آخر	اواخر	اختراع	اختراعات
ادیب	ادبا	اشارہ	اشارات	امّت	امم	الم	آلام
آفت	آفات	آیت	آیات	بخار	بخارات	باب	ابواب
بحر	بحور	برکت	برکات	بدن	ابدان	بُرہان	براہین
تبرّک	تبرّکات	تاریخ	تواریخ	تدبیر	تدابیر	ترجمہ	تراجم
ترکیب	تراکیب	تفصیل	تفاصیل	تجلّی	تجلّیات	تحفہ	تحائف
توقع	توقعات	ثمر	اثمار	ثابت	ثوابت	جُرم	جرائم
جرم	اجرام	جنس	اجناس	جانب	جوانب	جواب	جوابات
جزیرہ	جزائر	جاہل	جہلا	جذبہ	جذبات	جریدہ	جرائد
جن	جنات	جوہر	جواہر	جہت	جہات	جسم	اجسام
جد	اجداد	جزو	اجزا	جبل	جبال	حاجت	حوائج

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
حاجی	حُجّاج	حادثہ	حوادث	حاضر	حاضرین، حضار	حبیب	احباب
حدیث	احادیث	حکمت	حکم	حد	حدود	حق	حقوق
حجاب	حجابات	حضرت	حضرات	حکایت	حکایات	حشرہ	حشرات
حرف	حروف	حجّت	حجج	حُکم	احکام	حاکم	حکّام
حقیقت	حقائق	حصّہ	حصص	حافظ	حُفّاظ	حکیم	حکما
حاشیہ	حواشی	خاتون	خواتین	خلق	اخلاق	خط	خطوط
خلیفہ	خلفا	خاص	خواص	خادم	خدام	خاطر	خواطر
خیمہ	خیّام	خصلت	خصائل	خاصیت	خواص	خزینہ	خزائن
خطرہ	خطرات	دولت	دول	خرابہ	خرابات	دلیل	دلائل
دیوان	دواوین	دین	ادیان	دفتر	دفاتر	دفینہ	دفائن
دعا	دعوات	دعویٰ	دعاوی	دور	ادوار	دستور	دساتیر
دقیقہ	دقائق	ذخیرہ	ذخائر	دائرہ	دوائر	دوا	ادویہ
ذہن	اذہان	ذرّہ	ذرّات	ذاکر	ذاکرین	ذریعہ	ذرائع
ذکر	اذکار	رمز	رموز	رابطہ	روابط	رقعہ	رقعات
رکن	ارکان	رقم	رقوم	روایت	روایات	روح	ارواح
رئیس	رؤسا	رعیت	رعایا	رسالہ	رسائل	رائے	آرا
روضہ	ریاض	زاویہ	زوایا	رفیق	رفقا	رسم	رسوم
زمانہ	ازمنہ	سبب	اسباب	زوج	ازواج	زائد	زوائد
زائر	زائرین	سانحہ	سوانح	سجدہ	سجود	سلطان	سلاطین
سامع	سامعین	سنّت	سنن	سطر	سطور	سند	اسناد
سیّد	سادات	سفیر	سفرا	سر	اسرار	سقم	اسقام
سوال	سوالات	سیرت	سیر	سلف	اسلاف	سابق	سوابق

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
سفر	اسفار	سلسلہ	سلاسل	سبق	اسباق	سلاح	اسلحہ
شے	اشیا	شہید	شہدا	شرط	شرائط	شریف	شرفا
شریک	شرکا	شغل	اشغال	شیخ	شیوخ	شیطان	شیاطین
شاعر	شعرا	شعر	اشعار	صحابی	صحابہ	صاحب	اصحاب
صنف	اصناف	صنعت	صنائع	صوت	اصوات	ضمیر	ضمائر
صفت	صفات	صالح	صلحا	طبیعت	طبائع	طرف	اطراف
ضد	اضداد	ضابطہ	ضوابط	طبیب	اطبا	طور	اطوار
طائر	طیور	طالب	طلبہ	طبقہ	طبقات	عنصر	عناصر
طلسم	طلسمات	طفل	اطفال	علت	علل	عاقبت	عواقب
ظاہر	ظواہر	ظرف	ظروف	عزیز	اعزہ	عجیب	عجائب
عاقل	عقلا	عمل	اعمال	عارضہ	عوارض	عقیدہ	عقائد
عارف	عارفین	عطیہ	عطیات	عالم	علما	عبد	عباد
عِلم	علوم	عظیم	عظام	عزیمت	عزائم	عبادت	عبادات
عاشق	عشّاق	عام	عوام	عامل	عمال	عیب	عیوب
عدد	اعداد	عقل	عقول	عندلیب	عنادل	غنیمت	غنائم
عنایت	عنایات	غرض	اغراض	غریب	غربا	غزوہ	غزوات
غیر	اغیار	غذا	اغذیہ	غلط	اغلاط	فتح	فتوح
فریضہ	فرائض	غنی	اغنیا	فضیلت	فضائل	فاضل	فضلا
فرد	افراد	فرمان	فرامین	فلک	افلاک	فاتح	فاتحین
فتنہ	فتن	فرعون	فراعنہ	فساد	فسادات	فن	فنون
فوج	افواج	فیض	فیوض	قاری	قارئین	قبر	قبور
قدم	اقدام	قرینہ	قرائن	قریب	اقربا	قطب	اقطاب

واحد	جمع
قطرہ	قطرات
قطعہ	قطعات
قدیم	قدما
قلب	قلوب
قصر	قصور
قبیلہ	قبائل
کریم	کرام
کنایہ	کنایات
لطف	الطاف
لوح	الواح
مرحلہ	مراحل
موضوع	موضوعات
ملک	املاک
مثل	امثال
مفہوم	مفاہیم
مظہر	مظاہر
مکتب	مکاتب
منصب	مناصب
محصول	محصولات
مُدبّر	مدبرین
مصلحت	مصالح
مقدار	مقادیر

واحد	جمع
قول	اقوال
قوم	اقوام
قانون	قوانین
قسم	اقسام
کبیر	کبار
کمال	کمالات
لطیفہ	لطائف
لقب	القاب
مد	مدات
معدن	معادن
ملک	ملائک
منقول	منقولات
معقول	معقولات
معجزہ	معجزات
مومن	مومنین
ماہر	ماہرین
مسکن	مساکن
مانع	موانع
محقق	محققین
مراسلہ	مراسلات
مطلب	مطالب
مذہب	مذاہب

واحد	جمع
قید	قیود
قصہ	قصص
قیاس	قیاسات
قطع	اقطاع
قسط	اقساط
کتاب	کتب
کافر	کفار
لازم	لوازم
لغت	لغات
لیل	لیالی
مدرسہ	مدارس
ظلم	مظالم
ملک	ملوک
مصیبت	مصائب
معرفت	معارف
مقالہ	مقالات
مدینہ	مدائن
مجاہد	مجاہدین
مخزن	مخازن
مرض	امراض
مجلس	مجالس
مال	اموال

واحد	جمع
قافیہ	قوافی
قاعدہ	قواعد
قصیدہ	قصائد
قدر	اقدار
قوت	قویٰ
کوکب	کواکب
کلمہ	کلمات
لسان	السنہ
لمحہ	لمحات
مملکت	ممالک
مثال	امثلہ
محنت	محن
مشرب	مشارب
مکتوب	مکاتیب
مشاہدہ	مشاہدات
مبلغ	مبلغین
محدث	محدثین
مسکین	مساکین
مدرس	مدرسین
مصدر	مصادر
محفل	محافل
موج	امواج

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
مشغلہ	مشاغل	منظر	مناظر	مسلم	مسلمات	موضوع	موضوعات
مرثیہ	مراثی	مصاحب	مصاحبین	منزل	منازل	مقصد	مقاصد
مشہور	مشاہیر	مِلّت	ملل	معنی	معانی	معاصر	معاصرین
موقع	مواقع	مسئلہ	مسائل	منبر	منابر	موت	اموات
مقبرہ	مقابر	نسب	انساب	مسجد	مساجد	نصیحت	نصائح
نتیجہ	نتائج	نبات	نباتات	نکتہ	نکات	نقطہ	نُقاط
ناظر	ناظرین	نور	انوار	ندیم	ندما	نظریہ	نظریات
نفل	نوافل	نعمت	نعم	نغمہ	نغمات	نقل	نقول
نجم	نجوم	نادر	نوادر	نوع	انواع	نفس	انفاس
ناصر	انصار	ناصح	ناصحین	نبی	انبیا	نقش	نقوش
نفس	نفوس	وجہ	وجوہ	نظر	انظار	نقیب	نقبا
ولی	اولیا	واقعہ	واقعات	واعظ	واعظین	وحشی	وحوش
ورق	اوراق	وصف	اوصاف	وسوسہ	وساوس	وظیفہ	وظائف
ورد	اوراد	وسیلہ	وسائل	وفد	وفود	وَلَد	اولاد
وکیل	وکلا	وزیر	وزرا	وزن	اوزان	وارِث	ورثا
وصیت	وصایا	وقف	اوقاف	وضع	اوضاع	وہم	اوہام
وطن	اوطان	یتیم	یتامیٰ	وقت	اوقات	ہدیہ	ہدایا
ہمّت	ہمم	یوم	ایّام	یہودی	یہود	ہدف	اہداف

فعل

فعل: وہ کلمہ ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا کسی زمانے میں معلوم ہو جیسے: نعیم آیا۔ طاہر نے کتاب پڑھی۔

فعل کا تعلق زمانے کے ساتھ ہوتا ہے اور زمانے کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **زمانۂ ماضی:** جو گزر چکا ہے، اسے زمانۂ ماضی کہتے ہیں۔

۲۔ **زمانۂ حال:** وہ زمانہ جو موجود ہے، اسے زمانۂ حال کہتے ہیں۔

۳۔ **زمانۂ مستقبل:** آیندہ زمانے کو زمانۂ مستقبل کہتے ہیں۔

فعل کی قسمیں

(۱) فعل ماضی (۲) فعل حال (۳) فعل مستقبل (۴) فعل مضارع (۵) فعل امر (۶) فعل نہی

(۷) فعل لازم (۸) فعل متعدی (۹) فعل معروف (۱۰) فعل مجہول (۱۱) فعل تام (۱۲) فعل ناقص

یہ یاد رہے کہ فعل کے لیے فاعل کی بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مثلاً غائب ، حاضر، متکلم اور پھر واحد ہوگا یا جمع ہوگا چناں چہ فعل کی چھے صورتیں اور درجے ہو جائیں گے جیسے:

(۱) واحد غائب (۲) جمع غائب (۳) واحد حاضر (۴) جمع حاضر (۵) واحد متکلم (۶) جمع متکلم

ان درجوں کو صیغے کہتے ہیں کسی فعل کو ان صیغوں میں تبدیل کرنا گردان کہلاتا ہے۔

فعل ماضی

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: ندیم گیا۔ فریدہ خط لکھتی تھی۔

فعل ماضی کی قسمیں: (۱) ماضی مطلق (۲) ماضی قریب (۳) ماضی بعید (۴) ماضی شکیہ (۵) ماضی تمنائی (۶) ماضی استمراری

(۱) ماضی مطلق: وہ فعل ہے جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا صرف گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ گزرا ہوا زمانہ نزدیک کا ہے یا دور کا۔ مثلاً وہ آیا۔ تم گئے۔

ماضی مطلق بنانے کے طریقے: (i) بعض مصدروں کے آخر سے ''نا'' ہٹا کر ''الف'' لگا دینے سے ماضی مطلق بن جاتی ہے جیسے:

لکھنا سے لکھا۔ پڑھنا سے پڑھا۔ دوڑنا سے دوڑا۔ لکھا، پڑھا اور دوڑا ماضی مطلق ہے۔

(ii) بعض مصدروں کے آخر سے ''نا'' ہٹا کر ''یا'' لگا دینے سے ماضی مطلق بن جاتی ہے جیسے:

کھانا سے کھایا۔ رونا سے رویا۔ آنا سے آیا۔ کھایا، رویا اور آیا ماضی مطلق ہے۔

(iii) جانا اور کرنا مصدر کی ماضی مطلق ان کے خلاف آتی ہے جانا سے ''گیا'' ماضی مطلق ہے اور کرنا سے ''کیا'' ماضی مطلق ہے۔

''لکھنا'' مصدر سے ماضی مطلق کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	اس نے لکھا	انھوں نے لکھا	تُو نے لکھا	تم نے لکھا	میں نے لکھا	ہم نے لکھا
مؤنث	اس نے لکھا	انھوں نے لکھا	تُو نے لکھا	تم نے لکھا	میں نے لکھا	ہم نے لکھا

(۲) ماضی قریب: وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا نزدیک کے گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: ندیم آیا ہے۔ فرح گئی ہے۔

ماضی قریب بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ''ہے'' لگا دینے سے ماضی قریب بن جاتی ہے۔

''آنا'' مصدر سے ماضی قریب کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آیا ہے	وہ آئے ہیں	تُو آیا ہے	تم آئے ہو	میں آیا ہوں	ہم آئے ہیں
مؤنث	وہ آئی ہے	وہ آئی ہیں	تُو آئی ہے	تم آئی ہو	میں آئی ہوں	ہم آئی ہیں

(۳) ماضی بعید: وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا دیر کے گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: مقیم نے لکھا تھا۔

ماضی بعید بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ''تھا'' لگا دینے سے ماضی بعید بن جاتی ہے۔

''جانا'' مصدر سے ماضی بعید کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ گیا تھا	وہ گئے تھے	تُو گیا تھا	تم گئے تھے	میں گیا تھا	ہم گئے تھے
مؤنث	وہ گئی تھی	وہ گئی تھیں	تُو گئی تھی	تم گئی تھیں	میں گئی تھی	ہم گئی تھیں

(۴) ماضی شکیہ: وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا گزرے ہوئے زمانے میں شک معلوم ہو۔ جیسے: اس نے خط لکھا ہوگا۔

ماضی شکیہ بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ''ہوگا'' لگا دینے سے ماضی شکیہ بن جاتی ہے۔

''لکھنا'' مصدر سے ماضی شکیہ کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	اس نے لکھا ہوگا	انھوں نے لکھا ہوگا	تُو نے لکھا ہوگا	تم نے لکھا ہوگا	میں نے لکھا ہوگا	ہم نے لکھا ہوگا
مؤنث	اس نے لکھا ہوگا	انھوں نے لکھا ہوگا	تُو نے لکھا ہوگا	تم نے لکھا ہوگا	میں نے لکھا ہوگا	ہم نے لکھا ہوگا

(۵) ماضی تمنائی: وہ فعل ہے جس سے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کی آرزو، تمنا یا شرط معلوم ہو جیسے: کاش! وہ محنت کرتا۔ اگر وہ آتا۔

ماضی تمنائی یا شرطیہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر میں "نا" ہٹا کر "تا" لگا دیتے ہیں اور شروع میں "کاش یا اگر" لگا دیتے ہیں۔ اس طرح ماضی تمنائی یا شرطیہ بن جاتی ہے۔

"پڑھنا" مصدر سے ماضی تمنائی کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	کاش! وہ پڑھتا	کاش! وہ پڑھتے	کاش! تُو پڑھتا	کاش! تم پڑھتے	کاش! میں پڑھتا	کاش! ہم پڑھتے
مؤنث	کاش! وہ پڑھتی	کاش! وہ پڑھتیں	کاش! تُو پڑھتی	کاش! تم پڑھتیں	کاش! میں پڑھتی	کاش! ہم پڑھتیں

"پڑھنا" مصدر سے ماضی شرطیہ کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	اگر وہ پڑھتا	اگر وہ پڑھتے	اگر تُو پڑھتا	اگر تم پڑھتے	اگر میں پڑھتا	اگر ہم پڑھتے
مؤنث	اگر وہ پڑھتی	اگر وہ پڑھتیں	اگر تُو پڑھتی	اگر تم پڑھتیں	اگر میں پڑھتی	اگر ہم پڑھتیں

(۶) ماضی استمراری: وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا گزرے ہوئے زمانے میں لگاتار اور مسلسل معلوم ہو جیسے: وہ لکھتا تھا۔

ماضی استمراری بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے "نا" ہٹا کر "تا تھا" یا "رہا تھا" لگا دینے سے ماضی استمراری بن جاتی ہے۔

"دوڑنا" مصدر سے ماضی استمراری کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ دوڑتا تھا یا وہ دوڑ رہا تھا	وہ دوڑتے تھے یا وہ دوڑ رہے تھے	تُو دوڑتا تھا یا تُو دوڑ رہا تھا	تم دوڑتے تھے یا تم دوڑ رہے تھے	میں دوڑتا تھا یا میں دوڑ رہا تھا	ہم دوڑتے تھے یا ہم دوڑ رہے تھے
مؤنث	وہ دوڑتی تھی یا وہ دوڑ رہی تھی	وہ دوڑتی تھیں یا وہ دوڑ رہی تھیں	تُو دوڑتی تھی یا تُو دوڑ رہی تھی	تم دوڑتی تھیں یا تم دوڑ رہی تھیں	میں دوڑتی تھی یا میں دوڑ رہی تھی	ہم دوڑتی تھیں یا ہم دوڑ رہی تھیں

فعل حال

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا موجودہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: فوزیہ کتاب پڑھتی ہے۔ فریدہ مضمون لکھ رہی ہے۔

فعل حال بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے "نا" ہٹا کر "تا ہے" لگا دینے سے فعل حال اور "رہا ہے" لگا دینے سے فعل حال جاری بن جاتا ہے۔

''کھیلنا'' مصدر سے فعل حال اور فعل حال جاری کی گردان

جنس	زمانہ	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	فعل حال	وہ کھیلتا ہے	وہ کھیلتے ہیں	تُو کھیلتا ہے	تم کھیلتے ہو	میں کھیلتا ہوں	ہم کھیلتے ہیں
	فعل حال جاری	وہ کھیل رہا ہے	وہ کھیل رہے ہیں	تُو کھیل رہا ہے	تم کھیل رہے ہو	میں کھیل رہا ہوں	ہم کھیل رہے ہیں
مؤنث	فعل حال	وہ کھیلتی ہے	وہ کھیلتی ہیں	تُو کھیلتی ہے	تم کھیلتی ہو	میں کھیلتی ہوں	ہم کھیلتی ہیں
	فعل حال جاری	وہ کھیل رہی ہے	وہ کھیل رہی ہیں	تُو کھیل رہی ہے	تم کھیل رہی ہو	میں کھیل رہی ہوں	ہم کھیل رہی ہیں

فعل مستقبل

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا آئندہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: رضوان ملتان جائے گا۔

فعل مستقبل بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ''نا'' ہٹا کر ''ے گا'' لگا دینے سے فعل مستقبل بن جاتا ہے۔

''لکھنا'' مصدر سے فعل مستقبل کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لکھے گا	وہ لکھیں گے	تُو لکھے گا	تم لکھو گے	میں لکھوں گا	ہم لکھیں گے
مؤنث	وہ لکھے گی	وہ لکھیں گی	تُو لکھے گی	تم لکھو گی	میں لکھوں گی	ہم لکھیں گی

فعل مضارع

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا موجودہ اور آئندہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: عدنان آئے۔ ''آئے'' فعل مضارع ہے۔

فعل مضارع بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ''نا'' ہٹا کر ''ئے'' لگا دینے سے فعل مضارع بن جاتا ہے۔

''کھانا'' مصدر سے فعل مضارع کی گردان

غائب		حاضر		متکلم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
وہ کھائے	وہ کھائیں	تو کھائے	تم کھاؤ	میں کھاؤں	ہم کھائیں

فعل امر

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا حکم معلوم ہو جیسے: تو آ۔ تم کھاؤ۔

فعل امر بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے "نا" ہٹا کر جو باقی بچے فعل امر واحد حاضر کا صیغہ ہوگا۔ فعل امر کے حقیقت میں دو صیغے واحد حاضر اور جمع حاضر ہوتے ہیں کیوں کہ حکم حاضر اور موجود کو دیا جاتا ہے چناں چہ باقی صیغے فعل مضارع کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ گردان سے ظاہر ہے۔

"آنا" مصدر سے فعل مضارع کی گردان

غائب		حاضر		متکلم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
وہ آئے	وہ آئیں	تو آ	تم آؤ	میں آؤں	ہم آئیں

فعل نہی

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے نہ کرنے یا نہ ہونے کا حکم معلوم ہو جیسے: تو نہ جا۔ تم مت آؤ۔

فعل نہی بنانے کا طریقہ: فعل امر کے شروع میں "نہ" یا "مت" لگا دینے سے فعل نہی بن جاتا ہے۔ اس کی حالت بھی فعل امر کی طرح ہے۔

"لکھنا" مصدر سے فعل نہی کی گردان

غائب		حاضر		متکلم	
واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
وہ نہ لکھے	وہ نہ لکھیں	تو مت لکھ	تم مت لکھو	میں نہ لکھوں	ہم نہ لکھیں

فعل لازم

وہ فعل ہے جو صرف فاعل کو چاہے جیسے: ندیم ہنسا۔ گھوڑا دوڑا۔ ان دونوں جملوں میں "ہنسا" اور "دوڑا" دونوں فعل لازم ہیں کیوں کہ ندیم اور گھوڑا دونوں فاعل ہیں جن کا ذکر کر دینے کے بعد فعلوں کے معانی پورے ہو گئے۔ آیا۔ گیا۔ دوڑا۔ چلا۔ ہنسا۔ رویا۔ بھاگا وغیرہ سب فعل لازم ہیں۔

فعل متعدی

وہ فعل ہے جو فاعل کے ساتھ مفعول بھی چاہے جیسے: استاد نے سبق پڑھایا۔ اس جملے میں "پڑھایا" فعل متعدی ہے۔ استاد فاعل ہے جس کے ذکر کرنے کے بعد سبق جو مفعول ہے کے ذکر کیے بغیر فعل کے معنی مکمل نہیں ہوتے۔ چناں چہ لکھا۔ پڑھا۔ کھایا۔ پیا۔ بیٹھا۔ دیکھا وغیرہ سب فعل متعدی ہیں۔

فعل معروف

وہ فعل ہے جس کا فاعل معلوم ہو جیسے طاہرہ آئی۔ اس جملے میں "آئی" فعل معروف ہے کیوں کہ اس کا فاعل "طاہرہ" معلوم ہے۔

فعل مجہول

وہ فعل ہے جس کا فاعل معلوم نہ ہو جیسے: ''خط لکھا گیا'' اس جملے میں ''لکھا گیا'' فعل مجہول ہے۔ کیوں کہ اس کا فاعل معلوم نہیں ہے۔ فعل مجہول جس اسم پر واقع ہوتا ہے اسے نائب فاعل یا مفعول مالم یُسَمَّ فاعلہٗ کہتے ہیں۔ فعل مجہول ہمیشہ فعل متعدی سے بنتے ہیں۔ فعل لازم سے مجہول نہیں بنتا۔

فعل مجہول بنانے کا طریقہ: جس مصدر سے فعل مجہول بنانا ہو پہلے اس مصدر کو مصدر مجہول بنالیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس مصدر کی ماضی مطلق کے آخر میں ''جانا'' لگا کر پہلے مصدر مجہول بنایا جائے اس کے بعد مذکورہ بالا طریقوں سے تمام قسم کے فعل مجہول بن جائیں گے جیسے: لکھنا مصدر سے فعل مجہول بنانے کے لیے اس مصدر کو مجہول بنایا ''لکھا جانا'' جس سے مثلاً ''لکھا گیا'' ماضی مطلق مجہول بن گئی اسی طرح دوسرے افعال بھی مجہول بن جاتے ہیں۔

فعل تام

وہ فعل ہے جو اگر فعل لازم ہے تو فاعل کا ذکر کردینے کے بعد اس کے معنی مکمل ہو جائیں جیسے: سعید آیا۔ یہاں آیا ''فعل تام'' ہے۔ سعید ''فاعل'' کے ذکر کردینے کے بعد اس کے معنی پورے ہوگئے اور اگر فعل متعدی ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کا ذکر کردینے کے بعد اس کے معنی مکمل ہو جائیں جیسے: اسلم نے خط لکھا۔ اس جملے میں لکھا ''فعل تام'' ہے کیوں کہ اسلم ''فاعل'' اور خط ''مفعول'' کے بعد معنی مکمل ہوگئے۔ یہ فعل تام کہلاتے ہیں۔

فعل ناقص

وہ فعل ہے جس کے ساتھ ایک اسم ذات کا ذکر کرنے کے بعد جب تک دوسرے اسم صفت کا ذکر نہ کیا جائے اس کے معنی مکمل نہ ہوں جیسے: ندیم نیک ہے۔ ''ہے'' فعل ناقص ہے ندیم کے اسم کا ذکر کرنے کے بعد جب تک ''نیک'' اسم صفت کا ذکر نہیں کیا گیا اس کے معنی مکمل نہیں ہوئے۔ فعل ناقص یہ ہیں: ہے۔ ہیں۔ ہوا۔ ہوئے۔ ہوگا۔ ہوگی۔ ہوگئیں۔ تھا۔ تھیں۔ رہا۔ بنا۔ نکلا۔ سہی وغیرہ

افعالِ معاون

افعالِ معاون یا امدادی افعال سے ایسے افعال مراد ہیں جو دوسرے فعلوں کے ساتھ مل کر مرکّب فعل بناتے ہیں جیسے ہنسا سے ہنس پڑا، دیکھا سے دیکھ چکا، رویا سے رونے لگا، پکارا سے پکار اٹھا، سنا سے سن سکا، رکھا سے رکھ لو، چلا سے چل دیا، لیٹا سے لیٹ گیا، مارا سے مار ڈالا، پیا سے پی لیا، سنایا سے سنانا چاہا وغیرہ۔ ان تمام مثالوں میں دو دو فعل استعمال ہوئے ہیں، ہر دوسرا فعل، فعلِ معاون ہے جو اصل فعل کے ساتھ مل کر مرکّب فعل بناتا ہے۔

عام طور پر فعلِ معاون اصل فعل کے بعد ہی آتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے۔

اردو میں بالعموم استعمال ہونے والے امدادی افعال جن مصادر سے بنتے ہیں، وہ یہ ہیں:

دینا، لینا، آنا، جانا، ڈالنا، پڑنا، ہونا، بیٹھنا، اٹھنا، رہنا، چکنا، سکنا، پانا، کرنا، نکلنا، لگنا، چاہنا، رکھنا وغیرہ

یہ مثالیں ملاحظہ کیجیے، جن الفاظ کو اوور لائن کیا گیا ہے، وہ امدادی افعال ہیں:

(۱) وہ چل دیا۔	(۲) یہ رقم رکھ لیجیے۔	(۳) اسے اندر آنے دو۔
(۴) پتے بکھر گئے۔	(۵) تم اب جا سکتے ہو۔	(۶) چور بھاگ اٹھے۔
(۷) کیا سوچ رہے ہو۔	(۸) میں خط لکھ چکا ہوں۔	(۹) پھوڑا پھوٹ نکلا۔
(۱۰) بچہ دیر تک رویا کیا۔	(۱۱) آج اسے کوئی ملنے نہ پایا۔	(۱۲) بارش آیا چاہتی ہے۔
(۱۳) وہ کہنے لگا۔	(۱۴) چاند آنگن میں اتر پڑا۔	(۱۵) وہ اپنی قسمت کو رو بیٹھے ہیں۔
(۱۶) میں نے اسے سمجھا رکھا ہے۔	(۱۷) لکڑہارے نے تمام لکڑی چیر ڈالی۔	(۱۸) یہ بات میری سنی ہوئی ہے۔

حروف کا بیان

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی شخص یا چیز کا نام ہو، نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ ہی اپنے الگ کوئی معنی رکھتا ہو بلکہ یہ مختلف کلموں کو آپس میں ملاتا اور ان کے ساتھ مل کر بامعنی بنتا ہے۔ جیسے: ''نمازی مسجد میں ہے۔'' اس جملے میں لفظوں کا تعلق ''میں'' کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جملہ بے معنی ہو جائے اور ''میں'' حرف ہے۔ اسی طرح پر، کا، اور وغیرہ بھی حروف ہیں جو کلموں کو آپس میں ملاتے ہیں۔

حروف کی اقسام

اردو میں حرف کی بہت اقسام ہیں جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

حروفِ جار : حروفِ جار وہ حروف ہیں جو اسما اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، واسطے، آگے، پیچھے، اندر، باہر، پاس، درمیان وغیرہ۔

حروفِ اضافت : وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں کا، کے، کی حروفِ اضافت ہیں اور زیادہ تر یہی استعمال ہوتے ہیں۔

حروفِ عطف : وہ حروف ہیں جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً: امیر و غریب، احمد اور سلیم، بچہ ذرا سا جاگا پھر سو گیا۔ ان مثالوں میں و، اور، پھر حروفِ عطف ہیں، جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

حروفِ استفہام : وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: کیا، کیوں، کہاں، کب، کون، کیسا، کس لیے، کس طرح، کتنا، کیوں کر، کس قدر وغیرہ۔

حروفِ تحسین : وہ حروف ہیں جو تحسین و آفرین اور تعریف کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: شاباش، بہت خوب، واہ واہ، کیا کہنے، سبحان اللہ، ماشاءاللہ، جزاک اللہ، مرحبا، آفرین، واہ رے واہ، اللہ رے، اللہ اللہ وغیرہ۔ حروفِ تحسین کے استعمال کے فوری بعد فجائیہ کی علامت ''!'' لگانی چاہیے۔

حروفِ نفرین : وہ حروف ہیں جو نفرت یا ملامت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: توبہ توبہ، لعنت، ہزار لعنت، تھو، اخ تھو، تف، پھٹکار۔

حروفِ ندا : وہ حروف ہیں جو کسی اسم کو ندا دینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

اے دوست! ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

(ناصر کاظمی)

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

(علّامہ اقبالؒ)

ان مثالوں میں ''اے دوست'' اور ''یا رب'' حروفِ ندا ہیں۔ اسی طرح: اجی حضرت، ابے احمق، او جانے والے، ارے بھائی وغیرہ بھی حروفِ ندا ہیں۔

حروفِ تشبیہ : وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو کسی دوسرے چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: مانند، طرح، جیسا، سا، جوں، مثل، مثال، صورت، بعینہ، ہو بہو، کا سا، کی سی وغیرہ

حروفِ علّت : وہ حروف ہیں جو کسی بات کے سبب، وجہ یا علّت کو ظاہر کریں۔ جیسے: کیوں کہ، اس لیے، بدیں سبب، کہ، تا کہ، اس لیے کہ، تا، بایں وجہ، چناں چہ، اس واسطے، اسی باعث کہ، لہٰذا وغیرہ

حروفِ انبساط: وہ حروف ہیں جو خوشی اور مسرّت و انبساط کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: واہ، واہ واہ، آہاہا، اوہو، اخاہ، ماشاءاللہ، خوب، کمال ہے، بہت خوب، سبحان اللہ، کیا بات ہے وغیرہ

حروفِ تاسّف: وہ حروف ہیں جو افسوس اور غم کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: ہائے ہائے، ہے ہے، ہیہات، حیف، صد حیف، افسوس، صد افسوس، آہ، دریغا، حسرتا، واحسرتا، اف، وائے وغیرہ

حروفِ استدراک: استدراک کے لغوی معنی ہیں: بدی کا بدلہ نیکی سے دینا، کسی بات کی تلافی کرنا مگر حروفِ استدراک وہ حروف ہیں جو پہلے جملے میں آنے والے کسی شُبہ کو دور کرنے کے لیے دوسرے جملے میں استعمال ہوں۔ اس طرح عام طور پر یا تو پہلے جملے کے قول کی مخالفت ہوتی ہے، یا اس میں کچھ تغیّر پیدا ہو جاتا ہے یا اسے محدود کر دیا جاتا ہے۔ عام طور پر حروفِ استدراک درج ذیل ہیں: مگر، اگرچہ، البتہ، الاّ، بارے، بلکہ، پر، گو، لیکن، لیک (لیکن کا مخفف) مگر، ہاں، و لے، ہاں وغیرہ

حروفِ تاکید : وہ حروف ہیں جو کلام میں تاکید اور زور کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: ہرگز، ضرور، مطلق، بالکل، زنہار، سراسر، سربسر، اصلاً، خود، کبھی، سبھی، سب کے سب، کل، کلہم، سرتاپا، ہو بہو، ضرور بالضرور، عین مین وغیرہ

حروفِ شرط و جزا: وہ حروف جو شرط کے موقع پر بولے جائیں، حروفِ شرط کہلاتے ہیں۔ حروفِ شرط کے بعد دوسرے جملے میں جو حروف لائے جاتے ہیں، انھیں حروفِ جزا کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر وہ محنت کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ جب وہ آیا تب میں گیا۔ ان

مثالوں میں ''اگر'' اور ''جب'' حروفِ شرط اور ''تو'' اور ''تب'' حروفِ جزا ہیں۔

حروفِ مفاجات: مفاجات کے لغوی معنی ہیں: اچانک یا یکا یک اور حروفِ مفاجات وہ حروف ہیں جو کسی امر کے اچانک واقع ہونے پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: یک بیک، یکا یک، یک بارگی، دفعتاً، اتفاقاً، ناگاہ، اچانک، ناگہاں وغیرہ

حرفِ بیان: وہ حرف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیا جائے اور وہ حرف ''کہ'' ہے مثلاً: استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو۔ وغیرہ

مترادف الفاظ

بعض الفاظ آپس میں ہم معنی ہوتے ہیں، انھیں مترادف الفاظ کہتے ہیں۔ جیسے دُکھ کا مترادف لفظ تکلیف اور سکھ کا مترادف چین یا راحت ہے۔ اسی طرح آفتاب اور خورشید کے ایک ہی معنی ہیں۔ اردو میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مترادف الفاظ بول چال اور تحریر و تقریر میں بلا تامّل استعمال ہوتے ہیں۔ ذیل میں عام استعمال آنے والے مترادف الفاظ کی ایک نا تمام فہرست پیش کی جاتی ہے:

الفاظ	مترادف	الفاظ	مترادف	الفاظ	مترادف
اختر	انجم	بحر	ساگر	تاج دار	تاج ور
تحسین	توصیف	تحمل	بردباری	تجسس	جستجو
جام	ساغر	حیرت	تعجب	حسین	جمیل
حدّت	تپش	خلوت	عزلت	زوجہ	اہلیہ
دغا	فریب	ذلّت	رسوائی	رشتہ	ناتا
رنج	الم	رجحان	میلان	راغب	مائل
زاہد	متقی	بے کنار	بیکراں	خوش الحان	خوش نوا
سخن گو	سخنور	سہو	چوک	شجر	درخت
شرم سار	نادم	شجاع	دلاور	صلح	آشتی
ضیافت	دعوت	خسارہ	نقصان	دشمن	حریف
طنطنہ	دبدبہ	عداوت	دشمنی	علم	پرچم
فلک	چرخ	قہر	غضب	قصر	ایوان
قصد	عزم	کبر	نخوت	گلشن	چمن
نغمہ	سرُود	نخل	نہال	ہجر	فراق

شگاف	دراڑ	جلیس	ہم نشیں	بعید	دُور
عنان	زمام	گوہر	دُرّ	جنگ	جدل
دشوار	مشکل	محتاج	نادار	فصل	رُت
مزار	مرقد	حرص	طمع	قرار	سکون
تسلّی	تشفّی	گنج	مخزن	نزدیک	قریب
دوست	حلیف	آرائش	زیبائش	مشہور	معروف
آفتاب	خورشید	آرزو	تمنّا	بزم	محفل
حیرت	استعجاب	رعونت	غرور	سحر	طِلسم

متضاد الفاظ

بعض الفاظ معنوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد یا ایک دوسرے کے الٹ ہوتے ہیں جیسے: امیر اور غریب، ابتدا اور انتہا، آزادی اور غلامی، اکثریت اور اقلیت وغیرہ۔ متضاد الفاظ بنانے کا کوئی خاص قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ متضاد الفاظ اہلِ زبان کی بول چال یا ان کی تحریروں کے بغور پڑھنے سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہم ذیل میں اپنے طلبہ کی سہولت کے لیے متضاد الفاظ کی ایک نا تمام فہرست پیش کرتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ انھیں از بر کرلیں:

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
آیندہ	گزشتہ	ابتدا	انتہا	آغاز	انجام
اقرار	انکار	امن	جنگ	بغاوت	اطاعت
بنجر	زرخیز	پیادہ	سوار	امام	مقلّد
صادق	کاذب	تصدیق	تکذیب	تعمیر	تخریب
توقیر	تحقیر	تقدیم	تاخیر	تائید	تردید
اقبال	ادبار	جلوت	خلوت	حلیف	حریف
خیر	شر	راہبر	راہزن	حسن	قبح
خلوص	ریا	دیوانہ	فرزانہ	سفر	حضر
ظاہر	باطن	عفو	انتقام	دشوار	سہل
طلوع	غروب	مطلع	مقطع	مشرق	مغرب
شمال	جنوب	ارض	سما	عدم	وجود

سود	زیاں	شادی	غم	مدح	ذم
ہجر	وصال	یاس	آس	قنوطیت	رجائیت
بیگانہ	یگانہ	پس	پیش	خادم	مخدوم
حاکم	محکوم	ساجد	مسجود	حامد	محمود
صالح	طالح	مجبوری	مختاری	ورے	پرے
فراز	نشیب	وہم	یقین	مصروف	فارغ
بعید	قریب	خام	پختہ	پورب	پچھم
تلخ	شیریں	قاتل	مقتول	زہر	تریاق
زبانی	تحریری	ساکن	متحرک	سڈول	بےڈول
سپوت	کپوت	سپھل	اپھل	ٹوٹ	اٹوٹ
شمس	قمر	حقیقی	مجازی	رحمت	زحمت
جدّت	قدامت	شیطان	رحمان	طمع	قناعت
عیاں	نہاں	لطیف	کثیف	مجمل	مفصّل
کامل	ناقص	مد	جزر	کج	راست
گل	خار	ثبات	تغیّر	جزا	سزا
خودی	بےخودی	حیات	ممات	شام	صبح
ضعیف	قوی	طول	عرض	طویل	عریض
طاق	جفت	عدل	ظلم	عیب	ہنر
عارضی	مستقل	ہدایت	ضلالت	رند	زاہد
دین	دنیا	زبردست	زیردست	ادنیٰ	اعلیٰ
انسان	حیوان	بحری	برّی	بندہ	آقا
تدبیر	تقدیر	تیز	کند	ثواب	گناہ
ثابت	سیّار	جسمانی	روحانی	جنّت	دوزخ
خالق	مخلوق	دانا	نادان	دیر	سویر
قلیل	کثیر	قلّت	کثرت	اقلیّت	اکثریت

کمال	زوال	گستاخ	مؤدّب	مسرور	مغموم
نفع	نقصان	عروج	زوال	وفادار	بے وفا
ہموار	ناہموار	لمبا	چوڑا	یقین	گمان
آباد	برباد	قرب	بُعد	رغبت	نفرت
قوت	ضعف	شریف	رذیل	خشک	تر
تاریک	روشن	عام	خاص	ایمان	کفر
افراط	تفریط	باقی	فانی	توحید	شرک
درآمد	برآمد	دوستانہ	مخالفانہ	امارت	غربت
جدید	قدیم	حلیف	حریف	موافق	مخالف

ذُو معنی الفاظ

وہ الفاظ جن کے دو یا دو سے زیادہ معنی ہوں، ذو معنی یا ذو معنیین الفاظ کہلاتے ہیں۔ ایسے بعض الفاظ ایک معنی میں مذکر ہوتے ہیں تو دوسرے معنی میں مؤنث۔ بعض اوقات دونوں معنوں میں مذکر ہوتے ہیں یا مؤنث ذو معنی الفاظ کے ضمن میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کسوٹی اہلِ زبان کی گفت گو (تحریر و تقریر) ہی ہے۔ بعض ذو معنی الفاظ کی ایک مختصر سی فہرست اور ان کے معنی درج ذیل ہیں:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آب	پانی، چمک دمک	طاق	محراب، ہندسہ جو دو پر تقسیم نہ ہو
اردو	لشکر، زبان	عرصہ	مدّت، میدان
اوقات	وقت کی جمع، حیثیت	عرض	چوڑائی، التماس
بار	بوجھ، باری	ظرف	برتن، حوصلہ
بیت	گھر، شعر	غریب	نادر، مفلس
باز	ایک شکاری پرندہ، پرہیز، دوبارہ، کھلا ہوا	تاک	انگور کی بیل، تاک جھانک
قصور	قصر کی جمع بمعنی محلّات، غلطی	کف	جھاگ، ہتھیلی
تکیہ	بھروسا، سرہانہ	تکرار	جھگڑا، بار بار دہرانا
کل	مشین، آرام، دوسرا دن (گزشتہ یا آیندہ)	جست	ایک دھات، چھلانگ
محل	بڑا شاندار مکان، موقع	مثل	مانند، کاغذات

چشمہ	عینک، پانی کا چشمہ	مشتری	ایک سیارے کا نام، خریدار
مغرب	مقامِ غروبِ آفتاب، بوقتِ شام	مہر	سورج، عنایت
جھوٹا	جھوٹ بولنے والا، بچا ہوا کھانا	نظم	انتظام، شاعری
روزگار	زمانہ، کاروبار	ولی	مالک، دوست، خدارسیدہ
شہادت	گواہی، راہِ حق میں جان فدا کرنا	ہار	گلے میں پہننے کا زیور، شکست

باہم مماثل و متشابہ الفاظ

بعض الفاظ کی آواز تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے یا ان کے اِعراب میں معمولی سا فرق ہوتا ہے مگر وہ معنوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو مماثل یا متشابہ الفاظ کہا جاتا ہے۔ مماثل الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ طلبہ کی سہولت کے لیے اہم مماثل و متشابہ الفاظ کی ایک نا تمام فہرست درج ذیل ہے:

مماثل الفاظ	معانی	مماثل الفاظ	معانی
اَلم	رنج	عَلَم	جھنڈا
ارض	زمین	عرض	چوڑائی یا درخواست
آر	اوزار کا نام	عار	شرم و حیا
اثر	نتیجہ	عصر	زمانہ
اَسرار	سِرّ کی جمع بہ معنی بھید	اِصرار	ضد یا تکرار
اصل	جڑ یا بنیاد	عسل	شہد
اَعراب	عرب کی جمع	اِعراب	الفاظ پر زیر، زبر، پیش وغیرہ دینا
رَسد	فوج یا قافلے کا زادِ راہ	رَصَد	سیاروں کو دیکھنے کا مقام
رُقم	دولت، روپیا پیسا	رَقم	لکھنا، تحریر کرنا
حذر	پرہیز	حضر	موجودگی، قیام
حُسن	خوب صورتی، خوبی	حَسَن	اچھا، نیک
دَھن	دولت، مال	دُھن	پختہ ارادہ، انہماک
زَن	عورت	ظَن	خیال یا گمان
سحر	جادو	سَحَر	وقتِ صبح

سدا	ہمیشہ	صدا	آواز
عالِم	ذی علم	عالَم	دنیا جہان، حالت یا کیفیت
کثرت	زیادتی	کسرت	ورزش کرنا
لال	سرخ	لعل	یاقوت، ایک قیمتی پتھر کا نام
مامور	مقرر	معمور	بھرا ہوا، پُر رونق
نقطہ	صِفر، بندی	نکتہ	باریک بات، دقیق خیال

رموزِ اوقاف

رموز رمز کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی اشارہ کے ہیں اور اوقاف وقف کی جمع ہے، جس کے معنی توقف یا ٹھہراؤ کے ہیں، چنانچہ رموزِ اوقاف کے معنی ہوئے توقف یا ٹھہراؤ کے اشارے۔ رموزِ اوقاف سے مراد وہ علامتیں ہیں جو تحریر میں ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔ ان مفید علامتوں کو بہت سے لوگ ضرورت کے مطابق استعمال نہیں کرتے، حالانکہ کلام کی وضاحت، معنویت اور صحیح خواندگی کے لیے ان کا استعمال بہت اہم ہے۔ جس طرح تحریر میں اضافت کی زیر اور تشدید لگانا ضروری ہے، اسی طرح رموزِ اوقاف، جس کو انگلش میں Punctuation کہتے ہیں، کی علامتیں لگانا بھی لازمی ہے، کیوں کہ علاماتِ وقف کی مدد سے، جہاں قاری (پڑھنے والا) عبارت کو بڑی روانی اور سہولت کے ساتھ پڑھتا چلا جاتا اور عبارت کے مفہوم کو بخوبی سمجھ لیتا ہے، وہیں لکھنے والا بھی سوچ سمجھ کر قلم چلاتا ہے۔ ہر چند اردو میں رموزِ اوقاف کے طور پر کافی علامتیں استعمال ہوتی ہیں تاہم طلبہ کے لیے درج ذیل بالعموم استعمال ہونے والی علامتوں کا سیکھنا ازبس ضروری ہے۔ انگلش میں بھی یہ علامتیں تقریباً اسی طور پر استعمال ہوتی ہے۔

نام علامت	شکل وصورت	انگلش نام
سکتہ یا وقفِ خفیف	،	Comma
وقفہ یا نصف وقف	؛	Semi Colon
رابطہ یا وقفِ لازم	:	Colon
ختمہ یا وقفِ مطلق	۔	Full Stop
سوالیہ یا استفہامیہ	؟	Sign of Interrogation
ندائیہ یا فجائیہ	!	Sign of Exclamation
واوین	“ ”	Inverted Commas
قوسین	( )	Brackets

(1) سکتہ یا وقفِ خفیف (Comma) ،

یہ علامت تحریر میں سب سے کم توقف کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس لفظ کے بعد یہ علامت آئے وہاں قاری کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔ مثلاً:

(i) کراچی، حیدر آباد، کوئٹہ، ملتان، لاہور اور پشاور پاکستان کے بڑے بڑے شہر ہیں۔

(ii) دن ہو کہ رات، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو کہ جلوت، انسان کو چاہیے کہ وہ کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔

(2) وقفہ یا نصف وقف (Semi Colon) ؛

یہ علامت سکتہ سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے آتی ہے۔ یہ علامت دو مقاصد کے تحت استعمال ہوتی ہے: جب ایک طویل جملے میں چھوٹے چھوٹے جملے آئیں یا کسی جملے کے مختلف اجزا پر زور دینا مقصود ہو۔ مثلاً:

(i) مولانا حالی کی مسدّس، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید؛ ڈپٹی نذیر احمد کی توبۃ النصوح، مرأۃ العروس، ابن الوقت؛ مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم، الفاروق، المامون پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔

(ii) جو کرے گا، سو بھرے گا ؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

(iii) آنا، تو خفا آنا؛ جانا تو رُلا جانا۔

(3) رابطہ یا وقفِ لازم (Colon) :

اس علامت کا ٹھہراؤ وقفہ سے قدرے زیادہ ہوتا ہے۔ اس علامت کو وقفِ لازم بھی کہا جاتا ہے اور اس کا عام طور پر استعمال وہاں کیا جاتا ہے، جہاں جملے کے سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جاتی ہے۔ یا مختصر مقولے یا ضرب المثل کو بیان کرنا ہو۔

چونکہ تفصیلہ (Colon and Dash) کی علامت عام استعمال میں جگہ نہیں پا سکی اس لیے تفصیلہ کی جگہ بھی رابطہ ہی کی علامت لکھتے ہیں۔ مثلاً:

(i) کسی حکیم کا قول ہے: آپ کاج، مہا کاج (ii) سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

(iii) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم کسی کے معبودوں کو بُرا مت کہو، ورنہ وہ تمھارے معبود کو بُرا کہیں گے۔

(4) ختمہ یا وقفِ مطلق (Full Stop) ۔

یہ علامت، جسے انگلش میں فُل اسٹاپ (Full Stop) کہتے ہیں، نقطے سے ذرا بڑی ہوتی ہے اور تحریر میں جملے کے خاتمے پر اس وقت لگائی جاتی ہے، جہاں ٹھہراؤ بھرپور ہوتا ہے۔ مثلاً:

(i) جب طبیعت خراب ہو تو کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو سکتا۔

(ii) دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (iii) مجھے پھل بہت پسند ہیں۔

(5) سوالیہ یا استفہامیہ (Sign of Interrogation) ؟

یہ علامت کسی سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

(i) کیا ہے؟ (ii) یہ کتاب کس کی ہے؟ (iii) آج کون سی تاریخ ہے؟

(6) ندائیہ یا فجائیہ (Sign of Exclamation) !

(الف) یہ علامت دراصل لفظ "ندا" کا مخفف ہے اور الف اور نون کا نقطہ ملا کر بنائی گئی ہے۔ یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو ندا دینا یا پکارنا یا خطاب کرنا مقصود ہو۔ جیسے:

(i) احمد! اِدھر آؤ۔ (ii) خدایا! رحم فرما۔ (iii) ارے بھائی! ذرا میری بات سنو۔

(ب) جب کسی بھی جذبے مثلاً: خوشی، غم، حیرت یا ادب وغیرہ کا اظہار کا موقع ہو تو بھی یہی علامت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

(i) معاذاللہ! (ii) اُف! میرے پاؤں میں سخت تکلیف ہے۔

(iii) وہ اور رحم! اس کی امید فضول ہے۔

اس صورت میں اس علامت کو فجائیہ کہتے ہیں اور اس کے لیے بھی وہی علامت استعمال کرتے ہیں جو ندائیہ جملوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

(7) واوین (Inverted Commas) " "

اس علامت کا استعمال کسی قائل کا قول مِن وعَن اسی کے الفاظ میں درج کرتے وقت کیا جاتا ہے اور یہ علامت قول کے آغاز اور اختتام پر لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

(i) باپ نے کہا: "بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔"

(ii) قائدِ اعظمؒ کا قول: "اتحاد، یقین محکم اور تنظیم" ہمارے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہے۔

(iii) ابنِ عربیؒ کا قول ہے: "سفر وسیلۂ ظفر ہے۔"

(8) قوسین (Brackets) ( )

اس علامت میں ایسے وضاحتی الفاظ یا جملے لکھے جاتے ہیں جو لفظِ معترضہ یا جملۂ معترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انھیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے:

(i) انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی پرانے تعلّقات تھے۔

(ii) اب تو اسی تنخواہ میں (وہ جتنی بھی ہے) گزارہ کرنا ہوگا۔

(iii) میرا گھر (مکان کا وہ حصّہ جس میں میری سکونت ہے) بوسیدہ ہو گیا ہے۔

سابقے اور لاحقے

اردو زبان میں سابقوں اور لاحقوں کی اہمیّت کسی بیان کی محتاج نہیں۔ ان کی مدد سے بے شمار نئے نئے الفاظ بنتے رہتے ہیں اور زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔ اردو میں ہندی، فارسی اور عربی کے بیسیوں سابقے اور لاحقے مستعمل ہیں اور یہ عمل جاری و ساری ہے۔

سابقہ سے مراد وہ علامت ہے جو نیا لفظ یا نئی ترکیب بنانے کے لیے کسی لفظ کے شروع میں لگائی جائے اور لاحقہ سے وہ علامت مراد ہے جو کسی لفظ کے آخر میں لگائی جائے۔ مثلاً: خودغرض، خود شناس، خود پسند، خودمختار وغیرہ الفاظ میں ''خود'' سابقہ ہے۔ اسی طرح خطرناک، دردناک، غم ناک، خوفناک وغیرہ الفاظ میں ''ناک'' لاحقہ ہے۔

طلبہ کی سہولت کے لیے چند مشہور سابقے اور لاحقے درج ذیل ہیں:

سابقے

اَن	اَن پڑھ، اَن مول، اَنجان، اَن گنت، اَن تھک، اَن دیکھا، اَن کہی، اَن ہونی
اہل	اہلِ بیت، اہلِ نظر، اہلِ کمال، اہلِ قلم، اہلِ وطن، اہلِ علم، اہلِ حدیث
با	باادب، باخدا، باوفا، باوقار، باکمال، باقاعدہ، بااثر، باضابطہ، باوضو
بد	بدچلن، بدنصیب، بدشکل، بدمزاج، بداخلاق، بداصل، بدبخت
بَر	برآمد، برآمدہ، برباد، برپا، برتر، برحق، برخاست، برطرف، برعکس، برقرار، بروقت، برداشت
بلا	بلاامتیاز، بلاناغہ، بلاقیمت، بلااجازت، بلاارادہ، بلاتکلف، بلاتامّل
بلند	بلندکردار، بلندنظر، بلندہمت، بلنداقبال، بلندفطرت، بلند پرواز، بلندآواز
بِن	بِن بلایا، بِن دیکھا، بِن بیاہا، بِن داموں، بِن روئے
بے	بےادب، بےعلم، بےعقل، بےخبر، بےنصیب، بےمثال، بے پروا، بےکار
پَر	پردیس، پرایا، پرچون، پرچھائیں، پردادا، پرنانا، پرتال، پرسال
پُر	پُرجوش، پُرکیف، پُرہول، پُردرد، پُروقار، پُرآب، پُرآشوب، پُرمعنی، پُرنم
پس	پس منظر، پس ماندہ، پس پردہ، پس خوردہ، پس انداز، پس خیمہ
پیش	پیشانی، پیشاب، پیش بندی، پیش خدمت، پیش خیمہ، پیش دست، پیش رفت، پیش رو، پیش قدمی، پیش گو
چَو	چَوبارہ، چَوپایہ، چَوپال، چَوپڑ، چَوتھائی، چَوراہا، چَورس، چَوسر، چَوکور، چَومکھی
خَر	خَرگوش، خَرمگس، خَرمست، خَرسنگ، خَرمہرہ، خَرگاہ
خُوب	خُوب صورت، خُوب صورتی، خُوب رُو، خُوب رُوئی، خُوب سیرت
خود	خودغرض، خودغرضی، خودرَو، خودفریب، خودآرا، خودآشنا، خودارادیت، خودپسندی، خودنمائی
خوش	خوش بُو، خوش خلق، خوش باش، خوش گلو، خوش دامن، خوش مزاج، خوش خط
دَر	دَرپردہ، دَرپےَ، دَرپیش، دَرکار، دَرہم، دَرمیان، دَرماہہ، دَرانداز، دَرگزر، دَرآمد، دَرخواست، دَرکنار، دَریافت
زیر	زیرِ سایہ، زیرِ علاج، زیردست، زیرِ لب، زیر بار، زیرِ حراست، زیرِ جامہ

زُود	زُود پشیمان، زُود رنج، زُود ہضم، زُود اثر، زُود فہم، زُود نویس، زُود گو، زُود خیز
سَر	سر چڑھا، سر بلند، سر بمہر، سر پرست، سر خیل، سر رشتہ، سر زمین، سر سبز، سر شاری، سر گزشت
شاہ/شہ	شاہراہ، شہ رگ، شہباز، شہتوت، شہ بالا، شہ سوار، شہ سواری، شہ زوری، شہ کار، شہ رُخ
غیر	غیر ممکن، غیر معمولی، غیر موزوں، غیر ذمّہ دار، غیر حاضر، غیر آباد، غیر مستقل، غیر مشروط
کم	کم نظر، کم ظرف، کم ہمّت، کم حوصلہ، کم عقل، کم گو، کم خرچ، کمزور
لا	لازوال، لاحاصل، لاعلاج، لاوارث، لاتعداد، لاجواب، لاوَلد، لاثانی
مہا	مہابلی، مہابھارت، مہابیر، مہاپاپ، مہاجنجال، مہاجن، مہاجنتر، مہاراج، مہاراجا، مہامنتری
نا	نابکار، نامراد، نالائق، ناتواں، نادان، ناجائز، ناپاک، ناتجربہ کار، نابالغ، نادانستہ
نَو	نوعمر، نوجوان، نوخیز، نونہال، نومسلم، نووارد، نوزائیدہ، نوبہار، نوآموز، نَوآباد
نیم	نیم جان، نیم روز، نیم حکیم، نیم مُلّا، نیم مردہ، نیم پختہ، نیم برہنہ، نیم بسمل، نیم کش
ہم	ہم سفر، ہم صفیر، ہم راز، ہم نام، ہم وطن، ہم جماعت، ہم چشم، ہم خیال، ہم پلّہ
یک	یک رنگ، یک زبان، یک دل، یک لخت، یک دم، یک جہتی

لاحقے

اندیش	خیر اندیش، بداندیش، مصلحت اندیش، دور اندیش، غلط اندیش، عاقبت اندیش
انگیز	نفرت انگیز، حیرت انگیز، عبرت انگیز، درد انگیز، فکر انگیز، تعجب انگیز، جل انگیز
انداز/اندازی	خلل انداز، دست انداز، دست اندازی، دراندازی، رخنہ انداز، رخنہ اندازی، تیر انداز، تیر اندازی، پس انداز، نگاہ انداز، نگاہ اندازی
انہ	سرہانہ، انگشتانہ، دستانہ، مردانہ، زنانہ، سالانہ، جاہلانہ، عالمانہ، ماہانہ، مستانہ، دوستانہ، طلبانہ
اوٹ	رکاوٹ، بناوٹ، لگاوٹ، پھیلاوٹ، سجاوٹ، گلاوٹ، ملاوٹ، گھلاوٹ، کساوٹ
آرا	انجمن آرا، جہاں آرا، بزم آرا، صف آرا، عالم آرا، مسند آرا، گیتی آرا
آلود/آلودہ	خون آلود، خون آلودہ، زنگ آلود، زنگ آلودہ، گرد آلود، گرد آلودہ، غبار آلود، غبار آلودہ، قہر آلود، قہر آلودہ، خشم آلود، خشم آلودہ، عرق آلود، عرق آلودہ
آور/آوری	تناور، زور آور، زور آوری، دلاور، دلاوری، بختاور، حملہ آور، نشہ آور، زبان آور، نام آور، گرد آور، گرد آوری، دست آور، قدآور، قدآوری

باز/بازی	آتش باز، دھوکے باز، دغا باز، بٹیر باز، پتنگ باز، جاں باز، جاں بازی، پھکڑ باز، پھکڑ بازی، راست باز، راست بازی، شطرنج باز، شطرنج بازی، فقرے باز، فقرے بازی
بان	دربان، شتربان، فیل بان، مہربان، باغبان، ساربان، نگہبان، گلہ بان، میزبان
بخش	فرحت بخش، منفعت بخش، جان بخش، حیات بخش، خدا بخش، صحت بخش، مولا بخش
بردار	علم بردار، ناز بردار، فرماں بردار، مشعل بردار، حاشیہ بردار، عصابردار، کماں بردار
بند/بندی	ازار بند، ہتھیار بند، نقش بند، نقش بندی، نظر بند، نظر بندی، پابند، پابندی، ترکیب بند، حلقہ بندی، جماعت بندی، زبان بندی، صف بندی، فرقہ بندی، دستار بندی، گلوبند
بیں	باریک بیں، پیش بیں، تماش بیں، خورد بیں، کوتاہ بیں
پرداز	کار پرداز، انشا پرداز، فتنہ پرداز، ہنگار پرداز، تفرقہ پرداز، شکم پرداز، غزل پرداز، نکتہ پرداز
پرست/پرستی	آتش پرست، بت پرست، حق پرست، خود پرست، سر پرست، زر پرست، قدامت پرست، قدامت پرستی
پرور/پروری	بندہ پرور، بندہ پروری، ذرّہ پروری، تن پرور، تن پروری، سخن پرور، سخن پروری، احباب پرور، احباب پروری، غریب پرور، غریب پروری، کنبہ پرور، کنبہ پروری، قوم پرور، قوم پروری
پَن	گنوار پن، بچپن، لڑکپن، دیوانہ پن، بھولپن، اکھڑ پن، بانکپن
پوش	میز پوش، سفید پوش، سرخ پوش، سیاہ پوش، پاپوش، گرد پوش، کمبل پوش، پلنگ پوش
چی	طبلچی، طنبورچی، بندوقچی، نقارچی، توپچی، خزانچی، کباڑچی
چیں	گل چیں، گل چینی، سنگ چیں، ناخن چیں، ناخن چینی
خانہ	قید خانہ، پاگل خانہ، جیل خانہ، کارخانہ، چھاپہ خانہ، شراب خانہ، پاخانہ، باورچی خانہ، قمار خانہ، شفا خانہ، بت خانہ، غریب خانہ، غسل خانہ، کبوتر خانہ
خواں/خوانی	ناظرہ خواں، ناظرہ خوانی، مولود خواں، مولود خوانی، قرآن خواں، قرآن خوانی، قصہ خواں، قصہ خوانی، فاتحہ خواں، فاتحہ خوانی، کتاب خواں، کتاب خوانی، ثنا خواں، ثنا خوانی، نعت خواں، نعت خوانی، مرثیہ خواں، مرثیہ خوانی، نوحہ خواں، نوحہ خوانی
خواہ	خیر خواہ، تنخواہ، بدخواہ، قرض خواہ، خاطر خواہ، بہی خواہ، دلخواہ، عذر خواہ، داد خواہ
خور/خورہ	چغل خور، چغل خوری، غوطہ خور، حرام خور، حلال خور، روزہ خور، آدم خور، مردار خور، بیاج خور، شراب خور، آب خورہ، خیرات خورہ، میل خورہ
خیز	زرخیز، مردم خیز، نوخیز، سحر خیز، فتنہ خیز، بلا خیز، دھماکا خیز، تعجب خیز، قیامت خیز
دار	وفادار، جہاں دار، داغدار، جاندار، سمجھدار، سرمایہ دار، تاجدار، آبدار، پہرے دار

دان	قلم دان،قدردان، پان دان،عطردان، سیاست دان، ریاضی دان،نکتہ دان
رساں	چٹھی رساں،خبررساں،فیض رساں،سراغ رساں، پیغام رساں،ضرررساں، ایذارساں،نفع رساں
زار	لالہ زار،سبزہ زار،چمن زار، ریگ زار،گل زار،مرغزار،خارزار،بازار
زدہ/زدگی	آفت زدہ، آسیب زدہ،مصیبت زدہ،غم زدہ، آتش زدگی،ملامت زدہ،تکلیف زدہ،وحشت زدہ، ہیبت زدہ
ساز/سازی	قانون ساز،قانون سازی،جلدساز،جلدسازی،دواساز،دواسازی،زمانہ ساز،زمانہ سازی،حیلہ ساز،حیلہ سازی، چارہ ساز، چارہ سازی، سخن ساز، سخن سازی،حیلہ ساز،حیلہ سازی
ستان	کوہستان، گلستان، خارستان، پاکستان، بلوچستان، افغانستان، ہندوستان، قازقستان، ازبکستان، ترکستان، ترکمانستان،نخلستان،قبرستان،کافرستان
شکن	بت شکن، بت شکنی، حوصلہ شکن، قانون شکن، قانون شکنی، دندان شکن، پیمان شکن، پیمان شکنی،خیبر شکن،عہد شکن، عہد شکنی،دل شکن،دل شکنی
شناس	اداشناس،مزاج شناس،حق شناس،خودشناس،موقع شناس،قدرشناس،رُوشناس،فیض شناس
طلب	خیرطلب،آرام طلب،انصاف طلب،محنت طلب، جفاطلب،شہرت طلب،مرمت طلب
فروش	جوفروش،سرفروش،گل فروش،ضمیرفروش،کتب فروش، بردہ فروش،غلّہ فروش
کار	پیش کار، بےکار،تخم کار،آزمودہ کار،کاشت کار
کدہ	بت کدہ،آتش کدہ،دولت کدہ،آرام کدہ،نعمت کدہ،صنم کدہ،غم کدہ،حیرت کدہ
گار	پروردگار،کردگار،روزگار،خدمت گار، پرہیزگار،مددگار،کامگار،طلبگار،سازگار
گاہ	آرام گاہ،پناہ گاہ،بارگاہ،شکارگاہ،قیام گاہ،چراگاہ،عیدگاہ،شکارگاہ،کمین گاہ
گر	آہن گر،بازی گر،کارگر،کاری گر،زرگر،غارت گر،جادوگر،چارہ گر،دریوزہ گر،شیشہ گر،کیمیاگر،فتنہ گر
گزار	کارگزار،تہجدگزار،سپاس گزار،باج گزار،اطاعت گزار،خدمت گزار،شکرگزار
گو	حق گو،بدگو،ہجوگو،داستان گو،دروغ گو،بسیارگو،قصہ گو،زودگو،راست گو،قانون گو،غزل گو
گیر	بغل گیر،خبرگیر،دست گیر،دامن گیر،راہ گیر،دل گیر،عالم گیر،ماہی گیر،جاگیر،سخت گیر
مند	حاجت مند،دردمند،دولت مند،فتح مند،خردمند،تنومند،ہنرمند،آرزومند،غرض مند
ناک	خطرناک،دردناک،غم ناک،دہشت ناک،افسوس ناک،ہیبت ناک،عبرت ناک
نشیں	خاک نشیں،کرسی نشیں،دل نشیں،صحرانشیں،گوشہ نشیں،خلوت نشیں،تخت نشیں،سجادہ نشیں،بوریانشیں

نویس	خوش نویس، اخبار نویس، خانہ نویس، عرضی نویس، چھٹی نویس، نمرود نویس، خلاصہ نویس، نقشہ نویس، وقائع نویس، لغت نویس
ور	سخن ور، دیدہ ور، دانش ور، تاجور، پیشہ ور، طاقت ور، جانور، بہرہ ور، ہنرور، نامور
یاب	فتح یاب، سزایاب، ظفریاب، کمیاب، فیض یاب، کامیاب، زریاب، دستیاب، نایاب

﴿ مُرکّب، مُرکّبات کی اقسام ﴾

مرکّب/کلام: دو یا دو سے زیادہ بامعنی لفظوں کے مجموعے کو مرکّب یا کلام کہتے ہیں۔ جیسے: میری کتاب۔ بچّہ نیک ہے۔

مرکّب/کلام کی قسمیں: (الف) مرکّبِ ناقص (ب) مرکّبِ تام

(الف) مرکبِ ناقص: وہ مرکّب ہے جس سے کہنے والے کا مقصد پورا نہ ہو اور بات سننے والے کی سمجھ میں پوری نہ آئے۔ جیسے: تیز گھوڑا۔ نیک آدمی۔ رات اور دن۔ ان مرکبات سے کہنے والے کا مقصد سننے والے کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آتا۔

مرکبِ ناقص کی قسمیں:

(۱) مرکّبِ اضافی (۲) مرکّبِ توصیفی (۳) مرکّبِ عطفی (۴) مرکّبِ عددی
(۵) مرکّبِ اشاری (۶) مرکّبِ جاری (۷) مرکّبِ تابع موضوع (۸) مرکّبِ تابع مہمل

۱۔ **مرکّبِ اضافی:** دو اسموں میں تعلق پیدا کرنا اضافت کہلاتا ہے۔ مثلاً محمود کی کتاب۔ خدا کا بندہ۔ مدرسے کے لڑکے۔ ان تینوں مجموعوں میں کتاب کا تعلق محمود سے، بندہ کا تعلق خدا سے اور لڑکے کا تعلق مدرسے سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس سے تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ مضاف الیہ اور جس کا تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ مضاف کہلائے گا۔ اسی مضاف الیہ اور مضاف کے مجموعے کو مرکب اضافی کہتے ہیں۔ اردو میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا ہے۔ عربی اور فارسی میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے۔ کا۔ کی۔ کے اضافت کی علامت ہیں۔

اضافت کی قسمیں:

(i) اضافتِ تملیکی (ii) اضافتِ تخصیصی (iii) اضافتِ توضیحی (iv) اضافتِ ظرفی (v) اضافتِ بیانی
(vi) اضافتِ تشبیہی (vii) اضافتِ استعاری (viii) اضافتِ ابنی (ix) اضافتِ بہ ادنیٰ تعلق

i- **اضافتِ تملیکی:** ایسے دو لفظوں میں اضافت کرنا جن میں مضاف الیہ مالک اور مضاف مملوک ہو جیسے: ندیم کا گھر۔ فوزیہ کی کتاب۔ بادشاہ کا ملک۔

ii- **اضافتِ تخصیصی:** جس میں مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف خاص ہو جائے مثلاً آم کا درخت۔ مدرسے کا صحن۔

iii- **اضافتِ توضیحی:** ایسے دو لفظوں کا مجموعہ جس میں مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف کی وضاحت ہو جائے جیسے: جمعہ کا دن۔ رمضان کا مہینا۔

iv- **اضافتِ ظرفی:** جس میں مضاف الیہ اور مضاف میں سے ایک ظرف دوسرا مظروف ہو جیسے: پانی کا کنواں۔ دودھ کا گلاس۔

v- **اضافتِ بیانی:** جس میں مضاف اپنے مضاف الیہ سے بنا ہو جیسے: چمڑے کا جوتا۔ مٹی کا برتن۔ سونے کی انگوٹھی۔

vi- **اضافتِ تشبیہی:** مضاف الیہ اور مضاف میں تشبیہ کا تعلق ہو جیسے: غصے کی آگ۔ نظر کا تیر۔ زلف کا سانپ۔

vii- **اضافتِ استعاری:** جس میں مضاف کو مضاف الیہ کا حصہ سمجھ لیا جائے لیکن حقیقت میں وہ اس کا جز نہیں ہوتا جیسے: عقل کے ناخن۔ ہوش کے قدم۔

viii- **اضافتِ ابنی:** مضاف الیہ اور مضاف میں باپ، ماں یا بیٹے کا تعلق ہو جیسے: ابراہیمؑ آزر۔ عیسیٰؑ مریمؑ۔

ix- **اضافتِ بہ ادنیٰ تعلق:** جس میں مضاف الیہ اور مضاف میں معمولی تعلق ہو جیسے: ہمارا مدرسہ۔ تمھارا ملک۔ میرا محلّہ۔

۲۔ **مرکّبِ توصیفی:** وہ مرکب ہے جس میں اسم کے ساتھ اس کی صفت بھی شامل ہو اس طرح صفت اور موصوف کے مجموعے کو مرکب توصیفی کہتے ہیں۔ مثلاً شریف آدمی۔ ٹھنڈا پانی۔ اردو میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے لیکن عربی اور فارسی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے جیسے: رجلِ کریم (شریف آدمی)۔ مردِ بزرگ (بڑا آدمی)

۳۔ **مرکّبِ عطفی:** وہ مرکب ہے جو دو اسموں کو آپس میں ملانے کا کام دیتا ہے۔ ان دو اسموں کو ملانے کے لیے اردو میں ''اور'' فارسی میں ''وَ'' استعمال ہوتا ہے انھیں حروف عطف کہتے ہیں۔ حرف عطف سے پہلے آنے والے اسم کو معطوف الیہ اور بعد میں آنے والے اسم کو ''معطوف'' کہتے ہیں۔ اس طرح یہ مرکب معطوف الیہ، معطوف اور حرفِ عطف کا مجموعہ بھی کہلاتا ہے۔ مثلاً: اردو میں قلم اور دوات، سیب اور انگور اور فارسی میں صبح و شام۔ مرد و زن۔ شام و سحر۔ شب و روز وغیرہ مرکب عطفی ہیں۔

۴۔ **مرکّبِ عددی:** وہ مرکب ہے جو کسی اسم کی تعداد یا گنتی کو ظاہر کرے جیسے: گیارہ کتابیں۔ بیس آم۔ چالیس جوتے۔ ان میں گیارہ، بیس اور چالیس اسم عدد اور کتابیں، آم اور جوتے معدود ہیں اس طرح اسے اسم عدد اور اسم معدود کا مجموعہ بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ **مرکّبِ اشاری:** وہ مرکب ہے جس میں کسی اسم کے لیے دور یا نزدیک کا اشارہ پایا جائے جیسے: یہ مسجد۔ وہ مدرسہ۔ ان میں ''یہ'' اور ''وہ'' اسم اشارہ ہیں۔ مسجد اور مدرسہ مشار' الیہ ہیں۔ اس طرح سے اسے اسم اشارہ اور اسم مشار' الیہ کے مجموعے کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

۶۔ **مرکّبِ جاری:** یہ وہ مرکب ہے جس میں بات نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ ابھی جاری ہو اس طرح یہ مرکب حرفِ جار اور اسم مجرور کا مجموعہ ہے جیسے: گھر میں۔ لاہور سے۔ پشاور تک۔ چھت پر۔ ان میں، پر، تک، سے، میں، حرف جار اور چھت، پشاور، لاہور، گھر اسم مجرور ہیں۔

۷۔ **تابع مَوضُوع:** ایسے دو لفظوں کا مجموعہ جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ دوسرا بامعنی لفظ بلا ضرورت استعمال کیا جائے جیسے: دیکھ بھال۔ چال ڈھال۔ دانہ پانی۔ روکھی سوکھی اس مجموعے کو تابع موضوع کہتے ہیں۔

۸۔ **تابع مُہمل:** ایسے دو لفظوں کا مجموعہ جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ دوسرا بے معنی لفظ بلا ضرورت استعمال کیا جاتا ہے مثلاً روٹی ووٹی۔ جھوٹ موٹ۔ خلط ملط۔ اس مجموعے میں بے معنی لفظ تابع کہلاتا ہے اور بامعنی لفظ کو متبوع کہتے ہیں۔ لہٰذا اس مجموعے کو مرکّب تابعی بھی کہتے ہیں۔

(ب) مرکّبِ تام: دو یا دو سے زیادہ بامعنی لفظوں کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور سننے والے کو بات سمجھ میں آ جائے جیسے: سعید آیا۔ اسلم نیک ہے۔

اسناد: کسی چیز کو دوسرے کے لیے ثابت کرنا جیسے: ''سعید آیا'' میں ''آیا'' کو سعید کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ جسے ثابت کیا جائے مُسند اور جس کے لیے ثابت کیا جائے وہ مُسند الیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً اسلم ''نیک'' ہے۔ اس جملے میں نیک مسند اور ''اسلم'' مسند الیہ ہے۔ مسند اسم اور فعل ہوسکتا ہے لیکن مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے۔

مرکّبِ تام کے دو حصے: (۱) مُسند (۲) مُسند الیہٗ

مرکّبِ تام کی قسمیں: (۱) جملہ انشائیہ (۲) جملہ خبریہ

جُملہ انشائیہ: وہ جملہ ہے جس میں فعل امر، فعل نہی، سوال، ندا، تمنا پائی جائے جیسے: تو سبق پڑھ۔ اسلم شرارت نہ کر۔ کیا سعید نے کتاب پڑھی؟ اے اللہ! رحم کر۔ کاش! میں محنت کرتا۔ یہ تمام جملے انشائیہ ہیں۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی بات کی خبر دی جائے اور اس جملے کے بولنے والے کو جھوٹا یا سچا کہہ سکیں۔

جملہ خبریہ کی قسمیں: (۱) جملہ اسمیہ خبریہ (۲) جملہ فعلیہ خبریہ

جملہ اسمیہ خبریہ: وہ جملہ ہے جس میں مسند اور مسند الیہ دونوں اسم ہوں مثلاً سعید نیک ہے۔ اس جملے میں ''نیک'' اسم صفت مسند اور ''سعید'' اسم مسند الیہ ہے۔

جملہ اسمیہ کے اجزا: (۱) اسم یا مبتدا (۲) متعلق خبر (۳) خبر (۴) فعل ناقص

جیسے: سعید گھر میں موجود ہے۔ اس جملے میں ''سعید'' اسم یا مبتدا ہے اور ''گھر میں'' متعلق خبر ہے۔ ''موجود'' خبر اور ''ہے'' فعل ناقص ہے۔

جملہ فعلیہ خبریہ: وہ جملہ جس میں مسند فعل ہو اور مسند الیہ اسم ہو جیسے: اسلم نے قلم سے خط لکھا۔ اس جملے میں ''لکھا'' مسند فعل ہے ''اسلم'' مُسند الیہ ہے۔

جملہ فعلیہ کے اجزا: (۱) فعل (۲) فاعل (۳) مفعول (۴) متعلق فعل

جیسے: اسلم نے قلم سے خط لکھا۔ اس جملے میں لکھا ''فعل'' ہے۔ اسلم ''فاعل''، خط ''مفعول'' اور قلم سے ''متعلق فعل'' ہے۔

ترکیبِ نحوی کی تعریف: جملے کے اجزا کو الگ الگ کرنا اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ترکیبِ نحوی کہلاتا ہے۔

''نے'' اور ''کو'' کا استعمال

''نے'' کا استعمال

اردو زبان میں ''نے'' فاعل کی علامت ہے۔ اس کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے:

۱۔ ''نے'' متعدی افعال میں فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ فعل متعدی کے ماضی مطلق، ماضی قریب، ماضی شکیہ کے ساتھ ''نے'' استعمال ہوتا ہے جیسے:
حسنین نے کتاب پڑھی۔ حمزہ نے خط لکھا۔ مدثر نے قرآن پڑھا ہوگا۔

۳۔ بعض متعدی افعال ایسے ہیں جن کے فاعل کے ساتھ ''نے'' نہیں آتا مثلاً ''لانا'' اور ''بولنا'' کے افعال میں متعدی ہونے کے باوجود ''نے'' استعمال نہیں ہوتا۔

۴۔ افعال لازم کے فاعل کے ساتھ ''نے'' استعمال نہیں ہوتا۔ جیسے: دوڑا۔ رویا۔ چلا۔ بھاگا۔ کے ساتھ ''نے'' نہیں آتا۔

۵۔ بعض فعل لازم ایسے ہیں جن کے فاعل کے ساتھ ''نے'' آتا ہے جیسے: عزیز نے گلاس توڑا۔ رقیہ نے کھانا پکایا۔

۶۔ چاہنا مصدر کے فعل کے ساتھ ''نے'' آتا ہے۔ لیکن اگر فاعل ''دل'' طبیعت'' جی'' ہوں تو ''نے'' کا استعمال نہیں ہوتا ہے جیسے:
دل چاہا تو ضرور آؤں گا۔ طبیعت چاہی تو چلا جاؤں گا۔ جی چاہا تو آؤں گا۔

۷۔ مجھ اور تجھ اگر فاعل ہوں تو ''نے'' نہیں آتا لیکن ان کے ساتھ کوئی صفت ہو تو ''نے'' استعمال ہوگا جیسے:
مجھ بدنصیب نے یہ نہیں کیا تھا۔ تجھ شریف نے یہ کیوں کہا؟

۸۔ مصدر کے ساتھ ''نے'' کا استعمال غلط ہے۔ جیسے: امجد نے کراچی جانا ہے۔ میں نے کتاب پڑھنا ہے۔ ہم نے حج کرنا ہے۔
ان کی صحیح صورت یہ ہوگی: امجد کو کراچی جانا ہے۔ مجھے کتاب پڑھنا ہے۔ ہمیں حج کرنا ہے۔

''کو'' کا استعمال

اردو زبان میں ''کو'' مفعول کی علامت ہے جس کے استعمال میں احتیاط لازمی ہے:

۱۔ جب کسی جملے میں مفعول عاقل جاندار ہو تو اس کے ساتھ ''کو'' ضرور آتا ہے۔ جیسے:
عثمان نے شاگرد کو پڑھایا۔ میں نے فرحان کو دیکھا۔

۲۔ اگر کسی جملے میں مفعول بے جان ہو تو ''کو'' نہیں آتا جیسے: میں نے کتاب پڑھی۔ طارق نے اخبار خریدا، بولنا چاہیے۔ ان جملوں میں ''کو'' کا استعمال غلط ہے۔

۳۔ مرکب مصدر جو محاورے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں وہاں ''کو'' کا استعمال غلط ہے جیسے: کمر باندھنا کے بجائے کمر کو باندھا۔ ہمت ہارنا کے بجائے ہمت کو ہارنا غلط ہوگا۔

۴۔ اگر کسی جملے میں جاندار ذوالعقول دو مفعول ہوں تو ان میں دوسرے مفعول کے ساتھ ''کو'' استعمال کرنا ٹھیک ہوگا نہ کہ دونوں مفعولوں کے ساتھ ''کو'' استعمال کیا جائے۔ جیسے: اسامہ نے بچہ اس کی ماں کو دیا۔ اس جملے میں ''بچہ'' اور ''ماں'' دونوں مفعول ہیں لیکن ''کو'' صرف دوسرے مفعول ماں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

فعل کی فاعل کے ساتھ مطابقت

۱۔ فعل لازم عام طور پر اپنے فاعل کے مطابق آتا ہے۔ فاعل کے واحد، جمع، مذکّر، مؤنّث ہونے کی صورت میں فعل بھی اس کے مطابق ہوگا۔ جیسے: علی آیا۔ لڑکے بھاگے۔ لڑکی دوڑی۔ لیکن اگر فعل متعدی ہو تو فعل مفعول کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے مثلاً میں نے کیلا کھایا۔ میں نے کیلے کھائے۔ یاسمین نے کیلا کھایا۔ صبا نے روٹی کھائی۔ ہم نے روٹی کھائی۔ اگر مفعول کے بعد ''کو'' استعمال ہو تو فعل واحد مذکر ہوگا۔ مثلاً سائرہ نے عمر کو مارا۔ عمر نے سائرہ کو مارا۔ شہریار نے بکریوں کو مارا۔ لڑکیوں نے کتے کو مارا۔

۲۔ فاعل اگر اسم جمع ہو تو فعل واحد آئے گا۔ جیسے: فوج نے حملہ کیا۔ جماعت کراچی چلی گئی۔ ریوڑ جنگل میں چر رہا ہے۔

۳۔ جب دو یا زیادہ حروفِ عطف اکٹھے آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: حسیب، منیب اور مجیب آئے۔

۴۔ جب دو اسم بغیر حرف عطف اکٹھے آئیں اور آخر میں ''دونوں'' کا لفظ لکھا جائے تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: سعدؔ ادریس دونوں آگئے۔

۵۔ جب کسی جگہ بہت سے اسم آجائیں تو فعل آخری اسم کے مطابق آئے گا۔ جیسے:
دس جگ، پانچ پلیٹیں، ایک گلاس ٹوٹ گیا یا ایک گلاس، پانچ پلیٹیں، دس جگ ٹوٹ گئے۔

۶۔ اگر بہت سے اسم ایک جگہ آئیں اور فعل ایک ہو اور آخر میں ''سب کچھ'' بڑھا دیا جائے تو فعل واحد مذکّر آئے گا۔ جیسے:
سامان، مکانات، دکانیں سب کچھ جل گیا۔

۷۔ اگر کسی جملے میں ضمیر جمع متکلم ''ہم'' فاعل ہو تو مذکّر اور مؤنّث دونوں کے لیے ایک ہی فعل آتا ہے۔ جیسے: عورتوں نے کہا ہم آتے ہیں۔ مردوں نے کہا ہم آتے ہیں۔ عورتوں نے کہا ہم آگئے ہیں۔ مردوں نے کہا ہم آگئے ہیں۔

اسمِ صِفَت اور اسمِ موصوف میں مطابقت

۱۔ صِفَت اور موصوف کے مذکّر اور مؤنّث ہونے میں مطابقت ہونی چاہیے، جیسے: اچھا لڑکا۔ برے لوگ۔

۲۔ جو صفت واحد مؤنّث کے لیے آتی ہے وہی صفت جمع مؤنّث کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ نیک لڑکی۔ نیک لڑکیاں۔

۳۔ عربی کے اسمائے صفات اردو میں مذکّر، مؤنّث اور واحد، جمع میں ایک حالت پر رہتے ہیں۔ جیسے: شریف آدمی۔ شریف عورتیں۔

۴۔ صِفَت عدد ترتیبی میں مذکّر و مؤنّث کے لحاظ سے موصوف اور اسمِ صِفَت میں مطابقت ہوگی۔ پانچواں لڑکا۔ پانچویں لڑکی۔ لیکن اعداد میں جمع نہیں آتی۔

۵۔ جب صِفَت خبر کے طور پر آئے اور علامت مفعول مذکور ہو تو فعل واحد آتا ہے جیسے: میں نے ان لوگوں کو قابل سمجھا۔

اسمِ ضمیر اور مرجع کی مطابقت

اسمِ ضمیر

وہ اسم ہے جو کسی دوسرے اسم کی جگہ آتا ہے۔ جس اسم کی جگہ آتا ہے اسے ''مرجع'' کہتے ہیں۔

مرجع

ضمیر جس اسم کی جگہ یا اُس کے بدلے آ رہا ہوا سے ''مرجع'' کہتے ہیں۔

۱۔ ضمیر کو اپنے ''مرجع'' کے مطابق آنا چاہیے۔ جیسے: اسامہ آیا اور وہ چلا گیا۔ شانزہ نے کتاب پڑھی اور وہ سو گئی۔

۲۔ ضمیر کی فاعلی، مفعولی اور اضافی حالت میں ضمیر اپنے مرجع کے مطابق آنی چاہیے۔

۳۔ ضمیر میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں ہے لٰہذا مرجع کے ساتھ ضمیر کی مطابقت صیغے اور تعداد کے مطابق ہوگی۔

۴۔ ضمیر واحد غائب دونوں کے لیے فعل لازم میں ضمیر صرف ''وہ'' آتی ہے لیکن فعل لازم کے علاوہ باقی ضمیریں جمع غائب کے لیے الگ ہیں جیسے: علی رضا اور شہر یار آئے اور وہ دونوں چلے گئے۔ دوسری مثال جیسے: مبشر اور مدثر دونوں اپنی جگہ بیٹھے، انھوں نے اپنی باتیں کیں اور کھانا کھانے لگے۔ پہلے جملے میں ''وہ'' ضمیر جمع کے لیے استعمال ہوئی اور دوسرے جملے میں جمع کے لیے ضمیر ''انھوں'' استعمال ہوئی۔ یہی حال واحد حاضر اور جمع حاضر کی ضمیروں کا ہے۔

تَلَفُّظ

تَلَفُّظ کے معانی ہیں الفاظ کو زیر، زبر اور پیش کے لحاظ سے صحیح طرح ادا کرنا۔ اسی لیے الفاظ کا صحیح تَلَفُّظ سیکھنے کے لیے حرکات سے واقفیت ضروری ہے۔ حرکات ان علامات کو کہتے ہیں جو الفاظ کا تَلَفُّظ واضح کرنے کے لیے ان کے مختلف حروف پر لگائی جاتی ہیں۔ اِعراب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔	َ	زبر	یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ (ا) اس علامت کو "فتحہ" بھی کہتے ہیں۔ جس حرف پر یہ علامت ہوگی وہ "مفتوح" کہلائے گا۔ مثلاً "تَلَفُّظ" کے الفاظ میں ت اور ل دونوں مفتوح ہیں۔ یا "عَمَل" میں ع اور م دونوں مفتوح ہیں۔
۲۔	ِ	زیر	یہ علامت حرف کے نیچے لگائی جاتی ہے۔ (اِ) اس علامت کو "کسرہ" بھی کہتے ہیں۔ جس حرف کے نیچے یہ علامت ہوگی اسے "مکسور" کہیں گے۔ مثلاً لفظ "اِنسان" میں الف مکسور ہے اور "جِسم" میں ج مکسور ہے۔
۳۔	ُ	پیش	یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ (اُ) اس علامت کا دوسرا نام "ضمہ" ہے۔ جس حرف پر پیش ہو اسے "مضموم" کہتے ہیں۔ مثلاً لفظ "حُروف" میں ح مضموم ہے۔ یا "زُکام" اور "بُخار" میں ز اور ب مضموم ہیں۔
۴۔	ْ	سکون	کسی حرف کو ساکن ظاہر کرنے کے لیے اس کے اوپر جزم یا سکون کی علامت لگا دی جاتی ہے۔ مثلاً (مْ) جس حرف پر یہ علامت ہوگی وہ "ساکن" کہلائے گا۔ مثلاً لفظ "عقْل" میں ق ساکن ہے۔ "لفْظ" میں ف ساکن ہے۔ "حرْف" میں ر ساکن ہے۔
۵۔	ّ	تشدید	تشدید کو شدّ بھی کہتے ہیں۔ یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ مثلاً (شّ) جس حرف پر یہ علامت ہوگی اسے ہم "مشدّد" کہیں گے اور اس حرف کی آواز ایسی ہوگی جیسے اسے دو بار پڑھا جا رہا ہو۔ لفظ "تَلَفُّظ" میں ف پر تشدید ہے۔ یا "مشدّد" میں پہلے "د" پر تشدید ہے۔ "معلّم" میں ل مشدّد ہے اور بولتے وقت اسے دوبارہ ادا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا پانچ علامات اردو میں عام طور سے استعمال ہوتی ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ علامات ایسی بھی ہیں جو نسبتاً کم استعمال کی جاتی ہیں لیکن صحیح تَلَفُّظ کے لیے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ علامات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔	ٓ	مد	یہ علامت صرف الف پر لگائی جاتی ہے (آ) جس الف پر یہ ہوگی اسے "الف ممدودہ" کہیں گے۔ جہاں یہ علامت ہو وہاں الف کو لمبا کر کے پڑھتے ہیں مثلاً آم۔ آج۔ آن۔ آگ وغیرہ
۲۔	ٰ	کھڑی زبر	یہ علامت صرف عربی الفاظ میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ اسحٰق میں ح پر کھڑی زبر ہے۔ اسی طرح عیسیٰ، موسیٰ اور اللّٰہ پر بھی کھڑی زبر ہے۔
۳۔	ٖ	کھڑی زیر	یہ علامت حرف کے نیچے لگائی جاتی ہے۔ جیسے آلہٖ، بعینہٖ، فی نفسہٖ، بذاتہٖ، اور مشتبہ بہٖ وغیرہ

۴۔	ُ	الٹی پیش	یہ علامت پیش اور واؤ کی قائم مقام ہے۔ مثلاً داودد کو اگر ہم ایسے لکھیں ''داوٗد'' تو واؤ پر الٹی پیش لگائیں گے۔
۵۔	ً ٍ ٌ	تنوین	اگر کسی حرف پر دوزبر لگا دیں جیسے (اً) یا اس کے نیچے دوزیر جیسے (اٍ) یا اس کے اوپر دو پیش (اٌ) لگا دیں تو اسے تنوین کہیں گے۔ یہ علامت اردو کے چند الفاظ میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً فوراً۔ آناً۔ فاناً۔ نسلاً اور مشارٌ الیہ وغیرہ

علامات کے علاوہ تلفّظ کے سلسلے میں چند اور باتیں بھی جاننا ضروری ہیں:

ا۔ واؤ کی دو آوازیں ہیں۔ اگر واؤ سے پہلے حرف پر پیش لگا دیا جائے تو اس کی آواز پوری طرح ظاہر کر کے پڑھی جائے گی جیسے: خوب۔ بوٹ۔ نور۔ اس واؤ کو واؤ معروف کہتے ہیں۔ دوسرا واؤ 'واؤ مجہول کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے حرف پر کوئی علامت نہیں لگائی جاتی۔ مثلاً کو۔ بولو۔ سوچو اور روکو وغیرہ

۲۔ واؤ کی طرح ''ی'' کی بھی دو آوازیں ہیں۔ جس ''ی'' سے پہلے حرف کے نیچے زیر ہوگا اسے خوب ظاہر کر کے پڑھا جائے گا۔ مثلاً تیر۔ تیتر۔ پیر۔ کھیر۔ ہیر۔ ایسی ''ی'' کو یائے معروف کہتے ہیں۔ دوسری ''ی'' جس کے پہلے حرف کے نیچے علامت نہیں ہوتی 'یائے مجہول کہلاتی ہے۔ مثلاً شیر۔ بیر۔ بٹیر۔ بچّوں کی سہولت کے لیے یائے معروف کو ''چھوٹی ی'' اور یائے مجہول کو ''بڑی ے'' بھی کہتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں چند مشہور الفاظ کا تلفّظ تحریر کرتے ہیں۔ ایک سا تلفّظ رکھنے والے الفاظ کو سہولت کے لیے ایک جگہ پر جمع کر لیا ہے اور اعراب صرف ایک کلمے پر لگائے ہیں۔

عَمَل	ع مَ ل	پہلے دونوں حرف مفتوح جیسے: غرض۔ مرض۔ بدن۔ بدل۔ ادب۔ ازل۔ بشر۔ حسد۔ فلک۔ شفق۔ عدد۔ چمن۔ نمک۔ سحر (بمعنی صبح) غلط۔ شرف۔ مثل (بمعنی کہاوت) اور جنم وغیرہ
عَقْل	عَ قْ ل	پہلا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن اور تیسرا بھی ساکن جیسے: اصل۔ امن۔ امر۔ برق۔ ترک۔ جذب۔ ضرب۔ حمد۔ وجد۔ صبر۔ صدر۔ نظم۔ نثر۔ نقش۔ رقص۔ فرض۔ عرض۔ عدل۔ قتل۔ دخل۔ ختم۔ رسم۔ بزم۔ تلخ۔ برف۔ ابر اور بخش وغیرہ
جِسْم	جِ سْ م	پہلا حرف مکسور۔ آخری دونوں ساکن جیسے: اسم۔ حرص۔ ذکر۔ علم۔ فکر۔ علم۔ عشق۔ شرک۔ عطر۔ مثل (بمعنی مانند)۔ ارد اور گرد وغیرہ
شُکْر	شُ کْ ر	پہلا حرف مضموم اور آخری دونوں ساکن جیسے: حسن۔ حکم۔ ظلم۔ عذر۔ کفر۔ جرم اور بغض۔
اَخلَاق	اَ خْ لَ ا ق	پہلا اور تیسرا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن جیسے: اخبار۔ اسلاف۔ اقسام۔ افواج۔ اضلاع۔ القاب۔ افراد۔ یہ سب الفاظ جمع ہیں۔
اُمَرَا	اُ مَ رَ ا	پہلا حرف مضموم۔ دوسرا اور تیسرا مفتوح جیسے: علما۔ غربا۔ فقرا۔ شعرا۔ شہدا اور ادبا۔ یہ الفاظ بھی جمع ہیں۔

مَذَاهِبْ	مَ ذَا ہِ بْ	پہلے دونوں حرف مفتوح، چوتھا مکسور جیسے: فوائد۔ قواعد۔ مقاصد۔ مساجد۔ مدارس۔ عقائد۔ مجالس۔ نتائج۔ وظائف۔ حقائق۔ ممالک۔ مشاغل۔ فضائل اور مناظر۔ یہ تمام الفاظ اسمِ جمع ہیں۔
جُلُوسْ	جُ لُ وسْ	پہلے دو حرف مضموم، آخری دو ساکن جیسے: خلوص۔ وصول۔ حصول۔ فضول۔ عیوب۔ حدود۔ علوم۔ نجوم اور رسوم، ان میں آخری پانچ لفظ جمع ہیں اور ان کے واحد ہیں: عیب۔ حد۔ علم۔ نجم اور رسم۔
عَالِمْ	عَ ا لِ مْ	پہلا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور جیسے: آخر۔ تاجر۔ باطن۔ باعث۔ صاحب۔ جاہل۔ جانب۔ بالغ۔ طالب۔ حاضر۔ ظالم۔ ساکن۔ بارش۔
مُسْلِمْ	مُ سْ لِ مْ	پہلا حرف مضموم۔ تیسرا مکسور جیسے: مفلس۔ مخلص۔ منصف۔ مشفق۔ مجرم۔ مشرک۔ مشکل۔ مومن۔ محسن۔
مُسَافِرْ	مُ سَ ا فِ رْ	پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ چوتھا مکسور۔ جیسے: محافظ۔ موافق۔ مخالف۔ مجاہد۔ معالج۔ منافق۔ مطابق۔
مُصَوِّرْ	مُ صَ وِّ رْ	پہلا حرف مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدد مکسور۔ جیسے: مبلغ۔ محقق۔ مروج۔ مرتب۔ مؤلف۔
(نوٹ: اس فہرست کے الفاظ قواعد کی رو سے اسم فاعل ہیں)		
حِسَابْ	حِ سَ ا بْ	پہلا مکسور۔ دوسرا مفتوح جیسے: کتاب۔ بساط۔ علاج۔ مزاج۔ جہاد۔ خلاف۔ فراق۔ وصال۔ قیام۔ نکات۔ صفات۔ آخری دو لفظ نکتہ اور صفت کی جمع ہیں۔
مُخْتَلِفْ	مُ خْ تَ لِ فْ	پہلا مضموم۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح۔ چوتھا مکسور پانچواں ساکن جیسے: معترض۔ مشتعل۔ منتظر (معنی انتظار کرنے والا)۔ ملتمس۔ معتقد۔ منتشر۔ معترف۔
مُعَطَّرْ	مُ عَ طَّ رْ	پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدد مفتوح جیسے: مکرم۔ مفصل۔ مقدر۔ مثلث۔ مہذب۔ مروج۔ مقدس۔ مسدس۔ مدلل۔ مخفف۔
(نوٹ: اس فہرست کے الفاظ اسمِ مفعول ہیں۔ ان لفظوں کو اُن لفظوں کے ساتھ ملا کر پڑھیے جنھیں ہم نے اس سے پہلے اسم فاعل کہا تھا)		
مَحْبُوبْ	مَ حْ بُ وْ بْ	پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مضموم جیسے: مغلوب۔ مفتوح۔ مجروح۔ مذکور۔ محسوس۔ معقول۔ مقبول۔ مضمون۔ ممنون۔ موجود۔ مفقود۔
مُحْتَرَمْ	مُ حْ تَ رَ مْ	پہلا مضموم۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا اور چوتھا مفتوح جیسے: مختصر۔ منتظر (انتظار کیا گیا)۔ معتبر۔ منتخب۔
مِعْرَاجْ	مِ عْ رَ ا جْ	پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: محراب۔ منقار۔ مضراب۔ مقراض۔ مفتاح۔ مصباح۔
مَنْزِلْ	مَ نْ زِ لْ	پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور جیسے: مسجد۔ مغرب۔ محمل۔ مجلس۔
مَدْرَسَہ	مَ دْ رَ سَ ہ	پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا اور چوتھا مفتوح۔ جیسے: مشغلہ۔ مقبرہ۔ مشورہ۔ مسئلہ۔
اَفْضَلْ	اَ فْ ضَ لْ	پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: اکبر۔ مرکز۔ مصدر۔ مکتب۔ مطلع۔ مقطع۔

اِسْلَامْ	اِس لَ ام	پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: اخلاص۔احساس۔ احسان۔ اقبال۔ انصاف۔ ادراک۔ انعام۔ ارشاد۔ ارسال۔اصلاح۔اظہار۔اعراب۔اعزاز۔اقرار۔افلاس۔افطار۔اکرام۔الزام۔امداد۔امکان۔ان لفظوں کو اس فہرست کے لفظوں کے ساتھ ملا کر پڑھیے جن کا پہلا لفظ "اخلاق" ہے۔لفظوں کی پہلی صورت جمع کی ہے اور دوسری مصدر کی۔
اِعْتِبَارْ	اِعْ تِ بَ از	پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور۔ چوتھا۔ مفتوح جیسے: احترام۔ اجتناب۔ ابتدا۔ انتہا۔ اختتام۔ اختصار۔ اختلاف۔ اشتہار۔ اعتراض۔ اعتدال۔ اعتراف۔ اعتقاد۔ اعتماد۔ امتحان۔ التماس۔ انتخاب۔ انبساط۔ انحصار۔ انحراف۔ انقلاب۔ انکشاف۔ انکسار
اِتِّحَادْ	اِتْ تِ حَ ا دْ	پہلا مکسور۔ دوسرا مشدد مکسور۔ تیسرا مفتوح جیسے: اتفاق۔ اطلاع
تَرَنُّمْ	تَ رَنْ نُ مْ	پہلا اور دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدد مضموم جیسے: تخلص۔تحمل۔ تدبر۔ تبسم۔ تجسس۔ تشدد۔ تصوف۔ تعجب۔ تعلق۔ تعلم۔ تقرر۔ تنزل۔ تکلف۔ تلفظ۔ توکل۔ تمدن
تَعْظِیْمْ	تَ عْ ظِ یْ مْ	پہلا مفتوح۔ تیسرا مکسور جیسے: تشریح۔ تقریر۔ تشدید۔ تشریف۔ تشویش۔ تصدیق۔ تعمیر۔ تعمیل۔ تقسیم۔ تقریب۔ تقدیس۔ تعظیم
تَعَاوُنْ	تَ عَ ا وُ نْ	پہلا اور دوسرا مفتوح۔ چوتھا مضموم جیسے: تغافل۔ تعارف۔ تصادم۔ تفاوت۔ تدارک۔ تناول
اِسْتِعْمَالْ	اِسْ تِ عْ مَ الْ	پہلا اور تیسرا حرف مکسور۔ پانچواں مفتوح جیسے: استقبال۔ استعداد۔ استحکام۔ استغفار۔
تِلَاوَتْ	تِ لَ ا وَ تْ	پہلا حرف مکسور۔ دوسرا اور چوتھا مفتوح جیسے: اطاعت۔ اشاعت۔ اقامت۔ افاقہ۔ حکایت۔ عبارت۔ حمایت۔ تجارت۔ زیارت۔ رعایت۔ کتابت۔ سیاست۔
نَفَاسَتْ	نَ فَ ا سَ تْ	پہلا دوسرا اور چوتھا حرف مفتوح جیسے: امانت۔ بشارت۔ بغاوت۔ صداقت۔ سخاوت۔ نزاکت۔ متانت۔ وکالت
مَعْذِرَتْ	مَ عْ ذِ رَ تْ	پہلا مفتوح۔ تیسرا مکسور۔ جیسے: مغفرت۔ معرفت۔ معصیت
مُشَاعَرَہ	مُ شَ ا عَ رَہ	پہلا مضموم۔ دُوسرا، چوتھا اور پانچواں مفتوح جیسے: مباحثہ۔ مبالغہ۔ محاصرہ۔ مراسلہ۔ مشاہدہ۔ معاملہ۔ معاوضہ۔ مشاہرہ۔ مقابلہ۔ مناظرہ۔ موازنہ۔ ملاحظہ
(اردو میں مفاعلہ کے وزن پر آنے والے یہی مصادر و اسما بکسر عین بھی مستعمل ہیں)		
بُخَارْ	بُ خَ ا رْ	پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح مثلاً زکام۔ سوال
مَحَبَّتْ	مَ حَ بْ بَ تْ	پہلے تینوں حروف مفتوح۔ تیسرا مشدد جیسے: مضرت۔ مذلت۔ مشقت۔ مسرت
حَاجَتْ	حَ ا جَ تْ	پہلا مفتوح۔ تیسرا مفتوح جیسے: ساغر۔ آپس۔ ماتم۔ کاغذ۔ ساعت
حَلَالْ	حَ لَ الْ	پہلا اور دوسرا مفتوح۔ جیسے: جلال۔ کمال۔ زوال۔ سلام۔ کلام۔ نشاط۔ اذان۔ جہاز۔ شباب۔ خراب۔ بیان۔ طواف

متفرق الفاظ کا تلفُّظ

۱۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر زبر ہے:

بَہار۔ بَلند۔ چَکنا چور۔ ڈَکار۔ ٹَکسال۔ سَمت۔ طَلَبہ۔ عَمود۔ قَلعہ۔ ہَرن۔ کَھچا۔ کَھچ۔ گَواہ۔ گَھمسان۔ گَھسیارہ۔ مَبادا۔ لَتاڑتا۔ مَتوالا۔ مَحبّت۔ مَذاق۔ مَزار۔ مَسافت۔ مَہارت۔ نَماز۔ نَمک۔

۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف کے نیچے زیر ہے:

خِزاں۔ خِضر۔ خِطاب۔ اِکسیر۔ اِلائچی۔ چِکناہٹ۔ رِسالہ۔ رِعایا۔ سِفارش۔ شِکار۔ شِکوہ۔ عِبادت۔ غِذا۔ قِیامت۔ قِندیل۔ کِردار۔ گِلاس۔ مِرچ۔ مِزاج۔ نِکات۔ نِنانوے۔

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر پیش ہے:

عُنصر۔ عُنوان۔ وُصول۔ وُضو۔ طُفیل۔ سُہانا۔ سُنسان۔ گُزارش۔ مُدیر۔

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر واؤ مجہول ہے:

لومڑی۔ گوند۔ گھنگھور۔ شرابور۔ چٹورا۔ ٹھٹھول۔ غول۔

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واؤ معروف ہے:

لنڈورا۔ سونا۔ قیلولہ۔ گھوسٹ۔ بگولہ۔ بھبوکا۔ ٹھونسنا۔

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واؤ سے پہلے حرف پر زبر ہے:

بَوچھاڑ۔ بَھونچکا۔ بَوکھلانا۔ جَوق۔ کَوندنا

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں یائے معروف ہے جیسے: اَجیرن۔ چُبھیتا۔ لیکھ۔

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں یائے مجہول ہے جیسے: ٹھیس۔ ٹھیٹ۔ جھمیلا۔ جھیلنا۔ سوتیلا۔ رگیدنا۔

۹۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں نون کی آواز کو ظاہر کرنا لازم ہے: کنبہ۔ بھانجا۔ بھنک۔ دھنک۔ بھیانک۔ پھنسی۔ تنک۔

۱۰۔ جن الفاظ میں ''ب'' سے قبل نون ساکن ہو وہاں نون کی آواز میم میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً:

منبر۔ منبع۔ استنباط۔ دنبہ۔ تنبیہ۔ انبیا۔ عنبر۔ انبوہ۔

۱۱۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واؤ معدولہ ہے۔ (واؤ کی آواز ظاہر نہیں ہوتی)

خواجہ۔ خویش۔ خواب۔ خواہر۔ خواستگار۔ خوانخواہ۔ خوانچہ۔ خواہش۔ خوش، درخواست

۱۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واؤ معدولہ نہیں لہٰذا واؤ کی آواز ظاہر کرنا ضروری ہے جیسے: خَواص۔ خَواتین۔ خَوارزم۔

مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفّظ عام طور پر غلط ادا کیا جاتا ہے۔ درست تلفّظ یہ ہے :

بےوُقوف	وقوف کے پہلے واؤ پر پیش ہے
مبارَك برکت دیا ہوا	'ر' پر زبر
خَلْط ۔ مَلْط	دونوں لام ساکن
یَکُم ۔ دوُم ۔ سوُم	تینوں کا دوسرا حرف مضموم ہے
خود کُشی	'ک' پر پیش
خیر مَقْدَم	پہلا مفتوح ۔ 'ق' ساکن ۔ 'د' مفتوح
خَرّاٹا	'خ' مفتوح ۔ 'ر' مشدّد مفتوح
وَاوَیلا	دوسرا واؤ مفتوح
لا مَحالہ	'م' پر زبر
مُتَرْجَمْ (ترجمہ شدہ)	'ج' پر زبر ۔ 'ر' ساکن
مُتَرْجِمْ (ترجمہ کرنے والا)	'ج' مکسور ہے ۔ 'ر' ساکن
جَہَنَّم	'ج' اور 'ھ' پر زبر، 'ن' مشدّد مفتوح
چِھلُم	'ل' پر پیش
فِرِشْتَہ	'ف' ۔ 'ر' مکسور
یُوسُف	'س' پر پیش
یُونُس	'ن' پر پیش
مُتَّحِدَہ	میم پر پیش ۔ 'ت' پر شد اور زبر ۔ 'ح' کے نیچے زیر ۔ 'د' پر زبر
مُنتَظَر	انتظار کیا گیا
مُنتَظِر	انتظار کرنے والا
مصوَّر	تصویروں والا
مصوِّر	تصویر بنانے والا

روزمرّہ اور محاورہ

روزمرّہ : اُس بول چال کا نام ہے جو خاص اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں لیکن روزمرہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اور وہ الفاظ اپنے لغوی معنی دیتے ہیں۔ اس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ سماعت پر دارومدار ہے۔ مثال کے طور پر انیس بیس کے فرق کو ہم بیس اکیس کا فرق اور دو چار ہاتھ کو دو پانچ ہاتھ نہیں کہہ سکتے۔

محاورہ : دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے، جس سے حقیقی کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جائیں۔ مثال کے طور پر سبز باغ دکھانا، آنکھ لگنا، یاد اللہ ہونا، گھوڑے بیچ کر سونا وغیرہ۔

محاورہ زبان کا زیور ہے۔ اس کے مناسب اور برمحل استعمال سے تحریر و تقریر میں ایک خاص قسم کی دل کشی اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ محاورے کے الفاظ میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اسے قواعدِ زبان کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ محاورے کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے اہلِ زبان کی تحریروں کا بغور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ہم ذیل میں اپنے طالب علموں کی سہولت کے لیے کچھ محاورات، ان کے معانی اور ان کا جملوں میں استعمال لکھے دیتے ہیں۔ طالب علموں پر لازم ہے کہ انھیں ازبر کر لیں۔

محاورات	مفہوم	جملے
آبرو خاک میں ملانا	ذلیل کرنا	اُس نے اتنے بُرے کام کیے کہ اپنے بزرگوں کی آبرو خاک میں ملا دی۔
آپے سے باہر ہونا	حد درجے کا غصّہ	احمد گالی سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔
آڑے آنا	مشکل میں کام آنا	سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں دوستوں کے آڑے آئے۔
آب و دانہ اٹھنا	رزق ختم ہونا	سچ ہے جب انسان کا آب و دانہ اٹھ جاتا ہے تو کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔
آگ بگولا ہونا	بہت غصّے میں آنا	وہ میری بات سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔
آنکھیں چُرانا	نظریں بچانا	آنکھیں کیوں چُراتے ہو، سچے ہو تو سامنے آکر بات کرو۔
آفت کا پرکالہ ہونا	نہایت شرارتی	یہ بڑھیا تو آفت کا پرکالہ ہے، اِدھر کی اُدھر لگا کر لوگوں میں لڑائی کرا دیتی ہے۔
آسمان سے باتیں کرنا	بلندو بالا	کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔
اپنا سا منہ لے کر رہ جانا	شرمندہ ہونا	احمد سے جب میری دلیل کا جواب نہ بن پڑا تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔
اپنے منہ میاں مٹھو بننا	اپنی تعریف خود کرنا	اپنے منہ میاں مٹھو بننا کوئی خوبی نہیں، مزہ تو تب ہے کہ دوسرے لوگ آپ کی تعریف کریں۔

اپنے گریبان میں منھ ڈالنا	اپنا جائزہ لینا	آدمی کو چاہیے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی منھ ڈال کر دیکھ لے۔
اَش اَش کرنا	حیران ہونا	سامعین مقرّر کی دل پذیر تقریر سن کر اَش اَش کر اٹھے۔
اللّے تللّے کرنا	بے دریغ خرچ کرنا	میاں! اگر تمھارے یہی اللّے تللّے رہے تو ایک دن بھیک مانگتے نظر آؤ گے۔
اینٹ سے اینٹ بجانا	تباہ و برباد کرنا	نادر شاہ نے ایران سے آ کر دِلّی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔
باغ باغ ہونا	بہت خوش ہونا	بیٹے کی کامیابی کی خبر سن کر باپ کا دل باغ باغ ہو گیا۔
بے نقط سنانا	برا بھلا کہنا	بڑھیا نے لڑکوں کو وہ بے نقط سنائیں کہ توبہ ہی بھلی۔
بیڑا اٹھانا	کسی مہم کو انجام دینے کا ذمّہ لینا	قائدِ اعظمؒ نے برِّ عظیم کے مسلمانوں کو آزادی سے ہم کنار کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔
بے چراغ ہونا	اجاڑ، سنسان ہونا	یہ بستی برسوں پہلے دریا بُرد ہو گئی تھی، اس وقت سے آج تک بے چراغ چلی آ رہی ہے۔
پاپڑ بیلنا	محنت مشقت کرنا	فی زمانہ انسانوں کو اپنے بچوں کی خاطر بڑے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔
پالا پڑنا	واسطہ ہونا	خدا کرے تمھارا کسی احمق سے پالا نہ پڑے۔
پانی پھیر دینا	برباد کرنا	آپ نے میرے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔
پانی میں آگ لگانا	متحمل مزاج کو بھڑکانا	آج جب میں نے صدیقی صاحب کو غصّے میں دیکھا تو یوں لگا جیسے کسی نے پانی میں آگ لگا دی ہو۔
تین پانچ کرنا	جھگڑا کرنا، بحث کرنا	میرے ساتھ تین پانچ کرنے کی ضرورت نہیں، سیدھی طرح سے میری رقم واپس کرو۔
تین حرف بھیجنا	لعنت ملامت کرنا	میں ہمیشہ چغل خوروں پر تین حرف بھیجتا ہوں۔
تین تیرہ ہونا	منتشر ہونا	حملے کی تاب نہ لا کر کفّار کا لشکر آنِ واحد میں تین تیرہ ہو گیا۔
تگنی کا ناچ نچانا	بہت پریشان کرنا	دوسری بیوی نے خاوند کو ایسا تگنی کا ناچ نچایا کہ وہ دنیا ہی سے بیزار ہو گیا۔
ٹسوے بہانا	جھوٹ موٹ رونا	اس بچے کو چوٹ نہیں لگی، یہ ٹسوے بہا رہا ہے۔
ٹیڑھی کھیر ہونا	کام کا مشکل ہونا	اس مسئلے کا حل میرے بس میں نہیں، یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔
ٹس سے مس نہ ہونا	ذرا بھی اثر نہ ہونا	بعض لوگ ایسے بے حس ہوتے ہیں، انھیں لاکھ سمجھاؤ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

جامے میں پھولا نہ سمانا	بہت خوش ہونا	اکرم اپنی کامیابی پر جامے میں پھولا نہ سماتا تھا اور خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔
جی چرانا	بچنے کی کوشش کرنا	بعض لوگ اپنے ہاتھ سے کچھ کام نہیں کرتے محنت سے جی چراتے ہیں۔
جلتی پر تیل ڈالنا	جھگڑے کو اور بڑھانا	کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بیچ بچاؤ کرانے کے بجائے جلتی پر تیل ڈالتے ہیں۔
جان پر کھیلنا	انتہائی مشکل کام کرنا	کمانڈوز نے جان پر کھیل کر دہشت گردوں کو آن واحد میں ٹھکانے لگادیا۔
جلی کٹی سنانا	بُرا بھلا کہنا	ساس بہو کی نہ بنتی تھی اور وہ اکثر ایک دوسرے کو جلی کٹی سناتی رہتی تھیں۔
چراغ پا ہونا	غصّے کی کیفیت	جب سے حامد نے سنا ہے کہ محمود اس کا مخالف ہے، تو وہ چراغ پا ہے۔
چراغِ سحری ہونا	مرنے کے قریب ہونا	میاں! ہمارا کیا ہے، ہم تو چراغِ سحری ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن ہوگا۔
چھکے چھڑانا	حواس گم کرنا	مجاہدین نے پے در پے حملے کر کے دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔
چار چاند لگانا	قدر و قیمت بڑھانا	علّامہ اقبالؒ کے کلام نے اردو شاعری کو چار چاند لگا دیے۔
چھاتی پر سانپ لوٹنا	حسد ہونا	پاکستان کی ترقی اور خوش حالی سے دشمنوں کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔
چھٹی کا دودھ یاد آنا	آرام کے دنوں کا یاد آنا	پولیس نے چور کی ایسی پٹائی کی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔
حرف آنا	بدنامی ہونا	کوئی ایسا کام نہ کرو کہ بزرگوں کی عزّت پر حرف آئے یا ان کے نام کو دھبا لگے۔
حواس باختہ ہونا	گھبرا جانا	خطرے کے وقت حواس باختہ نہیں ہونا چاہیے۔
خاطر میں نہ لانا	پروا نہ کرنا	خلیل اتنا خود پسند ہے کہ وہ اپنے مقابلے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔
خاک چھاننا	بہت جستجو کرنا	خاک چھاننے کا شوق خوف و خطر پر غالب آ گیا۔
خون سفید ہونا	بے مروّت ہونا	کیا زمانہ آ گیا ہے، عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کا بھی خون سفید ہو گیا ہے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں رہا۔
خبر گرم ہونا	چرچا ہونا	یہ خبر گرم ہے کہ کل پورے ملک میں تعطیلِ عام ہوگی۔ ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا (غالب)
داغ بیل ڈالنا	بنیاد رکھنا	علّامہ اقبالؒ نے اردو شاعری میں ایک نئے اندازِ فکر کی داغ بیل ڈالی۔
ڈول ڈالنا	بنیاد رکھنا	لوگوں نے لڑائی بھڑائی کی باتیں کیں مگر میں نے صلح صفائی کا ڈول ڈالا۔
دام میں آنا	جال میں پھنسنا	اس آدمی کے دام میں نہ آنا، یہ بڑا مکار و عیار ہے۔
دانت کھٹے کرنا	عاجز کرنا	مٹھی بھر مجاہدین نے کافروں کے لشکرِ جرار کے دانت کھٹے کر دیے۔
دست بردار ہونا	چھوٹ دینا	بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے حق میں جائیداد سے دست بردار ہو گیا۔

دِل بھر آنا	غم گین ہونا	اس کی دکھ بھری داستان سن کر سب کا دل بھر آیا۔
دوڑ دھوپ کرنا	بہت کوشش کرنا	آپ اپنی دوڑ دھوپ جاری رکھیں، ان شاء اللہ منزل پانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔
دامن تر ہونا	گناہ گار ہونا	مولانا! ہمیں ایسا بھی تر دامن نہ سمجھ لینا تو بہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔
دھان پان ہونا	دبلا پتلا ہونا	قائدِ اعظمؒ دیکھنے میں دھان پان تھے مگر عزم وحوصلہ کے پہاڑ تھے۔
ڈکار تک نہ لینا	ہضم کر جانا	وہ لاکھوں کا مال ہضم کر گئے اور ڈکار تک نہ لی۔
ڈیرے ڈالنا	قیام کرنا	اُس آدمی کے گھر میں ایک عرصہ ہوا مفلسی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔
ڈنکا بجنا	شہرت ہونا	شہر بھر میں صدیقی صاحب کی شرافت اور نیکی کا ڈنکا بجتا ہے۔
رات دن ایک کرنا	سخت محنت کرنا	اُس نے رات دن ایک کیا۔لیاقت بہم پہنچائی تب اِس مرتبے کو پہنچا ہے۔
رائی کا پہاڑ بنانا	بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا	رائی کا پہاڑ بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔کیا بات تھی اور تم نے کیا بنا دیا۔
رفو چکر ہونا	کھسک جانا	پولیس کو دیکھتے ہی دونوں ٹھگ رفو چکر ہو گئے۔
رنگ فق ہونا	چہرے کا رنگ اڑ جانا	جب کبھی بجلی چمکتی ہے تو ڈر پوک نجمہ کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔
ریل پیل ہونا	کثرت ہونا	اکثر کاروباری لوگوں کے گھروں میں روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے۔
زخم پر نمک چھڑکنا	دکھی کو ستانا	میں تو پہلے ہی افسردہ بیٹھا ہوں، طعنہ زنی کر کے تم میرے زخموں پر نمک کیوں چھڑکتے ہو؟
زمین آسمان کے قُلابے ملانا	مبالغہ کرنا	وہ اپنے کارنامے کو اس طرح سناتا ہے کہ زمین آسمان کے قُلابے ملا دیتا ہے۔
زیر وزبر کرنا	الٹ پلٹ کرنا	پچھلے دنوں مہمان بچّوں نے میرا سارا کتب خانہ زیروزبر کر دیا۔
زمین میں گڑ جانا	سخت شرمندہ ہونا	جب باپ نے اپنے بیٹے کو جھوٹ بولتے سنا تو وہ مارے غیرت کے زمین میں گڑ گیا۔
زندہ در گور ہونا	دکھ بھری زندگی گزارنا	آج کل غریب غربا مفلسی کے ہاتھوں زندہ در گور ہیں۔
سر قلم کرنا	سر کاٹ دینا	جلاّد نے قاتل کا سر قلم کر دیا۔
سبز باغ دکھانا	لالچ دینا، دھوکا دینا	آصف نے مجھے بہت سبز باغ دکھائے مگر میں اُس کے جھانسے میں نہ آیا۔
سبز قدم ہونا	منحوس ہونا	ساس نے کہا: ''ہماری بہو سبز قدم ہے، جب سے آئی ہے کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے۔''
سانپ سونگھ جانا	خاموشی چھا جانا	جب صدرِ جلسہ نے چندے کی اپیل کی تو پورے جلسے کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

سینگ سمانا	جگہ ملنا	میری شب بسری کا کیا ہے، جہاں سینگ سمائیں گے، پڑ رہوں گا۔
شش و پنج میں پڑنا	سوچ بچار کی کیفیت	میں اس شش و پنج میں پڑا ہوں کہ یہ سفر اختیار کروں یا نہ کروں۔
شِیر و شکر ہونا	میل ملاپ ہونا	آج کل وسیم اور اکرم آپس میں خوب شیر و شکر ہیں۔
شیطان کی آنت ہونا	طویل ہونا	یہ مسافت تو میرے لیے شیطان کی آنت ہوگئی ہے، صبح سے طے کر رہا ہوں مگر منزل کو کوئی نشان نہیں۔
شگوفہ چھوڑنا	نئی بات کرنا	آپ جب بھی آتے ہیں، کوئی نہ کوئی شگوفہ ضرور چھوڑتے ہیں۔
شیخی بگھارنا	ڈینگ مارنا	مجھے تو شیخی بگھارنے والے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔
صبر کا پیمانہ لبریز ہونا	صبر نہ ہوسکنا	ساس کے آئے دن کے طعنوں سے تنگ آکر آخر بہو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔
طرح دینا	چشم پوشی کرنا	آپ اُسے طرح دیے جاتے ہیں اور وہ منھ چڑھتا جا رہا ہے۔
طوطا چشم ہونا	آنکھیں پھیر لینا	بعض لوگ ایسے طوطا چشم ہوتے ہیں کہ مطلب نکل جانے پر پہنچانے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔
عبرت پکڑنا	سبق حاصل کرنا	جنگ میں بُری طرح شکست کھائی، اس لیے عبرت پکڑنی چاہیے تھی۔
عقل پر پتھر پڑنا	بے سمجھی کی بات کرنا	خدا جانے تمھاری عقل پر کیوں پتھر پڑ گئے ہیں کہ سیدھی سی بات بھی نہیں سمجھتے ہو۔
عقل کے ناخن لینا	ہوش کی بات کرنا	میاں! عقل کے ناخن لو، اپنے باپ سے لڑنے چلے ہو۔
عید کا چاند ہونا	کبھی کبھی نظر آنا	اخاہ! احمد صاحب، آپ تو عید کا چاند ہو گئے، عرصہ کے بعد آج دکھائی پڑے ہو۔
غصہ پینا	غصّے کو دبا لینا	مجھے اس کے کرتوت دیکھ کر غصّہ تو بہت آیا مگر میں اپنا غصّہ پی گیا۔
غَتر بُود کرنا	گڈ مڈ کرنا	تم نے تمام اشیا کو اس طرح غَتر بُود کر دیا ہے کہ پہچان دشوار ہوگئی ہے۔
فاختہ اڑانا	عیش کرنا، مزے کرنا	وہ وقت گیا جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب تو محنت سے کمانے کا زمانہ ہے۔
فرّاٹے بھرنا	تیزی سے گزر جانا	گاڑی فرّاٹے بھرتی ہوئی ہمارے پاس سے گزر گئی۔
قافیہ تنگ کرنا	عاجز کر دینا	بچّوں نے پے در پے سوال کر کے استاد کا قافیہ تنگ کر دیا۔
قلعی کھُل جانا	اصلیت ظاہر ہونا	بڑا شاعر بنا پھرتا تھا، آج مشاعرے میں قلعی کھُل گئی۔
قیامت ڈھانا	غضب کرنا	اس فلکِ ناہنجار نے ہم پر کیا کیا قیامتیں ڈھائی ہیں۔

قدم رنجہ فرمانا	تشریف لانا	آپ جب بھی لاہور آئیں، ہمارے یہاں ضرور قدم رنجہ فرمائیں۔
کافور ہونا	غائب ہوجانا	یہ تیل گرم کر کے مَل لیجیے، درد ابھی کافور ہوجائے گا۔
کاغذی گھوڑے دوڑانا	بہت خط کتابت کرنا	ہمارے دادا ابو سرکاری امور حل کرانے کے سلسلے میں کاغذی گھوڑے دوڑانے کے بہت شوقین تھے۔
کان کھڑے ہونا	چوکنا ہونا	بچّے کے منھ سے مرزا غالب کے اشعار سن کر سب کے کان کھڑے ہوگئے۔
گل کھلانا	عجیب کام کرنا	بات تو بہت شریف تھا مگر بیٹا آئے دن کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاتا رہتا ہے۔
گھوڑے بیچ کر سونا	بے فکری سے سونا	جوانی میں ہم بھی گھوڑے بیچ کر سویا کرتے تھے۔
گھی کے چراغ چلانا	خوشیاں منانا	ملک میں امن و امان ہوا تو لوگوں نے گھی کے چراغ جلائے۔
لٹو ہونا	فریفتہ ہونا	دُنیا کی چند روزہ دل کشی پر لٹو ہونا کہاں کی عقل مندی ہے!
ماتھا ٹھنکنا	پہلے سے برے آثار ظاہر ہونا	اُسے یہاں دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ کوئی نیا گل ضرور کھلنے والا ہے۔
مسیں بھیگنا	نوجوانی کا آغاز ہونا	ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے تھی، مسیں بھیگ رہی تھیں کہ موت کا پیغام آگیا۔
منھ دیکھتے رہ جانا	حیران رہ جانا	بھیڑیا چرواہے کے سامنے میمنا اٹھا کر لے گیا اور چرواہا منھ دیکھتا رہ گیا۔
مُنھ کی کھانا	شکست کھانا	میدانِ جنگ میں دُشمن نے منھ کی کھائی اور اسے میدان سے بھاگتے ہی بنی۔
مُٹھی گرم کرنا	رشوت دینا	ہمارے یہاں پولیس کا بہت برا حال ہے، کوئی کام مُٹھی گرم کیے بغیر نہیں ہوتا۔
موم کی ناک ہونا	غیر مستقل مزاج ہونا	یہ افسر موم کی ناک ہے، جو ماتحت بھی جاتا ہے، اپنی بات منوالیتا ہے۔
منھ میں پانی بھر آنا	جی للچانا	حلوائی کی دکان پر تازہ تازہ مٹھائی دیکھ کر اسلم کے منھ میں پانی بھر آیا۔
نو دو گیارہ ہونا	رفو چکّر ہونا	ڈاکو قافلے کو لوٹ کر نو دو گیارہ ہوگئے۔
وبالِ جان ہونا	مصیبت کا باعث ہونا	بری صحبت میں پڑنے کے باعث دونوں لڑکے والدین کے لیے وبالِ جان بنے ہوئے ہیں۔
وقت کاٹنا	وقت گزارنا	امیری ہو یا غریبی، بہرحال وقت کاٹنا پڑتا ہے۔
وارے نیارے ہونا	خوب فائدہ اٹھانا	ان دنوں تجارت پیشہ لوگوں کے وارے نیارے ہیں۔
ہاتھ بٹانا	مدد کرنا	گھر آ کر امّی کا ہاتھ بٹایا کرو۔
ہوا دینا	اکسانا	وہ پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا، تم معاملے کو مزید ہوا دے رہے ہو۔
ہاتھوں کے طوطے اڑنا	حواس باختہ ہونا	ماں نے بچّے کے گم ہوجانے کی خبر سنی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

ہوا سے باتیں کرنا	بہت تیز ہونا	کوچوان نے چابک دکھایا تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔
ہاتھ پاؤں مارنا	کوشش کرنا	بیچارے اسلم نے ملازمت کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔
یک جان، دو قالب ہونا	نہایت گہرے دوست ہونا	حامد اور محمود آپس میں یک جان، دو قالب ہیں۔
یاد اللہ ہونا	جان پہچان یا واقفیت ہونا	میرا اس سے آج کا تعلق نہیں، بہت پرانی یاد اللہ ہے۔
یدِ طولیٰ رکھنا	مکمل مہارت ہونا	حکیم محمد سعید طبی امور میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

ضرب الامثال

ضرب کے معنی ہیں بیان کرنا اور مَثَل کے معنی ہیں مِثال۔ ضرب المثل کے معنی ہوئے مثال دے کر بیان کرنا۔ ضرب المثل کو اردو میں مقولہ یا کہاوت بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسا جملہ ہے جو مثال کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس جملے میں جو بات کہی جائے اسے عالم گیر سچائی (Universal Truth) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ضرب الامثال یا کہاوتیں صدیوں کے تجربات اور انسانی زندگی کے لاتعداد مشاہدات کے جواہر پارے ہوتے ہیں اور انھیں علم و حکمت کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے۔

بیشتر ضرب الامثال کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ کب سے ہیں اور کیوں کر بنی ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ضرب الامثال کلام میں زور اور حسن پیدا کرتی ہیں۔ ہم اپنے طالب علموں کی سہولت اور استفادے کے لیے ذیل میں اردو ضرب الامثال کا مختصر سا انتخاب اور ان کا مفہوم اور محلِ استعمال پیش کرتے ہیں:

ضرب الامثال	مفہوم اور استعمال کا موقع محل
آپ کاج، مہا کاج	جو کام خود کیا جائے، وہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔
آ بیل مجھے مار	خواہ مخواہ کی لڑائی مول لینا۔
آپ آئے، بھاگ آئے	آپ کے آنے سے ہمارے نصیب جاگ اٹھے۔
آخ تھو کھٹے ہیں	کسی چیز کے حصول میں ناکامی ہو تو کھسیانا پن مٹانے اور شرمندگی دور کرنے کے لیے کہتے ہیں۔
آدمی کا شیطان آدمی ہے	آدمی کو آدمی ہی بہکاتا ہے۔
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں پھنس جانا۔
آج کا کام کل پر مت چھوڑو	آدمی جو کام آج کر سکتا ہو، اسے کل پر اٹھا نہ رکھو۔
اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا	اکیلا آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔
ایک ایک دو گیارہ	دو آدمی مل کر اکیلے کی نسبت کہیں زیادہ کام کر سکتے ہیں۔
ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کرتی ہے	ایک برا آدمی سارے خاندان کو بدنام کرتا ہے۔

الٹے بانس بریلی کو	الٹا کام کرنا۔
اندھوں میں کانا راجا	ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ جہاں بہت سارے بےوقوف ہوں اور ان میں ایک آدمی ذرا سی عقل رکھتا ہو۔
اندھا کیا جانے بسنت کی بہار	قدر ناشناس آدمی اچھی چیز کی قدر نہیں کرتا۔
اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی	اُس آدمی کی نسبت بولتے ہیں جس کی ہر بات انوکھی ہو۔
اونچی دکان، پھیکا پکوان	شہرت تو بہت زیادہ ہو مگر اصلیت کچھ بھی نہ ہو۔
ایک انار سو بیمار	اس وقت بولتے ہیں جب ایک چیز کے بہت سے خواہش مند ہوں۔
ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا	کسی برے آدمی کے لیے مزید برائی کا سبب پیدا ہونا۔
بوڑھی گھوڑی لال لگام	اس بوڑھی عورت کی نسبت بولتے ہیں، جو بڑھاپے میں بھی جوانی کے سے ناز نخرے کرے۔
بخشو بی بلّی، چوہا لنڈورا ہی بھلا	کسی کی بھلائی جب اصل میں برائی کی نسبت سے ہو تو اسے ٹالنے کے لیے بولتے ہیں۔
بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی	بد اپنی بدی کی سزا کسی نہ کسی دن ضرور پاتا ہے۔
بات کھٹائی میں پڑ گئی	کسی بات کا التوا میں پڑ جانا
بارہ برس دلّی میں رہے بھاڑ جھونکا کیے	مراد ہے کہ لائق لوگوں کی صحبت میں رہ کر بھی کچھ حاصل نہ کیا۔
باسی کڑھی میں ابال آیا	بے وقت جوش آنے کے وقت یہ بات کہتے ہیں۔
بد اچھا، بدنام بُرا	یعنی بدنام سے بدکار بہتر ہے۔
بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا	کسی قیمتی چیز کا بغیر کوشش کے اتفاقیہ ہاتھ آجانا۔
پاک رہو، بے باک رہو	ایمان دار اور دیانت دار کو کچھ ڈر یا خوف نہیں ہوتا۔
پنچ کہیں بلّی تو بلّی ہی سہی	بڑے آدمیوں کی بات کو مان لینا چاہیے۔
تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی	لڑائی جھگڑا یا محبت یک طرفہ نہیں ہوتی۔
تخم تاثیر، صحبت اثر	پاس اٹھنے بیٹھنے کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔
تو بھی رانی، میں بھی رانی، پھر کون بھرے گا پانی	سب برابری کا دعویٰ کریں تو پھر کام کیسے ہو۔
تو ڈال ڈال، مَیں پات پات	میں تجھ سے بھی ہوشیار ہوں۔
جتنی چادر دیکھو، اتنے پاؤں پھیلاؤ	آمدنی کے مطابق خرچ کرو۔
جس کی لاٹھی، اس کی بھینس	زور آور اور طاقت ور جیت جاتا ہے۔

جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں	زیادہ باتیں کرنے والے کام نہیں کرتے ہیں۔
جیسا کروگے، ویسا بھروگے	کام کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے۔
جیسا دیس، ویسا بھیس	جہاں رہیں، وہاں کے طور طریقے اختیار کریں۔
چراغ تلے اندھیرا	اس وقت بولتے ہیں جب کسی آدمی سے دور دور کے لوگ تو فیض حاصل کریں لیکن اپنے محروم رہیں۔
چور کی داڑھی میں تنکا	اپنا عیب خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔
چھوٹا منھ بڑی بات	معمولی آدمی کا حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا۔
حکمِ حاکم، مرگِ مفاجات	حاکم کا حکم اور موت دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کو ٹالا نہیں جا سکتا۔
حساب جو جو، بخشش سو سو	کوڑی کوڑی کا حساب ہونا چاہیے۔
خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں	خدا کا عذاب اچانک آتا ہے۔
خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے	صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے (خصوصاً بری صحبت کا)
خدمت سے عظمت ہے	کارگزاری ہی سے درجہ ملتا ہے۔
دل کو دل سے راہ ہوتی ہے	محبت دونوں طرف سے ہوتی ہے۔
دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی	پورا پورا انصاف، کھرا اور کھوٹا الگ الگ
دھوبی کا کتا، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا	آوارہ آدمی جو کسی کام کا نہ ہو۔
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے	جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو وہ تھوڑی سی مدد کو بھی غنیمت شمار کرتا ہے۔
رات گئی، بات گئی	موقع نکل جانے کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔
رسّی جل گئی، پر بل نہ گیا	تکلیف اٹھائی لیکن بری عادت نہ چھوڑی
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو	جس بات کا لوگوں میں عام چرچا ہو جائے، وہ عموماً سچی ہوتی ہے۔
سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے	جسے بہت تکلیف پہنچی ہو وہ معمولی چیز سے بھی ڈرتا ہے۔
سانچ کو آنچ نہیں	آخر کار سچ غالب رہتا ہے۔
سیکھ وا کو دیجیے جا کو سیکھ سہائے سیکھ نہ دیجیے باندرا جو گھر بئے کا جائے	نصیحت اس کو کرنی چاہیے جس کو نصیحت اچھی معلوم ہو، نہ کہ بندر کو جس نے بئے کا گھر تباہ و برباد کر دیا تھا۔
سدا ناؤ کاغذ کی نہیں بہتی	دھوکا یا فریب ہمیشہ نہیں دیا جا سکتا۔
شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں	کسی کے عدل و انصاف کی تعریف میں کہتے ہیں۔
شیخی اور تین کانے	پاس کچھ نہ ہونا مگر شیخی مارنا۔

صورت نہ شکل، بھاڑ سے نکل	بدصورت آدمی کی نسبت طنزاً کہتے ہیں۔
ضرورت ایجاد کی ماں ہے	ضرورت آدمی سے سب کچھ کرا لیتی ہے۔
طویلے کی بلا، بندر کے سر	بہت سے لوگوں کی آفت کسی اکیلے پر پڑنا۔
ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں	ظلم ہمیشہ نہیں ڈھایا جاسکتا اور خدا مظلوم کی ضرور سنتا ہے۔
عید پیچھے ٹرو	ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کام کا موقع ہاتھ سے نکل گیا ہو۔
عقل بڑی کی بھینس	دماغی قوت جسمانی قوت سے بہتر ہے۔
عقل کا اندھا، گانٹھ کا پورا	بے وقوف مال دار آدمی کی نسبت بولتے ہیں۔
غریب کی جورو، سب کی بھابی	غریب آدمی پر سب کا بس چلتا ہے۔
فقیر کی صورت ہی سوال ہے	حاجت مند کے چہرے ہی سے اس کا حال معلوم ہوجاتا ہے۔
قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے	عقل مند لوگوں کے بچے بھی عقل مند ہوتے ہیں۔
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو	جو کام آسانی سے ہوسکے، اسے مشکل سے نہیں کرنا چاہیے۔
لاد دے لدا دے، لادنے والا ساتھ دے	چیز بھی دے، اس کو لدوا بھی دے اور ایک آدمی بھی دے جو جاکر اتروا بھی دے۔ یعنی ہر طرح کا بوجھ دوسرے پر ڈالنے والا۔
مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہے	مفت چیز ملے تو پھر جائز و ناجائز کی کوئی پروا نہیں کرتا۔
ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ	بے جوڑ اور بے محل بات پر کہتے ہیں۔
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا	اپنی نالائقی اور کوتاہی کا الزام دوسرے کو دینا۔
نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی	ساری عمر گناہ کرتے رہنا اور اخیر عمر میں پارسا بن بیٹھنا۔
نو نقد نہ تیرہ ادھار	قرض کے تیرہ سے نقد کے نو اچھے
نہ رہے بانس نہ بجے بانسری	جب جھگڑے والی چیز ہی نہ رہے تو پھر جھگڑا کیسا؟
نیکی کر دریا میں ڈال	نیکی کر کے بھلا دینی چاہیے۔
ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور	مراد ہے ظاہر کچھ باطن کچھ
یہ منھ اور مسور کی دال	یہ شخص اس عزت اور کام کے لائق نہیں ہے۔
یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے	یہاں کے طور طریقے قطعی مختلف ہیں۔

علمِ بیان

تحریر وتقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علمِ بیان کہتے ہیں۔ علمِ بیان کی چار قسمیں ہیں: تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل اور کنایہ۔

۱ تشبیہ

بنانے سنوارنے سے ہر چیز خوب صورت نظر آنے لگتی ہے۔ در و دیوار پر رنگ نہ ہو تو گھر بے رونق معلوم ہوتا ہے۔ سادہ تصویر کو رنگین کر دیا جائے تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔ رنگین اور پھول دار کپڑے اسی لیے تو پسند کیے جاتے ہیں کہ ان میں بیل بوٹے اور طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ نثر کے مقابلے میں نظم پسند کرنے کی وجہ لفظوں کا خوب صورت استعمال اور اس میں مختلف صنعتوں کا استعمال ہے۔ صنعت کاری گری کو کہتے ہیں اور صنائع جمع ہے۔ صنائعِ لفظی، الفاظ کی کاری گریاں اور صنائعِ معنوی، معنی و مفہوم کی کاری گریاں اور حسن پیدا کرنے والے طریقے جیسے: تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ ایسی چیزیں ہیں جن سے عبارت میں آرائش کا کام لیا جاتا ہے۔ ان سے عبارت چمک اٹھتی ہے۔ فقروں میں حسن اور مضمون میں دل کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ اپنے روزمرہ میں ان سب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں، لیکن انجان آدمی پہچانتا نہیں۔ گھر کی صفائی اور کمرے کی سفیدی دیکھ کر مختلف حضرات مختلف انداز میں تعریف کرتے ہیں۔

۱۔ گھر کس قدر صاف ہے، واہ وا، سفید براق نظر آتا ہے۔ ۲۔ کمرہ آئینے کی طرح سفید ہے۔

۳۔ کمرہ کیا ہے آئینہ ہے۔

تینوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے، مگر غور کرنے سے مطلب ادا کرنے اور خیال واضح کرنے میں کچھ فرق نظر آئے گا۔ الفاظ کی ترتیب اور معنوں کی ادائیگی میں پہلا جملہ سادہ اور صفت موصوف کی ترکیب سے مرکب ہے۔ دوسرے جملے میں تشبیہ اور تیسرے میں استعارہ، تشبیہ اور استعارے سے عبارت میں حسن پیدا ہوتا ہے اور مضمون میں جان پڑ جاتی ہے۔

زید حاتم کی طرح سخی ہے۔	بکر شیر جیسا بہادر ہے۔
شمیم طوطے کی مانند رٹتا ہے۔	مجید کوے کی طرح سیانا ہے۔

ان جملوں کو اگر یوں تقسیم کر دیا جائے تو کچھ باتیں زیادہ اچھے طریقے سے ذہن میں آ جائیں گی۔

زید حاتم کی طرح سخی	بکر شیر جیسا بہادر
شمیم کا طوطے کی طرح رٹنا	مجید کوے کی طرح سیانا

زید کو حاتم، بکر کو شیر، شمیم کو طوطا اور مجید کو کوا کہا گیا ہے۔ زید بڑا سخی ہے اور حاتم بہت بڑا سخی تھا اور اس کی سخاوت بہت مشہور ہے۔ زید کی سخاوت سمجھانے یا اس کی بڑائی واضح کرنے کے لیے حاتم سے مشابہ بتایا گیا۔ اس عمل کو ''تشبیہ'' کہتے ہیں، یعنی کسی ایک چیز کو کسی مشترکہ خوبی یا برائی کی وجہ سے کسی دوسری چیز جیسا قرار دینا ''تشبیہ'' کہلاتا ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ "سخاوت" کی وجہ سے "زید" کو "حاتم" سے مشابہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیر بڑا دلیر اور بڑا بہادر ہوتا ہے' بکر کی بہادری کی تعریف میں اسے شیر کی مانند کہا گیا ہے۔

رٹنے میں طوطے اور سیان پن میں کوے کو شہرت اور امتیاز حاصل ہے۔ جب کسی طالب علم کی رٹنے کی صفت کو اجاگر کرنا ہو یا کسی کے سیان پن کی تصویر دکھانا ہو تو طوطے اور کوے کی مثال سے کام لیتے ہیں۔

ارکانِ تشبیہ:

(۱) مشبّہ (۲) مشبّہ بہ (۳) وجہِ شبہ (۴) حرفِ تشبیہ

مشبّہ: جسے تشبیہ دیں..... زید

مشبّہ بہ: جس سے تشبیہ دیں..... حاتم

وجہِ شبہ: وہ صفت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے۔ عام طور سے مشبہ بہ اس مخصوص صفت میں اتنا مشہور ہوتا ہے کہ سب کو معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے دوسری چیز یعنی مشبہ کو اس کے مانند بنا کر مشبہ کی ایک خاص صفت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

حرفِ تشبیہ: وہ کلمہ یا کلمے جو مشبہ اور مشبہ بہ کو ملائیں جیسے: مانند' جیسا' کی طرح' مثل "بچہ چاند جیسا خوب صورت ہے" اس فقرے میں:

بچّہ	مشبّہ	چاند	مشبّہ بہ	جیسا	حرفِ تشبیہ	خوب صورتی	وجہِ شبہ ہے

"کیا خوب صورت بچہ ہے' چہرہ چاند کی طرح گول اور چمک دار' گال گلاب جیسے سرخ' ہونٹ پنکھڑی کی مانند نازک۔"

ایک عبارت میں کئی مشبّہ اور مشبّہ بہ جمع ہو گئے ہیں۔

مشبّہ	وجہِ شبہ	مشبّہ بہ	حرفِ تشبیہ	مشبّہ	وجہِ شبہ	مشبّہ بہ	حرفِ تشبیہ
چہرہ	گولائی' چمک	چاند	کی طرح	گال	سرخی	گلاب	جیسے
ہونٹ	نزاکت	پنکھڑی	مانند				

میر کا شعر ہے:

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے — سخت دل تنگ یُوسُفِ جاں ہے

اور علامہ اقبالؒ کا مصرع ہے:

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا

گھر کو زندان' جان کو یوسفؑ اور مسلمان کو نشتر کہنا تشبیہ ہے۔ گھر اور زندان میں وجہ شبہ تاریکی ہے اور جان کو یوسفؑ سے تشبیہ دینے کی وجہ قید میں دل کی تنگی ہے اور مسلمان کو نشتر سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ باطل کو کاٹ دیتا ہے۔

۲ استعارہ

استعارہ: لغت میں عاریتاً لینے اور کچھ دیر کے لیے اُدھار مانگ لینے کو کہتے ہیں یعنی ہم نے ذیل میں دی گئی مثالوں میں لفظ ''شیر'' کو ''حضرت عباسؓ '' کے لیے اور لفظ ''چاند'' کو ''بیٹے'' کے لیے عاریتاً لے لیا۔

تعریف: کسی ایک چیز کو کسی مشترکہ خوبی، برائی یا نقص کی وجہ سے بعینہٖ دوسری چیز قرار دے دینا ''استعارہ'' کہلاتا ہے جیسے:

بہادر کو شیر۔ بزدل کو گیدڑ۔ شریر لڑکے کو شیطان کہنا۔ مثالیں:

۱۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے   رن ایک طرف، چرخِ کہن کانپ رہا ہے

۲۔ ماں کہتی ہے میرا چاند آیا۔

پہلی مثال میں جرأت وشجاعت کے باعث حضرت عباسؓ کو شیر کہا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا نام نہیں لیتی۔

سب جانتے ہیں کہ شیر ایک دلیر جانور کا نام ہے اور چاند ایک سیارہ ہے مگر ہم اصلی اور مجازی معنوں کا خیال کیے بغیر لفظ بعینہٖ دوسرے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

استعارہ کے ارکان: استعارے کے دو حصے یا دو اطراف ہوتے ہیں۔ ایک مستعارلہٗ اور دوسرا مستعارمنہٗ۔ شریر لڑکا مستعارلہٗ اور شیطان مستعارمنہٗ ہے۔ استعارے میں مستعارلہٗ کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ یہی اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح ''مستعارلہٗ'' اور ''مستعارمنہٗ'' میں مشترک بات یعنی ''وجہ جامع'' (جسے تشبیہ میں وجہ شبہ کہتے ہیں) بھی بیان نہیں کرتے۔ اگر مستعارمنہٗ وجہ جامع اور حرفِ استعارہ جیسی چیز بیان کردیں تو اسے تشبیہ کہیں گے۔

شعبِ صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں   بُلبُل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ میں

پہلے مصرعے میں آواز کے اتار چڑھاؤ اور اس کے جوڑ کو پھول کی پنکھڑیوں سے تشبیہ دی ہے اور حرفِ تشبیہ ''جیسے'' موجود ہے۔ دوسرے مصرعے میں حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو ''بلبل'' اور مجمع اہل بیت علیہم السلام کو ''ریاض'' (باغ) رسولؐ سے استعارہ کیا ہے۔

(الف) مستعارلہٗ: جس کے لیے استعارہ کیا جائے (تشبیہ میں اسے مشبہ کہتے ہیں) حضرت علی اکبرؓ جن کے لیے بلبل کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

(ب) مستعارمنہٗ: جس کا استعارہ کیا جائے (تشبیہ میں اسے مشبہ بہ کہتے ہیں) بلبل مستعارمنہٗ ہے۔

(ج) وجہ جامع: مستعارلہٗ اور مستعارمنہٗ میں پائی جانے والی مشترک خصوصیات۔

حضرت علی اکبرؓ کا اذان دینا اور بلبل کی خوش آوازی اور کشش ایک جیسی ہے۔

۳ مجازِ مرسل

تعریف: وہ لفظ جس کے مجازی معنی مراد ہوں مگر حقیقی اور مرادی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو۔

رستم سہراب کا باپ تھا۔   رستم نے لاہور میں انتقال کیا۔

چڑیا گھر میں شیر بھی ہے۔ شیر کا تیور دیکھا تو سب ڈر گئے۔

رستم: (۱) ایران کا پہلوان تھا' جوزال کا بیٹا اور سہراب کا باپ تھا۔ (۲) بہت بہادر آدمی۔ وہ بہادر جس کے مقابلے میں کوئی نہ ٹھہر سکے۔

شیر: (۱) ایک درندہ جانور جو سب جانوروں سے زیادہ بہادر اور خوف ناک ہوتا ہے۔ (۲) بہادر آدمی' نڈر انسان' رعب داب رکھنے والا۔

گدھا: (۱) مضبوط جفاکش بار بردار چوپایہ۔ (۲) بے وقوف آدمی' جاہل' کندۂ ناتراش۔

مذکورہ بالا لفظوں میں ہر لفظ کے دو معانی درج ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ کو شروع شروع میں صرف ایک معنی کے لیے استعمال کیا گیا۔ رفتہ رفتہ لوگ اسے دوسرے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے۔ لفظ جب پہلے معنوں میں استعمال ہو تو یہ استعمال ''حقیقت'' کہلاتا ہے اور جب دوسرے معنوں میں استعمال ہو تو ''مجاز'' ہے۔

(۱) یونین کی صدارت تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ (۲) ہم آپ کی چشمِ عنایت کے محتاج ہیں۔

(۳) ایک گلاس ہمیں بھی دیجیے۔

ہاتھ :	جسم کا ایک جزو (حقیقی معنٰے)	قدرت و امکان (مجازی معنٰے)
چشم :	آنکھ (حقیقت)	توجہ (مجاز)
گلاس :	ایک برتن کا نام (حقیقت)	پانی (مجاز)

کلمات کا یہ استعمال ''مجازِ مرسل'' ہے۔

چشمِ کرم - دستِ عنایت

کرم کی آنکھ اور عنایت کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ نہ آنکھ اور ہاتھ کے ساتھ کرم یا عنایت کو تشبیہ دی جا سکتی ہے' مگر آنکھ سے توجہ اور ہاتھ سے سخاوت ہوتی ہے اور توجہ وصفت سخاوت سے احسان ہوتا ہے۔ اس سبب سے دونوں لفظوں کے مجازی معانی مراد لیے گئے ہیں۔ یونین کی صدارت تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ یہاں کل (ہاتھ) بول کر اس کا اثر یعنی قابو مراد لیا گیا ہے۔

ایک گلاس ہمیں بھی دیجیے..... یہاں ظرف (گلاس) بول کر مظروف یعنی پانی مُراد لیا گیا ہے۔

پروفیسر سے ملیے..... یہاں ایم۔اے کے طالب علم کو پروفیسر کہنا مستقبل کی امید کے تعلق سے ہے۔

تحصیل دار آئے تھے..... ریٹائرڈ تحصیل دار کی آمد کی خبر دیتے ہوئے یہ جملہ عام ہے۔ مراد یہ ہے کہ ماضی میں جو تحصیل دار تھے وہ آئے تھے۔

مجازِ مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہیں' کل بول کر جزو مراد لینا۔ جزو بول کر کل مراد لینا۔ مسبب کی جگہ سبب اور سبب کی جگہ مسبب بولنا۔ اسی طرح ظرف کی جگہ مظروف اور مظروف کی جگہ ظرف بولنا۔ مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

(الف) جزو کہ کر کل مراد لینا: مثلاً یہ کہیں کہ ''زندگی دو دن کی ہے'' زندگی کو فانی سمجھتے ہوئے دو دن کی کہا۔ زندگی طویل بھی ہو سکتی ہے سو سال کی بھی ہو سکتی ہے۔ اسے دو دن کی زندگی کہا گویا جزو کہ کر کل مراد لیا۔

(ب) کل کہ کر جزو مراد لینا: بچے کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر کہتے ہیں۔'' بیٹے! چھری رکھ دو کہیں ہاتھ نہ کٹ جائے۔'' ہاتھ تو نہیں کٹتا البتہ ہاتھ کے کسی حصے پر زخم لگ سکتا ہے۔ گویا کل کہ کر جزو مراد لیا۔ جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے دنیا دیکھی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے دنیا کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔

(ج) سبب کہ کر نتیجہ مراد لینا: مثال کے طور پر یہ کہیں کہ بادل خوب برسا۔ یہاں بادل سبب ہے اس کا نتیجہ بارش ہے' کیوں کہ بادل نہیں برستا بلکہ بارش ہوتی ہے۔ گویا بادل کہ کر بارش مراد لی' یعنی سبب کہ کر مسبب یا نتیجہ مراد لیا۔

(د) مسبب کہ کر سبب مراد لینا: مثلاً یہ کہیں کہ'' آگ جل کر رہی ہے۔'' آگ نہیں جلتی بلکہ لکڑی جلتی ہے۔ یہاں آگ مسبب ہے اور لکڑی سبب۔ گویا ذکر ہم نے آگ (مسبب) کا کیا اور مراد لکڑی (سبب) تھی۔

۴ کنایہ

کنایہ کے معانی ہیں اشارے سے بات کہنا اور کنایہ کی تعریف ہے:'' کسی لفظ سے ایسی بات مراد لینا جو اس کے معنوں کو لازم ہو۔'' مثلاً

شُترِ بے مہار: زبان دراز۔ بے ہودہ باتیں کرنے والا۔

پیٹ کا ہلکا: راز کی بات کہ دینے والا۔

'' شُترِ بے مہار'' کا معنی ہے'' وہ اونٹ جس کی نکیل نہ ہو۔'' دوسرے مرکب کا معنی ہے'' پتلے اور ہلکے پیٹ والا آدمی'' لیکن جب ان کلمات سے ایسے معانی مراد لیے جائیں جو ان کے اصلی معنوں کے لیے لازمی یا صفاتی ہیں تو اس لفظ یا کلمے یا مرکب کو کنایہ کہیں گے۔ جب اونٹ کے نکیل نہ ہوگی تو لازماً وہ بلبلاتا پھرے گا۔ ہلکے پیٹ کی لازمی صفت یہ ہوگی کہ کوئی چیز اس میں نہ ٹھہرے گی۔ علمِ بیان کی یہ بہت اچھی صفت ہے جس سے بیان میں لطف پیدا ہوتا ہے اور بات واضح طور پر بیان بھی نہیں ہوتی۔

مرزا غالب کا شعر ہے:

کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد مَے ہے' یہ مگس کی قَے نہیں ہے

قدح : پیالہ' مراد شراب (مجازِ مرسل)

مگس : مکھی' شہد کی مکھی

مگس کی قَے : شہد کے معنوں میں کنایہ

غالب کا ہی ایک شعر ہے:

صبح آیا جانبِ مشرق نظر اک نگارِ آتشیں رخ' سر کھلا

دُوسرا مصرع آفتاب کے لیے کنایہ ہے' شاعر نے ایک چیز کے لیے بہت سی صفتیں بیان کر دی ہیں:

(۱) مشرق میں نظر آیا۔ (۲) صبح کا وقت۔ (۳) چہرہ گرم اور سرخ ہونا۔

(۴) سر جس پر کوئی پردہ نہ ہو اور بال کھلے اور پریشان ہوں۔ یہ کلیہ ہے کہ کنایہ ہمیشہ وضاحت کرنے سے زیادہ لطف دیتا ہے۔

صنائع بدائع

اصطلاح میں علمِ صنائع بدائع اُس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین وتزئین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ صنائع بدائع کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل کی سطور میں کیا جاتا ہے:

۱ تلمیح

کسی بات کو اچھی طرح سمجھانے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ اسے کہانی یا گذشتہ سنے اور دیکھے ہوئے واقعے کے حوالے سے واضح کیا جائے۔ یہ وضاحت دو طرح سے ہوتی ہے۔ پہلے یہ سننے والے کو پورا قصہ سنایا جائے پھر اس سے موجودہ صورت حال کی مطابقت سمجھائی جائے۔ اس کے بعد نتیجے کی یکسانیت پر روشنی ڈالی جائے یا دوسرے یہ کہ اس قصے کی جانب محض اشارہ کر دیا جائے اور نتیجے کی یکسانیت واضح کی جائے۔ مثالیں:

(ا) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اللہ کے بڑے بلند مرتبہ رسول تھے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے اور سچی راہ دکھاتے تھے۔ ایک مرتبہ نمرود نے آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لکڑیوں سے میدان بھر کر آگ لگوائی۔ جب لکڑی جل چکی اور انگارے دہکنے لگے تو بادشاہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص اہتمام سے آگ میں پھینک دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس میدان میں آگ کے بجائے چمن لہلہانے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی تکلیف کے بغیر وہاں سے نکل آئے۔

اس واقعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا عقیدہ پکا اور خدا پر بھروسا ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسان کو اپنے مقصد سے عشق اور خلوص ہو تو دنیا کی مصیبتوں کا کیا ذکر ہے آگ بھی گلزار بن سکتی ہے۔ ہاں عشق صادق اور ارادہ پختہ نہ ہو تو آدمی ہمیشہ بحث مباحثہ اور دعوے دلیل ہی میں الجھا رہتا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اس طویل عبارت اور لمبی چوڑی تقریر کو علامہ اقبالؒ نے دو مصرعوں میں لکھا اور مذکورہ بالا واقعہ بیان کیے بغیر واضح کر دیا:

ے بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

''آتشِ نمرود میں کودنا'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان اور عشقِ الٰہی میں پختگی کے مشہور امتحان کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ آپ نے پڑھا ہے اور سب کو معلوم ہے۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے بہت پیارے بیٹے تھے یہ محبت بھائیوں کو ناپسند تھی۔ ایک مرتبہ سب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے خلاف سازش کی اور انھیں سیر وتفریح کے بہانے گھر سے لے جا کر ایک کنویں میں ڈال دیا۔ واپس آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام سے جھوٹ موٹ کہہ دیا: ''یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔'' حضرت یعقوبؑ یہ خبر سن کر نڈھال ہو گئے، مدتوں روتے رہے گھر اجڑ گیا۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام بے حد مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ غلام بنائے گئے بازار میں بیچے گئے قید و بند میں رہے۔

اسی طرح کی مصیبتیں حامد پر گزر رہی ہیں۔ عزیزوں اور بھائیوں نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے:

''حامد بھرے پُرے خاندان کا آدمی ہے مگر وہ سب برادرانِ یوسفؑ ہیں۔'' اس حُسنِ بیان اور خوب صورتی کا نام تلمیح ہے۔

تلمیح: نظم ونثر میں ایک لفظ یا چند مختصر الفاظ کے ذریعے سے کسی مشہور آیت، روایت، واقعے یا تاریخی سانحے کی طرف اشارہ کرنا۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

کوہِ طور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے کلام کرتے تھے۔ایک دن آپ نے امت کے کہنے سے اللہ کے حضور درخواست کی کہ مجھے اپنا دیدار عطا فرمائیے۔ جواب ملا ''لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی'' (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے' لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہ گیا تو پھر دیکھ سکو گے) اس کے بعد ایک چمک ہوئی' پہاڑ سرمہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔قرآن مجید میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔اردو میں بہت سی تلمیحوں کے حوالے سے: ارنی۔لن ترانی۔ کوہِ طور۔تجلّی۔تجلّی کی تاب نہ لانا۔طورِ سینا۔مناجاتِ موسیٰ علیہ السلام۔آرزوئے دیدار۔برقِ طور وغیرہ تلمیحات اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ابنِ مریمؑ ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی (غالبؔ)

عیسیٰ علیہ السلام' بیماروں کو چھو لیتے تو مرض جاتا رہتا تھا' مردے کو ''قم باذنِ اللہ'' (اللہ کے حکم سے اٹھ بیٹھ) فرمایا تو مردہ زندہ ہو گیا۔ اس بات کے لیے بہت سی تلمیحیں استعمال ہوتی ہیں۔عیسیٰ نفس۔دمِ عیسیٰ۔اعجازِ مسیحا۔

اک کھیل ہے ''اورنگِ سلیمان'' مرے نزدیک اِک بات ہے ''اعجازِ مسیحا'' مِرے آگے

اورنگِ سلیمانؑ: حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے محبوب نبی تھے۔آپ وہوا' جن و بشر' خشک و تر کی بادشاہت ملی ہوئی تھی' پرندوں کی بات سمجھتے اور جنات پر حکومت کرتے تھے۔آپ کا تخت (اورنگ) ہوا لے کر چلتی تھی۔آپ کے پاس ایک انگوٹھی تھی اور انگوٹھی میں ایک نقش تھا جس کے اثر سے جن و پری آپ کے فرماں بردار تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق یہ تلمیحات ہیں۔

نقشِ سلیمانؑ۔تختِ سلیمانؑ۔ہدیہ مُورِ سلیمانؑ۔چیونٹی اور سلیمانؑ۔بلقیس و سلیمانؑ۔ہُدہُد اور سلیمانؑ۔

آبِ حیات: (آبِ حیوان چشمۂ حیواں' آبِ بقا) کہتے ہیں کہ طویل اور تاریک راستے کے بعد ایک چشمہ ہے جس کا پانی پینے والا کبھی نہیں مرتا۔ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام سے سکندر نے وہاں جانے کی خواہش کی۔آپ نے فرمایا' میں تجھے وہاں لیے تو چلتا ہوں لیکن کچھ شرطیں ہیں۔سکندر نے شرطیں مان لیں' لیکن جب ظلمات میں داخل ہوا تو ہمت ہار گیا اور راستے ہی سے واپس آ گیا۔حضرت خضر نے چشمے پر پہنچ کر پانی پیا۔ اس لیے خضر و سکندر کا ذکر راہنمائی' سکندر کا چشمۂ آبِ حیات سے پیاسا پلٹنا وغیرہ کو تلمیحات کی حیثیت حاصل ہے۔

صبرِ ایوبؑ۔نالۂ یعقوبؑ۔نغمۂ داؤدؑ۔ملکِ سلیمانؑ جیسی بے شمار تلمیحیں گذشتہ پیغمبروں اور پرانی اُمتوں کے واقعات سے متعلق رائج ہیں۔

خیبر شکن: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کی جنگ میں یہودیوں کے قلعے قموص کو فتح کیا اور قلعے کا بہت بھاری دروازہ توڑا اور اپنے ہاتھ سے اٹھا کر پھینک دیا۔اس جنگ میں مرحب و عنتر نامی بہادروں کو تلوار سے قتل کیا۔علامہ اقبالؒ کے ذیل کے شعر میں مرحبی' عنتری' حیدری جیسی تلمیحات سے مذکورہ حقائق مراد ہیں۔

؎ نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے وہی فطرتِ اسد اللّٰہی' وہی مرحبی' وہی عنتری

کربلا' ذبحِ عظیم: امام حسینؓ دس محرم ۶۱ھ کو کربلا نامی میدان میں یزید کے حکم سے شہید کر دیے گئے۔اس واقعے سے تعلق رکھنے والی بہت سی تلمیحات اردو میں استعمال ہوئی ہیں۔مثلاً شاہِ شہیداں' شامِ غریباں' صبحِ عاشور وغیرہ۔

گنج بخش: جناب سید علی ہجویریؒ کی کرامت اور گنج شکر بابا فرید الدینؒ کی کرامت و عطا کی تلمیح ہے۔

مذہبی تلمیحات کے علاوہ لیلےٰ' مجنوں۔شیریں' فرہاد۔سسّی' پنوں۔ہیر رانجھا۔محمود و ایاز۔مانی و بہزاد۔لنکا ڈھانا۔ہفت خواں رستم۔

جامِ جمشید۔ تیشہ و فرہاد۔ آئینۂ سکندری۔ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ ٹیڑھی کھیر۔ جون پور کا قاضی بھی تلمیحات کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔

۲ صنعتِ تضاد

دھوپ اور چھاؤں، چاندنی اور اندھیرا، سیاہ اور سفید کو یکجا دیکھیے کیا لطف نظر آتا ہے! اسی طرح لفظوں اور معنوں کو ربط دیا جائے تو عبارت رنگین اور شعر خوب صورت ہو جاتا ہے۔ محمد حسین آزادؔ شہاب الدین غوری کی فوجی گشت کے سواروں کے گرفتار کردہ چند گھسیاروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سب کے سب جنگلی گنوار تھے، مگر دو بڑھے ہوشیار اور تجربے کار نکلے۔'' چھوٹے سے جملے میں ''جنگلی گنوار اور ہوشیار، تجربے کار۔'' کے لطف پر غور کرنا چاہیے۔ یہ لطف متضاد الفاظ و معانی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

''اللہ نے دن کام اور رات آرام، صبح جاگنے اور شام سونے کے لیے بنائی ہے۔''

دن۔ رات۔ صبح۔ شام۔ کام۔ آرام۔ سونا۔ جاگنا۔ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

؎ سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں (اقبالؔ)

اس شعر میں سکون اور تغیر دو متضاد لفظ آئے ہیں اس لیے اس میں 'صنعتِ تضاد' ہے۔

؎ ایک سب آگ ، ایک سب پانی دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں (میر تقی میرؔ)

۳ حُسنِ تَعْلِیل

دنیا میں ہر بات کسی وجہ سے ہوتی اور ہر واقعے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ کسی کو سبب معلوم ہوتا ہے لیکن بعض اوقات کوئی اصل سبب سے ناواقف ہوتا ہے اور از خود کسی چیز کو علّت (وجہ) قرار دے دیتا ہے۔ مثلاً شمع بجھ جائے تو دھواں اٹھنے کا اصل سبب نامکمل طور پر جلنا ہے مگر مرزا غالبؔ کے خیال میں اصل علّت اور بنیادی سبب کچھ اور ہے:

؎ شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

میرے مرنے کے بعد ''شعلۂ عشق'' جو سرخ اور رنگین لباس پہنتا تھا، کالے کپڑے پہننے لگا آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ معمولی بات ہے کہ شمع بجھ گئی لہٰذا دھواں چھا گیا۔ نہیں یہ اتنی سرسری بات نہیں ہے:

؎ پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فُرات کی (میر انیسؔ)

ساحل سے موجوں کا ٹکرانا دیکھ کر انیس نے ایک علّت یا وجہ بیان کی کہ سپاہِ خدا یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کے جاں نثار مجاہد تین دن سے پیاسے تھے۔ ان کے غم اور ان تک نہ پہنچنے کی شرم سے فرات کی موجیں ساحل سے سر ٹکرا رہی تھیں۔ وہ شدتِ غم اور انتہائی مایوسی کے عالم میں تھیں۔ اس حسین اندازِ بیان اور اظہارِ خیال کو ''حُسنِ تعلیل'' کہتے ہیں۔

حُسنِ تعلیل کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

''کسی بات کی ایسی خوش نُما اور شاعرانہ وجہ بیان کرنا جو حقیقت میں اصلی وجہ نہ ہو۔''

ے زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بکف   قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا! (غالبؔ)

سائنس میں پھول کے زیرے کی زردی کا کوئی بھی سبب ہو شاعر کے خیال میں اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ قارون اپنے سونے کے خزانے سمیت زمین میں دھنس گیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دولت محفوظ رہی مگر ایسا نہ ہوا' جو گلی زمیں سے ہو کر شاخ پر آتی ہے اس کی مٹھی میں سونا ہوتا ہے اور پھول وہ سونا ہتھیلی پر رکھ کر سب کو دکھاتا ہے۔

ے سب کہاں ؟ کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہوگئیں   خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں (غالبؔ)

یعنی آپ جانتے ہیں کہ لالہ و گُل اور رنگارنگ پھولوں میں یہ حسن کہاں سے آیا؟ بات یہ ہے کہ سیکڑوں حسین چہرے قبر کے اندر اور زمیں کی تہ میں جا چکے ہیں' ان چہروں میں سے تھوڑے سے چہروں کے جلوے ہیں جو لالہ و گُل کی صورتوں میں آ گئے ہیں۔ پھولوں کے حسن کو دفن شدہ حسین صورتوں کا پرتو بتانا حسنِ تعلیل ہے۔

۴ مراعاۃُ النَّظیر

''نسیمِ سحر کلیوں کو چھیڑتی' چڑیوں کو گدگداتی' ٹہنیوں کو ہلاتی' پتیوں کی تالیاں بجاتی چلی' کلیاں کھلیں' پھول مہکے' چڑیاں اڑیں' بلبل چہکی' فضا خوشبو اور طائروں کے نغموں سے بھر گئی۔''

ے یہ ہلال' آب ہے تیغِ خم دار کی   یہ ستارہ' چمک بختِ بیدار کی

تعریف: ''ایک ہی مضمون سے تعلق رکھنے والے مناسب الفاظ کو سلیقے سے استعمال کیا جائے تو پڑھنے اور سننے میں عبارت اچھی لگتی ہے' اسے مراعاۃ النظیر کا نام دیا جاتا ہے۔'' مثالیں ملاحظہ ہوں۔

باغ کے تذکرے میں رَوِش' تختہ' سرو و چمن' گُل و بلبل' خار و خس' پھول اور کلی' سبزہ اور درخت آئیں تو اس صفت کو مراعاۃ النظیر کہیں گے۔

ے رات چھنکاتی ہے تارے' صبح برساتی ہے نور   موسمِ باراں بچھا دیتا ہے سبزہ دُور دُور

اس شعر میں رات' تارے' نور' باراں' برساتی۔ ایک ہی مضمون سے تعلق رکھنے والے الفاظ ہیں۔ اس میں صنعتِ مراعاۃ النظیر مستعمل ہے۔

مراعاۃ النظیر کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں:

''کلام میں ایسے الفاظ کو جمع کرنا جن میں باہمی مماثلت اور مناسبت ہو' تضاد نہ ہو'' جیسے:

ے رَو میں ہے رخشِ عمر' کہاں دیکھیے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے' نہ پا ہے رکاب میں

شعر کے تمام کلمات گھوڑے کے مناسبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ رو' تھمنا' ہاتھ' باگ' پا' رکاب۔

انشا پردازی

خطوط نویسی

ہدایات

خط ایک تحریری ملاقات ہے جس سے ہم اپنے اپنے حالات ایک دوسرے کو بتاتے ہیں۔ اسی وجہ سے خط کو "نصف ملاقات" کہا جاتا ہے۔ اگر چہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پاتے، مگر اپنے اور دوسروں کے حالات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ خط لکھتے وقت ان ہدایات پر عمل کریں:

(۱) خط کے آغاز میں پیشانی پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھیے۔

(۲) خط لکھتے وقت یوں سمجھیے کہ آپ جسے خط لکھ رہے ہیں وہ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور آپ کی باتیں غور سے سن رہا ہے۔ اس لیے اس کے بڑے یا چھوٹا ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کرنی چاہیے۔

(۳) جو کچھ آپ لکھنا یا کہنا چاہتے ہیں وہ مختصر الفاظ میں لکھیں تا کہ اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ ہو۔

(۴) خط میں کوئی فضول بات نہ لکھیں۔ مطلب کی باتیں لکھیں اور جو کچھ لکھیں صاف اور خوش خط لکھیں۔

(۵) خط کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں مرتب کرنا چاہیے۔ لمبے فقرے اکثر الجھن کا باعث ہوتے ہیں۔ تحریر میں بھدا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

(۶) اسلوبِ بیان شگفتہ اور بے تکلف ہو۔

(۷) علّامہ اقبالؒ نے کیا خوب کیا ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے ، اثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

چنانچہ ایک تو خط میں صرف کام کی باتیں لکھنی چاہئیں ، دوسرے تکرار سے بچنا چاہیے اور تیسرے طوالت سے گریز کرنا چاہیے۔

(۸) خط کا نفس مضمون ایک ہی پیراگراف کے بجائے حسب ضرورت ایک سے زیادہ پیراگرافوں میں تقسیم ہو تو وہ نظر پر بوجھ نہیں بنتا۔

(۹) املا و انشا درست ہو اور حتی الوسع کاٹ چھانٹ سے بچنا چاہیے۔ طلبہ کی رہنمائی کے لیے چند نمونے کے خط شامل کیے جاتے ہیں۔ انھیں بغور پڑھیے اور پھر اسی انداز میں خط لکھنے کی کوشش کیجیے:

(۱۰) خط کی پیشانی کے دائیں طرف اپنا مختصر پتا لکھیے جیسے:

(۱۱) ۲۹۱۔ شاد باغ، منڈی بہاء الدین

اس کے نیچے تاریخ درج کیجیے جیسے: ۵ رفروری ـــ ۲۰ء

نوٹ: عربی زبان میں خط کو مکتوب، لکھنے والے کو کاتب اور جسے خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ کہا جاتا ہے۔

خط کے حصے

عموماً خط مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) مقامِ روانگی اور تاریخ (۲) القاب (۳) آداب وتسلیمات (۴) خط کا مضمون (۵) اختتامِ مکتوب

(۶) کاتب یا خط لکھنے والے کا نام اور پتا (۷) مکتوب الیہ کا پتا

القاب وآداب

مکتوب الیہ	القاب وآداب	خاتمہ
والد	محترم ابا جان! السلام علیکم!	آپ کا بیٹا
والدہ	محترمہ امی جان! السلام علیکم!	آپ کا بیٹا
چچا	محترم چچا جان! السلام علیکم!	آپ کا بھتیجا
چچی	محترمہ چچی جان! السلام علیکم!	آپ کا بھتیجا
ماموں	محترم ماموں جان! السلام علیکم!	آپ کا بھانجا
ممانی	محترمہ ممانی جان! السلام علیکم!	آپ کا بھانجا
خالو	محترم خالو جان! السلام علیکم!	آپ کا فرمانبردار
خالہ	محترمہ خالہ جان! السلام علیکم!	آپ کا فرمانبردار
استاد	استادِ محترم! السلام علیکم!	آپ کا شاگرد
دوست	سید بھائی، چودھری بھائی، پیارے دوست! السلام علیکم!	آپ کا صادق
بڑا بھائی	محترم بھائی جان! السلام علیکم!	آپ کا ننھا بھائی
چھوٹا بھائی	پیارے بھائی! السلام علیکم! عزیزم!	آپ کا دعا گو
بڑی بہن	پیاری آپا جان! السلام علیکم!	آپ کا عزیز بھائی
چھوٹی بہن	پیاری بہن! السلام علیکم! منّی آپا!	آپ کا بھائی
سہیلی	عزیز سہیلی، پیاری سہیلی، سلمیٰ باجی، پیاری عظمیٰ! السلام علیکم!	آپ کی سہیلی
اجنبی	مکرمی! محترمی! شیخ صاحب! سید صاحب! مکرم بندہ! السلام علیکم!	نیازمند! خاکسار! خیر اندیش! آپ کا مخلص! بہی خواہ! خیر طلب

نمونے کے چند خطوط

۱ والد کے نام

(سکول میں امتحانی نتیجہ کی روداد بیان کرنا)

۹۲۔ واسا کالونی۔ لاہور

یکم اپریل ــــ۲۰ء

محترم ابّا جان! السلام علیکم!

مبارک ہو۔ یکم اپریل آئی' میری کامیابی کی خوش خبری لائی۔ بے رنگ سا سکول پہنچا۔ سکول کا وسیع صحن طلبہ سے بھر پور تھا۔ اساتذہ کرام تشریف لا رہے تھے۔ نو بج چکے تو ہیڈ ماسٹر صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ ہر جماعت کی قطار لگ گئی' مگر دل دھڑک رہے تھے۔ معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلے۔ پاس ہیں یا فیل یا زیرِ غور۔ خدا خدا کر کے نتیجے کی فہرستیں اساتذہ کو ملیں وہ خراماں خراماں اپنی اپنی جماعت میں گئے۔ نتیجہ سنایا۔ پاس ہونے والے طلبہ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ ناچتے تھے' گاتے تھے' تکبیر کے نعرے لگاتے تھے۔ کبھی سکول زندہ باد کا نعرہ لگتا' کبھی ہیڈ ماسٹر صاحب زندہ باد کا نعرہ بلند ہوتا۔ کوئی آدھ گھنٹا یہی کھیل ہوتا رہا۔ آخر سب لڑکے سکول سے نکل گئے۔ صرف نویں جماعت بیٹھی تھی جو ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اٹھے تو ہمارے دل مضطرب تھے۔ انھوں نے نتیجہ سنائے بغیر پاس ہونے والے طلبہ کو مبارک باد کہی اور فیل ہونے والے طلبہ کو مایوسی سے نکال کر آیندہ سال زیادہ محنت کر کے اچھے نمبروں میں پاس ہونے کی نصیحت کی۔ پھر نتیجہ سنایا۔ ہمارے سیکشن کے پانچ لڑکے فیل ہوئے اور باقی ہم سب پاس۔ ہماری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ اچھلنے' کودنے' ناچنے کو جی چاہتا تھا' مگر پاسِ ادب سے خاموش اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ فیل ہونے والے طلبہ گردنیں جھکائے' منھ لٹکائے سکول سے نکل گئے۔

پیارے ابّا جان! یہ سب آپ کی اور امّی جان کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ ان شاءاللہ دسویں جماعت امتیاز کے ساتھ پاس کروں گا اور وظیفہ حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کروں گا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں۔

امّی جان کو سلام۔ تنزیلہ کو دعا۔

آپ کا بیٹا

محمد سعد اسلم

۲ والدہ کے نام

(موسمِ گرما کی تعطیلات کا ذکر)

۲۶۲۔ محمد نگر، لاہور

۲۰ رمئی ــــ۲۰ء

محترمہ امّی جان! السلام علیکم!

میں نے ۱۳ر اپریل کو آپ کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ آج تک انتظار کر رہا ہوں کہ آپ کا گرامی نامہ آئے تو جواباً کچھ عرض کروں' مگر منتظر ہی رہا۔ اب مئی کا مہینا ختم ہونے کو ہے اور جون کی آمد آمد ہے۔ یہ مہینا خصوصی طور پر گرم ہوتا ہے۔ اسی لیے موسمِ گرما کی تعطیلات اس مہینے

میں ہوا کرتی ہیں۔ امید ہے دس بارہ تاریخ تک تعطیلات ہو جائیں گی اور میں فوراً آپ کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کروں گا اور گھر آ کر ابا جان کا ہاتھ بٹاؤں گا اور کاشت کاری میں ان کی مدد کروں گا۔ مجھے ہر وقت آپ کی صحت کا خیال رہتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قائم رہے اور ہم آپ کی دعاؤں کی برکت سے اس قابل ہو جائیں کہ ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں۔ میں ہر نماز میں آپ کے لیے دعائیں مانگتا ہوں۔ آپ کی دعاؤں نے مجھے دسویں جماعت میں پہنچایا ہے اور آیندہ بھی میری ترقی میں رفیق رہیں گی۔ زیادہ آداب!

آپ کا بیٹا

ارشد محمود ناشاد

۳ بڑے بھائی کے نام

(خط لکھنے کا تقاضا کرنا)

۷۸۶۔ ماڈل ٹاؤن، راول پنڈی

۱۵ رفروری ـــ ۲۰ء

محترم بھائی جان! السلام علیکم!

آپ کو گھر سے گئے ہوئے ایک مہینا ہو گیا ہے۔ مگر آپ نے اپنی خیریت کا ایک خط بھی نہیں بھیجا۔ والدہ صاحبہ بہت پریشان اور فکر مند ہیں۔ خدا کرے کہ آپ بہ خیر و عافیت ہوں اور ہم لوگوں کی یاد آپ کو بے قرار کرتی رہے۔

ابا جان بھی فکر مند ہیں۔ ننھا اکو جو ابا ابا کی گردان سے تھکتا نہیں بسا اوقات آپ کی تصویر کارنس سے اتار لیتا ہے اور سارے گھر میں لیے پھرتا ہے۔ پرسوں آپا جان آئی تھیں، آپ کا پوچھتی رہیں۔ رات دلھا بھائی بھی آ گئے اور آج وہ اپنے گھر چلی گئیں۔

اگر آپ کا خیریت نامہ جلد نہ آیا تو ابا جان کو آیا سمجھیے اور پھر ان کی خفگی آپ کی لیت و لعل کے لیے آفت بن جائے گی۔ وہ آپ کا کوئی عذر قبول نہیں فرمائیں گے۔ پس خیریت اسی میں ہے کہ اپنی خیریت سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔ زیادہ آداب!

آپ کا بھائی

عبدالعزیز ساحر

۴ آپا کے نام

(دسمبر کی چھٹیاں ایک ساتھ گزارنے کے لیے)

۲۰۰ / اے۔ غلام محمد آباد، فیصل آباد

۲۰ رنومبر ـــ ۲۰ء

محترم آپا جان! السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، پڑھا، امی جان کو سنایا، ابا جان نے بھی پڑھا، سب خوش ہوئے اور آپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعائیں کیں۔ اچھی آپا! آپ نے اپنی خیریت تو لکھی، مگر دلھا بھائی کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دورے پر ہیں۔ اگر گھر پر ہوتے تو آپ ضرور لکھتیں۔

اچھا تو اب سعد سکول جانے لگا ہے یا نہیں؟ پیاری بہن! بچوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر بہترین آدمی بنیں ۔ ملک کو قابل آدمیوں کی بے حد ضرورت ہے۔ خاندان اور قبیلے کا نام اسی سے روشن ہوتا ہے اور یہی روشنی تمام متعلقین کی آنکھوں کے نور کو بڑھاتی ہے۔

دسمبر کی چھٹیوں میں آپ ضرور تشریف لائیں۔ ان دنوں ہم سب بہن بھائی اکٹھے تعطیلات گزاریں گے۔ امی جان کی بھی یہی تاکید ہے' لہٰذا آپ ضرور تشریف لائیں۔ زیادہ آداب و نیاز!

آپ کا بھائی

صہیب رُومی

۵ چچا کے نام

(مزاج پُرسی اور چچی کی بیماری پر تشویش ظاہر کرنا)

طارق کالونی، لاہور

۳ رنومبر ـــ ۲۰ ء

محترم چچا جان! السّلام علیکم!

شاید آپ نے خط نہ لکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ابا جان نے خط لکھا۔ جواب ندارد۔ امی جان نے مکتوب بھیجا۔ رسید نہیں ہے۔ اب میں خود یعنی آپ کا بھتیجا خط لکھ رہا ہوں۔ امید ہے جواب سے محروم نہیں رہوں گا۔

سب سے پہلے یہ بتائیے کہ اب چچی جان کی صحت کیسی ہے؟ بخار اترا یا نہیں؟ ڈاکٹر صاحب کی رائے کیا ہے؟ اگر آپ کے ہاں تشفی آمیز علاج ناممکن ہے تو انھیں یہاں لے آئیے۔ لاہور میں اچھے سے اچھا اور بہتر سے بہتر علاج میسر آسکتا ہے۔ تکلیف فرمائیے اور چچی جان کو یہاں لے آئیے۔

دسمبر آرہا ہے۔ موسمِ سرما کی تعطیلات لا رہا ہے۔ میں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ اگر افتخار بھائی آجائیں تو بہت اچھا ہو۔ لاہور کی سیر کریں گے اور مل کر پڑھیں گے۔ میں انھیں بھی خط لکھ رہا ہوں۔ چچی جان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دیں۔ زیادہ آداب!

آپ کا بھتیجا

شہریار احمد

۶ چھوٹے بھائی کے نام

(اچھی صحبت اختیار کرنے کے لیے نصیحت)

۲۵۔ جوہر ٹاؤن، جام پُور

۲۱ رجنوری ـــ ۲۰ ء

نویدمیاں! السّلام علیکم!

آپ کا خط آیا' پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ اب صحت یاب ہوگئے ہیں۔ ابو جان کا مکتوب بھی موصول ہوا کہ نوید کو تعلیمی احتیاط کی ضرورت

ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دل لگا کر پڑھتے لکھتے نہیں اور ایسے دوست پیدا کر رکھے ہیں جو شریف کم اور آوارہ زیادہ ہیں۔ یاد رکھیے ایسے دوستوں کی صحبت تعلیم میں ناکامی اور اخلاق میں پستی کا موجب ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو خوب محنت کرو اور پاکیزہ اخلاق سیکھو تا کہ نہ صرف آپ ذلت و رسوائی سے بچ جائیں' بلکہ آپ کے بزرگوں پر بھی کوئی حرف نہ آئے۔

نوید! آپ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ سزا دوں' مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ اب ایسے دوستوں کو سلام کرو اور پڑھنے لکھنے میں پوری توجہ صرف کرو۔ امتحان سر پر ہے' نہ پڑھو گے' محنت نہیں کرو گے تو فیل ہو کر ناک کٹواؤ گے۔ خاندان کے نام پر حرف آئے گا۔ دوستوں میں کیا عزت رہ جائے گی؟ ماں باپ کو کتنی کوفت ہو گی! مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسی شکایت نہیں آئے گی اور آپ خود اپنی عزت کا پاس کریں گے۔ زیادہ دعا!

آپ کا بھائی

طیّب ارمغان

۷ دوست کے نام

(جہیز اور شادی کے موقع پر بے جا اسراف کی مذمت کرنا)

۱۵ فیصل کالونی، چونیاں۔ ضلع قصور

۱۷ر مارچ ـــ۲۰ء

میرے پیارے دوست انسب ریحان! السّلام علیکم!

آپ کا خط ملا۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگلے ماہ آپ کی بڑی ہمشیرہ کی شادی ہو رہی ہے۔ برات دھوم دھام سے آئے گی' بینڈ موسیقی کا پروگرام پیش کرے گا۔ آتش بازی کا مظاہرہ ہو گا' جہیز کی نمائش ہو گی' مہمانوں کو پرتکلف کھانے کھلائے جائیں گے وغیرہ۔ میں یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہوا اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا ہے لیکن اس سلسلے میں حق کی بات بتانا بھی میرا فرض بنتا ہے۔ میرے خیال میں یہ سب چیزیں غیر ضروری' غیر اسلامی اور اسراف پر مبنی ہیں۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپؐ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کس طرح کیں؟ باراتیں کیسے آئیں؟ مہمانوں کو کیسے کھانا کھلایا؟ اور جہیز کیا دیا؟

اسلام ہمیں سادگی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر کام میں کفایت شعاری کی ترغیب دلاتا ہے۔ آپ کے والدین کو آپ کی دوسری بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔ مجھے آپ کے کنبے کی آمدنی کا بھی علم ہے۔ قرض لے کر برادری میں ناک کٹ جانے کے خوف سے فضول رسموں پر بے دریغ خرچ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ ہماری حکومت نے آتش بازی اور جہیز کی نمائش پر پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ مہمانوں کی تعداد بھی مقرر کر رکھی ہے' لیکن ہم لوگ قانون کا احترام نہیں کرتے۔

تعلیم کا مقصد اچھے برے کی پہچان ہے۔ ہمیں تمام غیر اسلامی رسومات کو ترک کر دینا چاہیے اور ان رسموں پر خرچ ہونے والی رقوم فلاحی اداروں کو عطیہ کر دینی چاہییں۔ سماجی برائیاں دور کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

میں نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ میں کسی ایسی تقریب میں شرکت نہ کروں جہاں فضول خرچی اور خلافِ اسلام رسومات کا مظاہرہ ہو۔ اگر آپ اپنے والدین کو سمجھائیں کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی سادگی سے کر لیں تو میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔

امید ہے کہ آپ میری اس صاف گوئی کو معاف کر دیں گے۔ محترم خالو جان اور محترمہ خالہ جان کو سلام عرض کر دیں۔ ننھی کلثوم اور اسلم کو دعائیں!

والسّلام!
آپ کا دوست
محمد عُمر خاں

۸ ہمسائے کے نام

(موسیقی بند کرنے کی درخواست کرنا کہ پڑھائی میں دِقت ہو رہی ہے)

جلال پور، عیسیٰ خیل۔ ضلع میانوالی
۱۳ر فروری ـــ ۲۰ء

مکرمی جناب اورنگ زیب صاحب!

السلام علیکم! آپ جانتے ہیں کہ ہمارے سکول کے امتحانات قریب آ رہے ہیں۔ دن سکول میں گزر جاتا ہے اور رات کا وقت ہی ایسا ہوتا ہے جس میں طالب علم پڑھ کر امتحان کے لیے تیاری کر سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو موسیقی بہت پسند ہے اور عام طور پر ریڈیو کو چالو رکھتے ہیں اور آواز بھی عموماً اونچی ہوتی ہے جس سے میرے مطالعے کی یکسوئی ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ اگر رات کو ریڈیو سے شغل نہ فرمائیں تو احسان ہوگا۔ اگر ریڈیو سننا لازمی ہو تو آواز کو اتنا مدھم کریں کہ آواز آپ کی دیواریں عبور نہ کر سکے تاکہ میں بھی کچھ پڑھ کر آپ کو دعا دوں۔ امید ہے آپ ممنونیت کا موقع دیں گے۔

فقط والسّلام!
مخلص
ملک کرم حسین

مشقی خطوط کے موضوعات

(۱) اپنے بڑے بھائی کو ایک خط لکھیے جس میں اپنی چھٹی کے پروگرام کا ذکر کیجیے۔

(۲) اپنے دوست کے نام خط لکھیے جس میں کسی ایسی کتاب کا تذکرہ کیجیے جسے آپ نے پڑھا اور اس نے آپ کو بہت متاثر کیا ہو۔

(۳) اپنی بہن کے نام ایک خط لکھیے جس میں کسی تاریخی عمارت کی سیر کا حال لکھیے۔

(۴) اپنے دوست کے نام خط میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیجیے جس سے آپ کی حاضر دماغی کا اندازہ ہوتا ہو۔

(۵) فرض کیجیے کہ آپ کے چچا جاپان میں ہیں۔ خط لکھ کر ان سے اہلِ جاپان کے طرزِ زندگی کے بارے میں پوچھیے۔

(۶) آپ نے اپنے دوست کو کچھ رقم ادھار دی تھی۔ اب آپ کو ضرورت ہے۔ خط لکھ کر تقاضا کیجیے مگر اس انداز سے کہ آپ کے دوست کو ناگوار نہ ہو۔

(۷) اپنی خالہ کو ایک خط لکھیے جس میں یہ بتائیے کہ آپ نے اپنا مکان بدل لیا ہے اور یہ کہ آپ کے نئے محلے دار کیسے ہیں۔

(۸) مالکِ مکان کے نام خط لکھیے جس میں اسے مکان کی مرمت کی طرف توجہ دلائیے۔

(۹) سوئی گیس کمپنی کے نام ایک خط لکھیے کہ آپ اپنے گھر میں گیس کا کنکشن لگوانا چاہتے ہیں۔ اپنی ضروریات کی مکمل تفصیل لکھنا نہ بھولیے۔

(۱۰) کسی فیکٹری کے منیجر کے نام خط لکھیے جس میں فیکٹری دیکھنے کی اجازت مانگیے۔

(۱۱) کسی اخبار کے مدیر کے نام خط لکھ کر ٹریفک کی بد انتظامی کی طرف توجہ دلائیے۔

(۱۲) اپنے استاد کے نام خط لکھیے جس میں اپنی کسی مشکل کے لیے مدد مانگیے۔

(۱۳) ناراض دوست کو منانے کے لیے خط لکھیے۔

(۱۴) دوست کے نام دوستانہ شکوے کا حامل خط لکھیے۔

(۱۵) اپنی چند پسندیدہ کتابیں منگوانے کے لیے کسی پبلشر کے نام خط لکھیے۔

(۱۶) بچوں کا کوئی رسالہ اپنے نام جاری کرانے کے لیے ایڈیٹر کے نام خط لکھیے۔

رقعات یا دعوتی کارڈ

رقعات مختصر خطوط کا نام ہے۔ شادی، بیاہ اور دیگر تقریبات کے لیے طویل خطوط کے بجائے مختصر خطوط یعنی دعوتی کارڈ بھیجے جاتے ہیں جنھیں رقعات بھی کہتے ہیں۔ یہ رقعات تقریبی بھی ہوتے ہیں اور اطلاعی بھی۔ نمونے کے لیے چند رقعات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)

مکرمی......!

السلام علیکم ! میرے بیٹے کی شادی خانہ آبادی مورخہ............... قرار پائی ہے۔ تشریف لا کر نوازیں۔

پروگرام

سہرابندی .... ۷ بجے صبح

روانگی برات .... ۹ بجے صبح

منتظر

سیّد عبدالحکیم بخاری

گارڈن ٹاؤن۔ ملتان

(۲)

محترمہ..................

السلام علیکم ! عزیزہ عظمیٰ بتول کی شادی ۵ ستمبر ۲۰۰۰ء کو قرار پائی ہے۔ تشریف لا کر بچی کو اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں۔

پروگرام

استقبال برات .... ۱ بجے دوپہر

نکاح .... ڈیڑھ بجے دوپہر

طعام .... ۲ بجے دوپہر

رخصتی .... ۴ بجے شام

متمنّیِ شرکت

ڈاکٹر ناہید رباب

فرید ٹاؤن۔ ساہی وال

عرائض نویسی

کسی افسر یا ہیڈ ماسٹر صاحب سے چھٹی لینے یا کسی افسر کے کچھ گوش گزار کرنے کے لیے جو کچھ لکھا جاتا ہے' اسے عرضی یا درخواست کہتے ہیں۔ درخواست میں جو کچھ لکھا جائے وہ خوش خط' صاف اور سادہ ہونا چاہیے۔

(۱) عرضی لکھنے کے لیے سب سے پہلے افسر کا عہدہ لکھا جاتا ہے۔

(۲) نئی سطر سے ''گزارش ہے'' لکھ کر اپنی عرض داشت لکھی جاتی ہے۔

(۳) درخواست کے خاتمے پر عین نوازش ہوگی۔ مہربانی ہوگی۔ وغیرہ لکھ کر درخواست ختم کی جاتی ہے۔

(۴) درخواست کے نیچے العارض' عرضے یا درخواست گزار لکھ کر نیچے درخواست گزار کا نام اور پتا لکھنا چاہیے۔

۱ ہیڈ ماسٹر صاحب سے چھٹی کی درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول، کمالیہ

موضوع: رخصت برائے ضروری کام

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ آج مجھے گھر پر ایک ضروری کام درپیش ہے۔ جس کے باعث سکول میں حاضر نہیں ہوسکوں گا۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ آج مورخہ ۶ مئی ۲۰۱۸ء صرف ایک دن کی رخصت مرحمت فرما کر نوازیں۔ عین نوزش ہوگی۔

العارض

اُسامہ حسن

جماعت نہم

۲ بیماری کی درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول، رحیم یار خاں

موضوع: درخواست برائے رخصت بیماری

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ مجھے کل سے بخار ہے۔ رات بھر بخار میں بھنتا رہا ہوں۔ اس وقت ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ لہٰذا آج اور کل صرف دو دن کی رخصت منظور فرما کر نوازیں' کرم ہوگا۔

۲۵ راپریل ـــ ۲۰ء

العارض

کاشف خورشید

متعلم جماعت دہم ۔ بی

۳ فیس معافی کی درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول نمبرا، چکوال

موضوع: درخواست برائے فیس معافی

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ میں ایک طالب علم ہوں۔ والد صاحب کی آمدنی بہت کم ہے۔ ہر وقت پیٹ بھرنے کے لالے پڑے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے میرے لیے فیس ادا کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ میرا تعلیم حاصل کرنے کا شوق مجھے مجبور کر رہا ہے کہ آپ سے مدد کی درخواست کروں۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ سکول کی فیس معاف فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں، کرم ہوگا۔ زیادہ آداب و نیاز۔

۵ رجنوری ۲۰۔۔۔ء

العارض

واجد خلیل

متعلم جماعت نہم فریق ڈی

۴ سرٹیفکیٹ کے حصول کے لیے درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول، کروڑ لعل عیسن ضلع لیہ

موضوع: درخواست برائے حصول سرٹیفکیٹ

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ میرے والد صاحب سمن آباد میں اپنی رہائش منتقل کر رہے ہیں اور مجھے بھی ماں باپ کے ساتھ سمن آباد میں سکونت پذیر ہونا ہے۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ سکول چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ مرحمت فرمائیں۔ فقط آداب۔

۱۰ رجنوری ۲۰۔۔۔ء

درخواست گزار

عبدالمجید بھٹی

متعلم جماعت دہم

۵ صفائی کے لیے درخواست

بخدمت ہیلتھ آفیسر صاحب جھنگ کارپوریشن

موضوع: درخواست برائے صفائی ستھرائی

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ ہمارے محلے میں خاکروبوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ ہر گلی اور کوچے میں غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ بدبو کے بھبوکے اٹھ رہے ہیں۔ محلے پر بدبو کا تسلّط ہے۔ اس پر مزید یہ کہ موسم برسات آ رہا ہے جو گندی گلیوں اور محلوں میں بیماریاں پھیلا دیا کرتا ہے۔ ہیضہ تو اس موسم کی محبوب بیماری ہے۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ محلے سے غلاظت اٹھوا کر صفائی کا انتظام فرمائیں اور اہلِ محلّہ کو بیماریوں کے ہجوم سے بچائیں۔ زیادہ آداب۔

۸ راکتوبر ۲۰۔۔۔ء

العارض

حاشر فاروق

خضری محلّہ جھنگ

٦ ڈاکیے کی شکایت

بخدمت پوسٹ ماسٹر صاحب جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ

موضوع: ڈاک کی ناقص کارکردگی

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ محلے میں ڈاک کی تقسیم کا انتظام نہایت ناقص ہے۔ ڈاکیا کئی کئی دن تک آتا ہی نہیں اور ہمارے ضروری خطوط وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے نقصان کا موجب بنتے ہیں۔ لہٰذا یا تو ڈاکیے کی سرزنش کی جائے یا کوئی نیا ڈاکیا متعین کیا جائے جو روز کے روز ڈاک تقسیم کر دیا کرے۔ مکرر عرض ہے کہ آپ اس درخواست کو زیرِ توجہ لا کر نوازیں تاکہ ہم لوگ زیادہ نقصان سے بچ سکیں اور آپ کو مزید پریشان کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فقط آداب و سلام۔

۳۱ر دسمبر ــــ ۲۰ء

العارض

فرحان شیخ

طیبہ کالونی، جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ

رسید لکھنا

ضروری باتیں

رسید کسی چیز یا رقم وغیرہ کی وصولی کی تحریری دستاویز کو کہتے ہیں۔ ایسی دستاویز ہونے کی صورت میں کوئی شخص کسی دوسرے سے دوبارہ کسی چیز یا رقم کی واپسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لین دین کے معاملات میں لکھا پڑھی کر لیا کرو اور اس پر گواہ بھی بنا لیا کرو۔ چناں چہ اسی بنا پر ہمارے معاشرے میں رسیدات کا عمدہ تصور موجود ہے۔

کسی زمانے میں رسیدات یا اشیا کے لین دین کے بارے میں یادداشت کے طور پر لکھی گئی تحریروں کو وہ وثیقہ نویس یا عرائض نویس لکھا کرتے تھے جو بڑے خوش خط ہوا کرتے تھے اور ان کی تحریروں کو اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ آج زمانہ بدل چکا ہے تاہم دیہات میں، جو پاکستان کی آبادی کا ساٹھ فی صد سے زیادہ پر مشتمل ہیں، ابھی تک رسیدات اور راہداریاں لکھنے کا تصور موجود ہے اور شہروں میں بھی کہیں کہیں اس کا چلن ہے۔ جب کہ کیش میمو (Cash Memo) رسید ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ بہر کیف ہمارے عزیز طلبہ کو رسید لکھنے کے موضوع سے لازمی طور پر آگاہ ہونا چاہیے۔

رسید لکھنے کے لوازمات

رسید لکھتے وقت درج ذیل امور کو پیش نگاہ رہنا چاہیے:

(۱) رسید کسی بھی نوعیت کی ہو، رسید وہ شخص لکھتا ہے جو رقم وصول کرتا ہے۔

(۲) رسید لکھنے سے پہلے جلی حروف میں ''باعث تحریر آنکہ'' لکھا جاتا ہے۔

(۳) رسید میں غیر ضروری طوالت سے گریز کیا جاتا ہے اور صرف کام کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔

(۴) رسید صرف ایک جملے پر مشتمل ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ قدرے طویل کیوں نہ ہو۔

(۵) رسید کے اختتام پر تاریخ لکھی جاتی ہے۔

رسید میں رقم کو لفظوں میں اور اس کے بعد نصف رقم کو بھی لفظوں میں لکھنا چاہیے تا کہ اس میں تبدیلی نہ کی جا سکے۔

رسید کے آخر میں ''العبد'' لکھنے کے بعد رسید لکھنے والا اپنا نام، ولدیت، قومیت اور سکونت بڑے واضح اور غیر مبہم انداز میں لکھتا ہے۔

اگر رسید کو اہم دستاویز کی شکل دینا مطلوب ہو تو ''العبد'' کا قومی شناختی کارڈ نمبر بھی لکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل بھی منسلک کر دی جاتی ہے۔

''العبد'' کے دائیں اور بائیں طرف دو گواہوں کے نام اسی انداز میں لکھے جاتے ہیں جس انداز میں ''العبد'' کا نام آتا ہے۔

نمونے کی چند رسیدات

۱ روپے وصول کرنے کی رسید

(بابت فروختگی بائیسکل)

باعثِ تحریر آنکہ

مبلغ دس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ پانچ ہزار روپے ہوتے ہیں، از اں جناب محبوب علی ولد سردار علی قوم راجپوت سکنہ ۹۲ علی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، بابت سیکنڈ ہینڈ بائیسکل سہراب نمبر ۱۲۳۴۵۶۷ مع تمام ضروری لوازمات، وصول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ محررہ: ۳۱/ اکتوبر ۔۔۔۔۔۲۰ء

العبد
علی احمد ولد محمد دین قوم شیخ
پتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
شناختی کارڈ نمبر۔۔۔۔۔۔۔

گواہ شد
دوست محمد ولد نور احمد قوم شیخ
پتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
شناختی کارڈ نمبر۔۔۔۔۔۔۔

گواہ شد
محمد سلیم ولد منور حسین قوم بھٹی
پتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
شناختی کارڈ نمبر۔۔۔۔۔۔۔

۲ کرایہ مکان کی رسید

باعثِ تحریر آنکہ

مبلغ بیس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ دس ہزار روپے ہوتے ہیں، بابت کرایہ فلیٹ نمبر ۷، بلاک نمبر ۵، فیصل فلیٹس، پی آئی اے کالونی لاہور، برائے ماہ نومبر ------ ۲۰ء، جناب محمود علی ولد سجاد علی قوم ارائیں سے نقد وصول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ محررہ یکم دسمبر ------ ۲۰ء

العبد

شیخ رحیم الدین مالک فیصل فلیٹس

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر ---------

گواہ شد

احمد ولد سراج الدین قوم گجر

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر ---------

گواہ شد

محمد اصغر ولد غلام محمد قوم گل

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر ---------

۳ گائے کی قیمت وصول کرنے کی رسید

باعثِ تحریر آنکہ

جو کہ ایک راس گائے، رنگ ہلکا بھورا، سینگ ندارد، دُم لمبی، ماتھے پر پھول کا نشان، عمر تقریباً پانچ سال، دودھ دیتی ہوئی، ہم راہ ایک بچھڑا، عمر دو ماہ، محترم جناب محمد مختار ولد مہتاب علی قوم بھٹی راجپوت سکنہ موضع شاکے بھٹیاں، ملتان روڈ، لاہور کے ہاتھ مبلغ اسّی ہزار روپے میں، جن کے نصف مبلغ چالیس ہزار روپے ہوتے ہیں، فروخت کر دی ہے اور تمام رقم روبرو مندرجہ ذیل گواہان کے نقد وصول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ محررہ ۱۵ر نومبر ------ ۲۰ء

العبد

شہاب الدین ولد کرم علی قوم راجپوت

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر -------

گواہ شد

محمد کامران نمبردار ولد محمد رضوان

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر -------

گواہ شد

محمد خاں ولد ضیاء الدین قوم گجر

پتا ---------------

شناختی کارڈ نمبر -------

۴ وظیفہ وصول کرنے کی رسید

باعثِ تحریر آنکہ

مبلغ بارہ ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ چھے ہزار روپے ہوتے ہیں، بابت وظیفہ ہجری سکالرشپ برائے ماہ نومبر -----۲۰ء ازاں جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور وصول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ محررہ ۵؍ دسمبر ----- ۲۰ء

العبد
وقار احمد متعلم جماعت دہم
سیکشن اے رول نمبر ۵

توثیق کنندہ
محمد احمد، ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

۵ قرضِ حسنہ لینے کی رسید

باعثِ تحریر آنکہ

مبلغ پچاس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ پچیس ہزار روپے ہوتے ہیں، بابت قرضِ حسنہ ازاں جناب نور احمد صاحب سکنہ چک نمبر ۳۶ جنوبی ضلع سرگودھا وصول پا کر روبرو مندرجہ ذیل دو گواہوں کے یہ رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ میں یہ رقم برابر قسطوں میں ۳۱؍ دسمبر ----- ۲۰ء تک ادا کروں گا۔ ان شاء اللہ۔ محررہ: یکم جنوری ----- ۲۰ء

العبد
محمد اسحاق ولد غلام حسین قوم قریشی
پتا---------------
شناختی کارڈ نمبر-------

گواہ شد
محمد کامران نمبردار ولد محمد رضوان سکنہ
پتا---------------
شناختی کارڈ نمبر-------

گواہ شد
محمد خاں ولد بلاقی خاں قوم گجر
پتا---------------
شناختی کارڈ نمبر-------

مُکالمہ نگاری

مکالمہ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی باہمی بات چیت کو کہتے ہیں۔اس بات چیت یا گفت گو کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔اسی گفت گو سے ہم ایک دوسرے تک اپنے دل کی بات پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

مکالمہ زبانی بھی ہوتا ہے اور تحریری بھی۔اسی سے ایک دوسرے کے جوہر و کردار کا پتا چلتا ہے اور کسی کردار کی شخصیت کھل کر سامنے آتی ہے۔یہی مکالمہ 'ڈرامے' ناول اور افسانے کی جان ہیں۔انھی کی کامیابی سے ناول' افسانہ اور فلم وغیرہ کی کامیابی کی شہرت پھیلتی ہے اور ان ہی سے ہم ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتے ہیں۔

مکالمہ ایک فطری بات چیت بھی ہے' اور مصنوعی گفت گو بھی۔ بہر حال مصنوعی مکالمے میں بھی فطرت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔روز مرّہ بول چال اور لب ولہجہ کے ساتھ اشارات ایک اچھے مکالمے کی جان ہیں۔الجھاؤ اور تکلفانہ گفت گو مکالمے کو بے مزہ کر دیتی ہے۔خیال رکھنا چاہیے کہ گفت گو شرافت وتہذیب کے دائرے سے باہر قدم نہ رکھے۔مخاطب کے مرتبے اور درجے کا خیال رکھا جائے۔ضرورت کے مطابق اشارات کے ساتھ آواز کی نرمی' سختی' اتار' چڑھاؤ بھی زیرِ نظر رہنا چاہیے۔

گفت گو کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ بات سے بات خود بخود نکلتی آئے۔ایک ہی بات بار بار دہرانے سے بھی گفت گو میں پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

زبان کا روز مرّہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔زبان جس قدر روز مرّہ کے مطابق ہوگی' اتنی ہی مؤثر ہوگی۔اب ہم چند مکالمے بطور نمونہ درج کرتے ہیں:

۱ مریض اور ڈاکٹر

مریض : ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم!

ڈاکٹر : وعلیکم السلام! تشریف رکھیے۔

مریض : تشریف رکھنا ہی تو مشکل ہے۔

ڈاکٹر : کیوں بھئی ایسی کیا تکلیف ہوگئی ہے؟

مریض : تکلیف ہی تکلیف ہے۔رات بھر پریشان رہا ہوں گھڑی بھر سو نہیں سکا۔

ڈاکٹر : تکلیف تو بھئی تکلیف ہی ہے۔صحت ٹھیک نہ ہو تو چین نہیں آتا۔

میریض : کچھ دوا بھی دیجیے مر اجارہا ہوں۔

ڈاکٹر : بیماری بتاؤ تو دوا دوں۔

مریض : ڈاکٹر صاحب! پیٹ میں سخت درد ہے۔ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے۔
ڈاکٹر : یہ درد کب سے ہے؟
مریض : آج رات سے۔
ڈاکٹر : رات کیا کھایا تھا؟
مریض : روٹی کا ایک ٹکڑا۔
ڈاکٹر : کیا آپ نے پہلے کبھی روٹی نہیں کھائی؟ رات کی روٹی میں کیا خاص بات تھی؟
مریض : رات کی روٹی میں خاص بات یہ تھی کہ وہ جلی ہوئی تھی۔
ڈاکٹر : ارے! تم جلی ہوئی روٹی کھا گئے؟
مریض : صرف ایک ٹکڑا کھایا تھا۔
ڈاکٹر : اوہو! کیا آپ کی نظر کمزور ہے؟ لیٹ جاؤ تمھاری آنکھوں میں دوا ڈالتا ہوں۔
مریض : نظر ٹھیک ہے۔ پیٹ میں کچھ ڈالیے تاکہ درد سے جان بچے۔
ڈاکٹر : وعدہ کرو کہ آیندہ جلی ہوئی روٹی نہیں کھاؤ گے۔
مریض : سو بار وعدہ کرتا ہوں۔ ہائے میرا پیٹ!
(ڈاکٹر مریض کو گولی کھلاتا ہے)
مریض : ڈاکٹر صاحب! شکریہ۔ درد کم ہو رہا ہے۔ میں جاتا ہوں۔
ڈاکٹر : ارے میاں! دوا کی قیمت تو دیتے جاؤ۔
مریض : دوا کی قیمت درد سے آرام ہی تو ہے۔
ڈاکٹر : دوا کی قیمت دام بھی ہیں، جن سے دوائیں خریدی جاتی ہیں۔
مریض : (دوا کی قیمت ادا کر کے) السلام علیکم!
ڈاکٹر : وعلیکم السلام! روٹی کھانے سے پہلے دیکھ لیا کرو کہ جلی ہوئی تو نہیں۔
(مریض شکریہ ادا کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔)

۲ دکان دار اور خریدار

دکان دار

خریدار : السلام علیکم!
دکان دار : وعلیکم السلام! آیئے تشریف لایئے۔
خریدار : آپ کی دکان میں رومال بھی ہوں گے؟

دکان دار : رومال ہی نہیں جرابیں، بنیانیں، چھتریاں سبھی کچھ ہے۔

خریدار : رومال دکھائیے۔ کوئی سستا سا سُوتی ہو۔

دکان دار : یہ دیکھیے رومال، نہایت نفیس اور نرم۔

خریدار : آپ نے جرابوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ بھی دکھائیے۔

دکان دار : رومال کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔ کتنے پیش کروں؟

خریدار : جرابیں دکھائیے تو رومال کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔

دکان دار : یہ دیکھیے جرابیں، ریشمی ہیں ریشمی۔ کتنے جوڑے پیش کروں؟

خریدار : آپ مال دکھا رہے ہیں قیمت نہیں بتاتے۔ کیا آپ اپنی چیزیں بن داموں بیچتے ہیں؟

دکان دار : ہاں صاحب! بالکل مفت۔ قیمت برائے نام ہے۔ رومال سو روپے کا ہے اور جرابوں کا جوڑا دو سو بیس روپے کا۔

خریدار : میاں دکاندار! یہ قیمت تو بہت زیادہ ہے۔ ویسے رومال بھی نفیس ہے اور جرابیں بھی۔

دکان دار : ہم اپنے مال کو چند پیسوں کے نفع پر بیچتے ہیں۔ کسی اور دکان سے دریافت کر لیں۔ پھر آپ کی تسلی ہو جائے گی۔

خریدار : رومال اور جرابوں کی صحیح صحیح قیمت بتائیے۔ میں کچھ اور چیزیں بھی خریدوں گا۔

دکان دار : صاحب! ہماری دکان کا حساب "بابا" جیسا سمجھیے۔ ایک زبان ایک دام۔

خریدار : اگر آپ سچ مچ درست کہتے ہیں تو مجھے آپ کی سچائی پر فخر ہے۔ اب میں سچّی دکان چھوڑ کر جھوٹی دکانوں پر نہیں جاؤں گا۔

دکان دار : پھر حکم کیجیے۔ آپ کی قدر دانی کا شکریہ!

خریدار : پانچ رومال، پانچ جوڑے جراب، اور ایک چھتری بھی ڈال دیجیے مگر اچھّی سی ہو۔

دکان دار : یہ لیجیے۔ آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔

خریدار : رقم تو آپ نے نہ بتائی نہ وصول کی۔ شکریہ مُفت میں دے مارا۔

دکان دار : یہ لیجیے بل! کل اٹھارہ سو روپے ہی تو ہوئے۔

خریدار : یہ لیجیے دو ہزار روپے۔ اپنی رقم وصول کیجیے اور بقایا دیجیے۔

دکان دار : یہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اچھا آپ کی خوشی کے لیے یہ لیجیے، دو سو روپے۔

۳ دو ہم جماعت

علی رضا : شہریار میاں! کہاں جا رہے ہو؟

شہریار : آخاہ۔ آپ ہیں! السلام علیکم!

علی رضا : یہ کیا کہ سر پیر کا ہوش نہیں اور بازار کو بھاگے جا رہے ہو۔

شہریار : بھائی صاحب! سلام کا جواب تو دیا ہوتا۔

علی رضا : وعلیکم السلام! سچ مانو تمھیں دیکھ کر سلام کا جواب تک یاد نہ رہا۔
شہریار : اور اب بھی بے خودی میں بھاگ رہے ہو؟
علی رضا : نہیں تو۔ بے خودی کی کیا بات ہے! انگریزی کتاب کا ترجمہ خریدنے جا رہا ہوں۔ انگریزی کمزور ہے نا میری۔
شہریار : انگریزی ایسا مضمون نہیں جس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت ہو۔
علی رضا : کیا مطلب؟
شہریار : مطلب یہ ہے کہ میں مدد کے لیے حاضر ہوں۔
علی رضا : شکریہ دوست! یہ تو بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟
شہریار : جا کہاں رہا ہوں۔ یہی حساب کا خلاصہ خریدنے کا ارادہ ہے۔
علی رضا : حساب میں مَیں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔
شہریار : شکریہ! مگر یہ دونوں مضمون تیار کیسے ہوں گے اور ہم ایک دوسرے کی مدد کیوں کر کریں گے؟
علی رضا : ہمارے گھر میں آ جایا کریں اور حساب کی مشق کر لیا کریں۔
شہریار : ٹھیک ہے۔ آیندہ ہم دونوں مل کر سکول کا کام کیا کریں گے اور ایک دوسرے کی مدد سے اپنی کمی پوری کر لیا کریں گے۔

۴ درزی خانے میں

(حمزہ خالد اور حسیب خالد دونوں بھائی درزی خانے میں داخل ہوتے ہیں)

حمزہ خالد : السلام علیکم!
درزی : وعلیکم السلام! کہیے کیسے آنا ہوا؟ کہیں بھول تو نہیں پڑے؟
حمزہ خالد : آپ کی طبیعت کیسی ہے ماسٹر جی!
درزی : شکر ہے۔
حمزہ خالد : ماسٹر جی! یہ کپڑا لیجیے۔ میرا سوٹ تیار کر دیجیے۔ حمزہ کے لیے دو شلواریں اور ایک قمیص تیار کیجیے۔
درزی : کس حساب سے خریدا ہے یہ کپڑا؟
حمزہ خالد : دو سو روپے فی میٹر۔
درزی : میری قمیص کے لیے کتنا کپڑا درکار ہوگا؟
حمزہ خالد : ڈھائی میٹر۔ یہ کپڑا تین میٹر ہے۔ آدھ میٹر کی واسکٹ بنا دیجیے۔
درزی : جو ارشاد ہو، مگر زمانے کے لیے فیشن کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے نا!
حمزہ خالد : ہمارے کپڑے کب تک تیار ہو جائیں گے؟
درزی : صرف پندرہ دن تک۔ آج پیر ہے اگلا پیر چھوڑ کر آیندہ پیر کو آیئے ان شاء اللہ آپ کے کپڑے تیار ہوں گے۔
حمزہ خالد : ماسٹر جی! پیروں کے پھیر میں نہ رکھیے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں۔

درزی : فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنے وقت کی بھی قدر ہے۔ کام آرہا ہے اور ختم ہونے میں نہیں آتا۔ پچّی بات بھی کہتے ہیں اور لوگوں کو وعدوں پر بھی ٹرخاتے ہیں۔

حسیب خالد: مگر ہمیں نہ ٹرخانا ورنہ ہماری دوستی بھی ٹرخ جائے گی۔

درزی : نہیں یہ صرف باتیں ہی ہیں۔ بھلا نرا وعدوں سے کام چلتا ہے کہیں!

حمزہ خالد : شکریہ ماسٹر صاحب!

درزی : دونوں نوجوانوں کی آمد کا شکریہ!

۵ تاریخِ پاکستان

(کلاس میں لڑکے شور مچا رہے ہیں۔ استاد صاحب کے آتے ہی خاموشی چھا جاتی ہے)

استاد : انس! بتایئے پاکستان کب وجود میں آیا تھا؟

انس : پاکستان ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا تھا۔

استاد : سب سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کی بنیاد کس نے رکھی تھی؟

انس : محمد بن قاسم نے برصغیر میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور بعد میں آنے والے فاتحین کے لیے سلطنت محمود غزنوی اور محمد غوری نے راستہ ہموار کیا تھا۔

استاد : شاباش! محمد بن قاسم نے کس سن میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا؟

صابر : ۷۱۲ء تھا جب کہ اس نوجوان فاتح نے راجا داہر کو شکست دے کر سندھ میں اسلامی حکومت قائم کی۔

استاد : سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر کتنے حملے کیے اور اسلامی حکومت کو کس قدر وسعت دی؟

امیر الحسن : سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور پنجاب و سندھ کو اسلامی حکومت میں شامل کیا۔

استاد : سلطان محمد غوری نے دہلی کو فتح کیا اور اسلامی سلطنت کی حدود کو وسعت دی۔ اب بتایئے کہ مستقل اسلامی سلطنت کا بانی کون تھا؟

عبداللہ : ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت کا بانی سلطان قطب الدین ایبک تھا۔ اس کے بعد خلجی، تغلق، لودھی خاندان حکمران رہے۔

استاد : مغلیہ خاندان کا بانی کون تھا اور اس دَور کے مشہور حکمرانوں کے نام بتایئے؟

محمود الحسن : مغلیہ خاندان کے بانی کا نام ظہیر الدین بابر تھا۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ نصیر الدین ہمایوں، جلّال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہان، اورنگزیب عالم گیر، بہادر شاہ ظفر ہیں۔

استاد : ہندوستان پر ہزار سالہ اسلامی حکومت کا خاتمہ کس بادشاہ پر ہوا؟

مقصود احمد : ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت بہادر شاہ ظفر پر ختم ہوئی اور انگریز ہندوستان کے حاکم ہو گئے۔

استاد : پاکستان کس طرح قیام پذیر ہوا؟

طاہر شہزاد : برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہو گئی تھی۔ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے قوم کو جھنجھوڑا اور پاکستان کا نظریہ پیش کیا۔ جسے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی شبانہ روز محنت اور جدوجہد

نے انگریز اور ہندو کو شکست دے کر قائل کر لیا کہ پاک و ہند کے وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے پاکستان کے نام سے آزاد و آباد رہیں۔ چناں چہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور قائدِ اعظمؒ پاکستان کے پہلے حاکم مقرر ہوئے۔

۶ ہوٹل میں

(مسٹر ستار انجم اپنے بیٹے نعمان کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوتے ہیں۔)

ستار انجم : السلام علیکم!

منیجر : وعلیکم السلام! خوش آمدید! کیا حکم ہے؟

ستار انجم : مجھے دو بستر کا کمرہ چاہیے۔

منیجر : آج کل مہمانوں کی آمد زیادہ ہے۔ تیسری منزل پر صرف ایک کمرہ خالی ہے۔

ستار انجم : منیجر صاحب! کمرہ صاف ستھرا اور ہوادار ہونا چاہیے۔

منیجر : ہمارے ہوٹل کا ہر کمرہ نہایت صاف ستھرا ہے۔ آپ اوپر جا کر دیکھ لیں۔

ستار انجم : مجھے آپ کی باتوں پر اعتماد ہے۔

منیجر : آپ کتنے دن تک ٹھہریں گے؟

ستار انجم : صرف دو دن تک۔ ہم مری جا رہے ہیں، واپسی پر پھر دو دن ٹھہریں گے۔

منیجر : ۳۱۰ نمبر کمرے کی چابی لیجیے، امید ہے کہ ہماری خدمت سے خوش ہوں گے۔

ستار انجم : شکریہ!

منیجر : کیا تناول فرمائیں گے آپ؟

ستار انجم : نعمان بیٹے! آپ کیا کھائیں گے؟ (کھانوں کی فہرست دیکھتا ہے)

نعمان : دہی پلاؤ اور شامی کباب۔

ستار انجم : ویٹر! میرے لیے بھنا ہوا مرغ اور بچّے کے لیے ایک پلیٹ پلاؤ، ایک پلیٹ شامی کباب، دہی اور سلاد لاؤ۔

(ویٹر سب کچھ حاضر کرتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر)

ستار انجم : ویٹر! بل لاؤ۔

ویٹر : یہ لیجیے جناب!

ستار انجم : ایک ہزار پچیس روپے ہوئے سب! یہ لو بل

ویٹر : شکریہ جناب!

کہانی لکھنا

ضروری باتیں

کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصہ یا حکایت ہے اور داستان قصّے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصہ خوانی یا داستان گوئی ایک باضابطہ فن ہوا کرتا تھا، جو عربی و فارسی سے اردو میں منتقل ہوا اور برِّعظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ بڑے بڑے شہروں میں داستان سنانے کے لیے باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشاں کشاں آتے اور بڑے انہماک سے داستان سنتے تھے۔ انشاءاللہ خاں انشا کا یہ شعر اسی ماحول کی عکاسی کرتا ہے:

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لُوٹ لیا

کہانی سننا سنانا انسان کی جبلّت ہے۔ ہر چند آج سائنس کے کمالات نے انسانی معاشرے کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے تاہم اسے آج بھی پسند کیا جاتا ہے، خاص طور پر بچوں میں تو یہ آج بھی مقبول ہے اور دنیا کی کسی زبان کا ادب بھی قصّے کہانیوں سے خالی نہیں بلکہ دنیا بھر میں بچوں کے میگزین نکلتے ہیں جن میں نت نئے قصّے کہانیاں ہوتی ہیں، جنھیں پسند کیا جاتا ہے۔

جہاں تک ہمارے یہاں وسطی اور ثانوی سطح کے نصاب کا تعلق ہے تو کہانی یا تو کسی عنوان کے تحت لکھنے کو کہا جاتا ہے یا اس کا نتیجہ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ بہرکیف کہانی لکھتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا لازمی طور پر خیال رکھا جاتا ہے:

(۱) کہانی کو بالعموم فعل ماضی میں لکھنا چاہیے کیوں کہ کہانی میں گزرے ہوئے زمانے کا کوئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) کہانی کے واقعات مین منطقی ربط، تسلسل اور ترتیب کو قائم رکھنا چاہیے۔

(۳) کہانی لکھنے سے قبل اس کا عنوان جلی حروف میں تحریر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر یہ عنوان آپ کو خود تجویز کرنا ہو تو کہانی کے مجموعی مضمون اور تاثر کو سامنے رکھیے اور اس کے مرکزی خیال کو کہانی کا عنوان بنا دیجیے۔

(۴) زبان سادہ اور روزمرّہ کے مطابق ہونی چاہیے۔

(۵) اگر آپ کو کسی خاکے کی مدد سے کہانی لکھنے کو یا کہانی مکمل کرنے کو کہا گیا ہے تو بعض طلبہ محض خاکے کی خالی جگہوں کو پُر کرنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ دیے گئے اشارات کو پھیلا کر کہانی مکمل کی جاتی ہے، جو خاکے سے کہیں زیادہ طویل ہوتی ہے۔

(۶) کہانی کے آخر میں اس کا نتیجہ بھی لکھیے جو بالعموم ایک عالمگیر سچائی (Universal Truth) کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسے: ''سانچ کو آنچ نہیں''، ''اتفاق میں برکت ہے''، ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' وغیرہ

درج ذیل صفحات میں ہم نے طلبہ کی سہولت کے لیے وہ مشہور و معروف کہانیاں لکھ دی ہیں جو عام طور پر امتحان میں پوچھی جاتی ہیں۔ انھیں اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیجیے۔

۱ جس کا کام اُسی کو ساجے

سخت گرمی تھی، دھوپ میں شدت تھی اور ہر طرف آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بہت بڑا پیپل کا درخت کھڑا تھا، جس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھئی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ چیرنے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول ہوتا تھا کہ اس نے سوائے درخت کی چھاؤں کے کسی اور طرف کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔

پیپل کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا جو بڑی توجہ سے بڑھئی کو لکڑی چیرتے دیکھا کرتا تھا۔ اسے بڑھئی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ وہ بڑھئی بن جائے اور وہ بھی لٹھ پر بیٹھ کر اسی طرح لکڑی چیرے جس طرح بڑھئی کام کرتا ہے۔ بڑھئی کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لکڑی چیرتے وقت لکڑی کی درز میں ایک پچر ٹھونک لیا کرتا تھا تاکہ لکڑی چیرنے میں آسانی رہے۔ بندر یہ سارا کام دیکھتا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھئی کسی ضرورت کے تحت لٹھ سے اٹھ گیا۔ اس نے آری اور پچر دونوں اپنی جگہ چھوڑیں اور کچھ دیر کے لیے دُور چلا گیا۔ بندر نقال تو ہوتا ہی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھئی موقع محل سے اٹھ کر کہیں چلا گیا ہے اور میدان خالی ہے تو وہ درخت سے اترا اور جھٹ لٹھ پر آ بیٹھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر جھانک کر لکڑی کی پچر کے ساتھ کھیلنے لگا۔ وہ دیر تک زور لگاتا اور پچر کو ہلاتا رہا۔ آخر کار پچر درز سے نکل آئی اور درز بند ہوگئی لیکن اسی لمحے بندر کا ہاتھ بھی درز میں بری طرح پھنس گیا۔ بندر بہتیرا چیخا چلّایا مگر اس کا ہاتھ اس بُری طرح پھنسا تھا کہ اس کا نکلنا محال تھا۔ بندر درد کی شدت سے بے ہوش ہوگیا۔

بڑھئی نے بندر کی چیخیں سنیں تو وہ بھاگا بھاگا موقع پر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ پچر تو باہر نکلی پڑی ہے اور اس کی جگہ بندر کا ہاتھ درز میں پھنسا ہے اور بندر بے حس و حرکت پڑا ہے۔ بڑھئی نے جلدی سے پچر اٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھونک دی۔ درز کھلی تو بندر کا ہاتھ درز سے آزاد ہوگیا مگر یہ کیا، بندر تو مر چکا تھا۔ بڑھئی کو بندر کے اس طرح مرنے کا بڑا دکھ ہوا۔ وہ بڑبڑانے لگا:

''بے وقوف تو بندر تھا۔ بڑھئی بننے کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔'' کسی نے سچ ہی کہا ہے:

جس کا کام اُسی کو ساجے
دُوجا کرے تو ٹھینگا باجے

۲ سچ کی برکت

رات کا پچھلا پہر تھا۔ دن بھر کا تھکا ہارا قافلہ پڑا سو رہا تھا کہ یکا یک شور اٹھا: ''ڈاکو آ گئے، ڈاکو آ گئے۔'' سوئے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ ڈاکوؤں نے لوٹ مچا رکھی تھی۔ ایک ایک کی تلاشی لے رہے تھے۔ لوگوں کی جیبیں ٹٹول رہے تھے۔ جو کچھ پاتے تھے، چھین جھپٹ لیتے تھے۔ لٹنے والے آہ و فغاں کر رہے تھے مگر بے رحم ڈاکوؤں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس قافلے میں ایک نوعمر لڑکا بھی شامل تھا، جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مطلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ''لڑکے! تمھارے پاس کیا ہے؟''

''چالیس اشرفیاں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

ڈاکو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ دوسرا ڈاکو آیا تو لڑکے نے اسے بھی یہی جواب دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں نے لڑکے سے یہی جواب پایا۔ ڈاکوؤں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ منگوایا اور پوچھا: ''لڑکے! تیرے پاس کیا ہے؟''

لڑکے نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ''چالیس اشرفیاں''

سردار نے پوچھا: ''کہاں ہیں چالیس اشرفیاں؟''

''میرے کرتے کی تہ میں سلی ہوئی ہیں۔'' لڑکا بولا۔

کرتے کی تہ کھولی گئی تو سچ مچ چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا:

''لڑکے! تو نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لی؟''

''میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا۔ میں جھوٹ بول کر گنہگار کیوں بنتا؟''

لڑکے نے جواب دیا۔

سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ نوعمر لڑکا اپنی ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور میں ایک مدت سے اپنے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہوگا؟

سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور رہزنی کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔

یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پیشہ ور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

نتیجہ: سچ میں برکت ہے۔

۳ جھوٹ کی سزا

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک نوجوان گڈریا کسی دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے جھوٹ بولنے کی بری عادت تھی، چنانچہ وہ کبھی کبھی مستی میں آ کر چلاتا: ''شیر آیا، شیر آیا۔''

اردگرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ اس کی آواز سنتے تو لاٹھیاں کلہاڑیاں لے کر اس کی جانب دوڑ پڑتے مگر جب گڈریے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شیر نہ پا کر گڈریے سے کہتے: ''میاں! کہاں ہے شیر؟''

اُن کے اس سوال پر گڈریا ہنس دیتا اور کہتا: ''میں نے تو صرف مذاق کیا تھا۔ شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے گا تو میں اکیلا ہی اسے مار بھگاؤں گا۔''

چند بار تو لوگ گڈریے کی پکار سن کر اس کے پاس پہنچ جاتے رہے مگر گڈریے کی روز روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھتے اور کوئی اس کی پکار پر توجہ نہ دیتا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ سچ مچ کہیں سے شیر آنکلا۔ شیر نے بھیڑوں کا گلہ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بھوکا تو تھا ہی، بڑھ کر ایک بھیڑ کے پنجہ مارا۔ بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ گڈریے نے شور مچایا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ گڈریا لاٹھی لہراتا ہوا شیر کی جانب بڑھا تو شیر نے ایک ہی جست میں گڈریے کی گردن مروڑ دی۔ بھیڑیں بھاگ رہی تھیں اور شیر اُن کا شکار کرتا تھا۔ آخر سارا گلہ شیر کا شکار بن گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ گاؤں میں نہ گڈریا آیا نہ بھیڑوں کا گلہ۔ گڈریے کے رشتے داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ چراگاہ میں پہنچے تو مردہ بھیڑوں اور مرے ہوئے گڈریے کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ گڈریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی۔

سچ ہے: جھوٹ کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

۴ اتفاق میں برکت ہے

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے مگر ان میں آپس میں اتفاق نہ تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا جھگڑنا اُن کا آئے دن کا معمول تھا۔ کسان نے بیٹوں کو کئی مرتبہ سمجھایا لیکن بیٹوں پر باپ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بے چارہ کسان اپنے جوان بیٹوں کی اس ناچاقی اور نااتفاقی سے ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔

ایک دفعہ کسان سخت بیمار پڑ گیا۔ اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس کی شدید آرزو تھی کہ اپنے جیتے جی اپنے بیٹوں کو آپس میں اتفاق سے رہتے بستے دیکھ لے لیکن اس کے بیٹے تھے کہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور باپ کی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں کسان کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک روز اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور پتلی پتلی لکڑیوں کا ایک گٹھا بھی منگوالیا۔ کسان نے یہ گٹھا باری باری چاروں لڑکوں کو دیا اور اسے توڑنے کو کہا۔ ہر چند چاروں بیٹے شہ زور تھے مگر طاقت ور ہونے کے باوجود کوئی بھی گٹھے کو نہ توڑ سکا۔

جب چاروں بھائی اپنی پوری کوشش کے باوجود گٹھا توڑنے میں ناکام رہے تو کسان اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کھول کر لکڑیوں کو الگ الگ کر کے توڑنے کا کہا تو ان میں سے ہر ایک نے بڑی آسانی سے ایک ایک لکڑی کو توڑ دیا۔

یہ دیکھ کر کسان نے بیٹیوں سے کہا:

> ”دیکھو میرے بیٹو! جب تک یہ لکڑیاں ایک گٹھے کی صورت میں بندھی ہوئی تھیں، تم ہزار کوشش کے باوجود انھیں نہ توڑ سکے اور جب یہ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں، تم نے انھیں بڑی آسانی سے توڑ لیا۔ یاد رکھو! تم بھی جب تک لکڑیوں کے اس گٹھے کی طرح آپس میں متحد اور یک جان رہو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں نقصان نہ پہنچا سکے گی لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو ہر شخص تمھیں آسانی سے دبا لے گا۔“

بوڑھے کسان کی یہ نصیحت کام کر گئی۔ چاروں بھائیوں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ وہ آیندہ ہمیشہ اتفاق اور محبت سے رہیں گے اور آپس میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ کریں گے۔ یہ سن کر کسان کا دل خوش ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو بہت دعائیں دیں۔

سچ ہے: اتفاق میں برکت ہے۔

۵ لالچ بُری بلا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی گاؤں میں تین دوست رہتے تھے۔ انھوں نے بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر نزدیکی شہر میں جانے کا سوچا تا کہ وہاں یا تو کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر لیں گے یا پھر کہیں ملازم ہو جائیں گے۔ وہ شہر کی جانب سفر طے کر رہے تھے کہ اتفاق سے انھیں راستے میں ایک پوٹلی پڑی ملی۔ انھوں نے جلدی جلدی پوٹلی کو کھول کر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پوٹلی میں سونے کے زیورات تھے۔ وہ سونے کے زیورات پا کر بے حد خوش ہوئے۔ وہ اس اتفاقی دولت کو آپس میں تقسیم کرنے کی باتیں کرنے لگے۔ صلاح یہ ٹھہری کہ ان میں سے ایک آدمی پہلے شہر جائے اور کھانا لے آئے کیونکہ انھیں زوروں کی بھوک لگی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام سے بیٹھ کر آپس میں زیورات کو یہ حصّہ برابر تقسیم کر لیں گے۔

تینوں میں سے ایک دوست کھانا لانے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد باقی دونوں دوستوں کی نیت خراب ہو گئی۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر ہم اپنے اس ساتھی کو قتل کر دیں تو اس کا حصّہ بھی ہمیں مل جائے گا اور اس طرح ہمارے ہاتھ زیادہ دولت لگے گی۔ ادھر وہ ساتھی جو کھانا لینے شہر گیا تھا، راستے میں سوچنے لگا کہ اگر میرے دونوں ساتھی کسی طرح مر جائیں تو سارے کا سارا سونا میرے حصّے میں آ جائے گا اور میں امیر ہو جاؤں گا۔ چناں چہ اس نے کھانا خریدا اور اس میں زہر ملا دیا۔ جونہی وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو اس کے دونوں ساتھی اس پر پل پڑے اور گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ پھر بے فکر ہو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے اور خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ چند ہی لمحوں بعد زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں ساتھی بھی وہیں ڈھیر ہو گئے۔

اس طرح دولت کی ہوس نے تینوں کی جان لے لی۔ بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے: لالچ بُری بلا ہے۔

۶ دودھ میں پانی

کہتے ہیں کہ ایک گوالا تھا جو ایک پہاڑ کے دامن میں رہتا تھا۔ وہاں اس نے بہت سی گائیں پال رکھی تھیں جو دن بھر ادھر ادھر چرتی رہتی تھیں۔ گوالے کا یہ دستور تھا کہ وہ صبح سویرے اور پھر شام ہونے سے ذرا پہلے دودھ دوہتا اور پھر دودھ میں ڈھیر سارا پانی ملا دیتا اور شام کے اندھیرے میں قریبی قصبے میں پہنچتا اور دودھ بیچتا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ دودھ خالص ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ سراسر غلط تھا۔ دودھ کے اکثر گاہک شکایت کرتے کہ دودھ پتلا ہے۔ لوگوں نے گوالے کو بیسیوں بار کہا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا کرو مگر گوالا ان کی بات ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس پانی ملا دودھ بیچ بیچ کر بہت سارا روپیا جمع ہو گیا۔ اس نے اس رقم سے مزید گائیں خرید لیں۔ اب اس کے پاس گائیوں کا ایک بڑا گلہ جمع ہو گیا۔ اب اس نے دودھ میں پہلے سے بھی زیادہ پانی ملانا شروع کر دیا۔ لوگ شکایت کرتے مگر وہ کسی شکایت پر کان نہ دھرتا۔ اس کا لالچ بڑھتا گیا۔ اب وہ اکڑ اکڑ کے چلتا تھا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ پہاڑ کے دامن سے ایک سیاہ گھٹا اٹھی جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھا گئی۔ گوالا سیاہ گھٹا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ بادل خوب برسے گا اور ہر طرف ہریاول ہی ہریاول ہو جائے گا۔ اس کی گائیں خوب گھاس

کھائیں گی اور موٹی تازی ہو جائیں گی اور دودھ بھی زیادہ دیں گی۔ اس طرح اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

بادل گرجا اور برسنا شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو اور زمین نے پانی اگلنا شروع کر دیا ہو۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ پہاڑ سے پانی کا ریلا آنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر بڑھا کہ ہر شے کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ گوالے کی تمام گائیں اور اس کے گھر کا سارا ساز وسامان بھی تنکوں کی طرح بہ گیا۔

خدا خدا کر کے سیلاب تھما۔ گوالے کا گھر بار سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔ اب گوالے کے پاس ایک بھی گائے نہ بچی تھی۔ گوالا ہر شخص سے کہتا پھرتا تھا: ''میں نے اپنی زندگی میں ایسا سیلاب کبھی نہ دیکھا تھا۔ نامعلوم اتنا پانی کہاں سے آ گیا۔''

ایک عقل مند نے کہا: ''یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اس پانی کو سیلاب بنایا اور تمھیں بے ایمانی اور بددیانتی کی سزا دی۔''

سچ ہے: بے ایمانی اور بددیانتی کی سزا ضرور ملتی ہے۔

۷ ہَرنی کی دُعا

شام قریب تھی۔ سبکتگین اپنے دن بھر کے فرائض سے فارغ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ شہر سے نکلا۔ جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، دماغ تر وتازہ ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شکار کی تلاش میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑایا مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج غروب ہونے کے آثار نظر آئے۔ فوراً شہر کی طرف باگ موڑ دی اور جنگل کو طے کرنے لگا۔

ناگہاں سبکتگین کی نظر ایک ہَرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ شکاری جب شکار دیکھ لیتا ہے تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ سبکتگین نے اپنے سدھائے ہوئے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے مالک کے اشارے پر اُچھلا اور آن واحد میں اس نے ہرنی کو جا لیا۔ ہَرنی نے شکاری کو دیکھا تو وہ چوکڑی بھرتی ہوئی جنگل کی طرف بھاگی مگر ہَرنی کا بچہّ وہیں رہ گیا۔ سبکتگین نے سوچا، خالی ہاتھ جانے سے تو بہتر ہے کہ اس بچےّ ہی کو پکڑ لیا جائے۔ چناں چہ وہ گھوڑے سے نیچے اترا، بچےّ کو پکڑا، اُس کی ٹانگیں باندھیں اور گھوڑے پر رکھ کر سوار ہو گیا۔

گھوڑا شہر کے قریب پہنچا۔ سبکتگین کو پیچھے سے ایک آہٹ سی سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ہَرنی اپنے بچےّ کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ماں کی محبت دیکھ کر سبکتگین کا دل پسیجا۔ شاید اسے اپنی ماں سے بچھڑنے کا غم یاد آ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا۔ ہَرنی کے بچےّ کی ٹانگیں کھولیں اور اسے زمین پر چھوڑ دیا۔ بچہّ دوڑا اور اپنی ماں سے جا ملا۔ ماں اسے چاٹ رہی تھی، پیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی سبکتگین کی طرف دیکھ کر منھ آسمان کی طرف اٹھاتی جیسے کچھ دعا مانگ رہی ہو۔

سبکتگین کچھ دیر تک یہ نظّارہ دیکھتا رہا مگر جب اس نے دیکھا کہ ہر طرف اندھیرا بڑھ رہا ہے اور سورج غروب ہو چکا ہے تو اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور جلد ہی شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے محل میں جا پہنچا۔

دن بھر کا تھکا ماندہ تو تھا ہی، بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ اسے خواب میں ایک بزرگ نظر آئے جنھوں نے سبکتگین کو بتایا: ''بارگاہِ خداوندی میں ہرنی کی دعا قبول ہوگئی ہے، اب تُو اور تیری اولاد ایک طویل مدت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔''

بزرگ یہ خوش خبری سنا کر چلا گیا تو سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔ دن بھر کے واقعات اس کی نظروں کے سامنے آگئے، جن میں ہرنی کے بچّے کو آزاد کرنا اور ہرنی کا کبھی سبکتگین اور کبھی آسمان کی طرف منھ کر کے دیکھنے کا واقعہ بھی شامل تھا۔

پیارے بچو! یہی وہ سبکتگین ہے جس نے اپنے والد الپ تگین کے مرنے کے بعد بڑی شان وشوکت کے ساتھ غزنی پر حکومت کی اور پھر اس کے بعد اس کا بیٹا حکمران بنا جسے دنیا محمود غزنوی کے نام سے جانتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:

نیکی کا اجر ضرور ملتا ہے۔

۸ احسان کا بدلہ احسان

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک مسافر کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آواز کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر ہے جو جُھنڈ کے کنارے پڑا ہے اور تکلیف کے مارے کراہ رہا ہے۔ مسافر نے غور کیا تو دیکھا کہ شیر کے ایک پاؤں میں پہاڑی کیکر کا کانٹا چبھا ہوا ہے جو پاؤں کے آر پار ہو گیا ہے۔ مسافر کے دل میں خیال آیا کہ جو ہو سو ہو شیر کو اس تکلیف سے نجات دلانی چاہیے۔ چناں چہ اس نے ہمّت کی اور ڈرتے ڈرتے شیر کے پاؤں میں سے کانٹا نکال دیا۔ کانٹے کا نکلنا تھا کہ شیر نے مسافر کی جانب شکر گزاری کی نظروں سے دیکھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور جلد ہی جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب اس کہانی کا دوسرا حصّہ سنیے۔ ہوا یوں کہ بادشاہ نے ایک آدمی کو اپنا دشمن جان کر یہ سزا سنائی کہ اسے بھوکے شیر کے پنجرے میں ڈال دیا جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن یہ کیا، بھوکے شیر نے بجائے اس کے کہ اس شخص کی تکا بوٹی کر کے اسے کھا جائے، اس کے پاؤں چاٹنا شروع کر دیے۔ ارد گرد کے لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے آ کر بچشمِ خود دیکھا اور جو سنا تھا، اسے سچ پایا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے اور میرے حضور پیش کیا جائے۔ جب معتوب شخص کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ بھوکے شیر نے تمھیں کھانے سے انکار کر دیا ہے اور تمھارے پاؤں چاٹ رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے بادشاہ کو بتایا:

> ''جہاں پناہ! کچھ عرصہ پہلے میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو مجھے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی، جیسے کوئی جانور بہت تکلیف میں ہو۔ میں نے دیکھا تو وہ ایک شیر تھا، جس کے پاؤں میں پہاڑی کیکر کا ایک بہت بڑا کانٹا چبھا تھا اور جو پاؤں میں آر پار ہو گیا تھا۔ میں نے ہمّت کر کے شیر کے پاؤں میں سے کانٹا نکال دیا تو شیر کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو آ گئے اور وہ درد سے نجات پا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ آج جب مجھے شیر کے پنجرے میں ڈالا گیا تو شیر نے مجھے کھانے سے انکار کر دیا۔ دراصل یہ وہی شیر ہے جس پر میں نے احسان کیا

تھا۔ آج شیر نے مجھے احسان کا بدلہ دیا ہے۔"

بادشاہ اس شخص کی داستان سن کر بڑا متاثر ہوا اور اس نے اس شخص کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا درباری بنالیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ: احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

۹ نادان کی دوستی

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک امیر آدمی تھا۔ اس کا پیشہ تجارت تھا۔ تجارت کرنے میں اس نے بہت دولت کمائی۔ وہ تجارت کرنے کی غرض سے سامانِ تجارت لے کر اپنے ملک سے کسی دوسرے ملک کو جایا کرتا تھا۔ اسے جانور پالنے کا بہت شوق تھا، چناں چہ اس نے ایک بندر پال رکھا تھا، جس کے ساتھ اسے والہانہ لگاؤ تھا۔ بندر بھی اپنے مالک سے بہت محبت کرتا تھا۔

ایک بار یوں ہوا کہ امیر آدمی اپنے سامانِ تجارت کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سفر کرتے کرتے دوپہر ہوگئی اور سورج نے اپنا جلال دکھانا شروع کیا۔ تاجر نے ایک گھنے درخت کے نیچے عارضی پڑاؤ ڈالا۔ وہ تھکا ہارا تو تھا ہی، اس لیے جلد سو گیا۔ بندر نے اپنے مالک کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا تاکہ وہ آرام سے سو جائے۔ بندر نے دیکھا کہ ایک مکھی ہے جو بار بار مالک کے چہرے پر آ بیٹھتی ہے۔ وہ اسے اڑا دیتا مگر بھی پھر آ جاتی ہے۔ بندر مکھی کی حرکت سے تنگ آ جاتا ہے۔ بندر نے مکھی کو پنکھے کی مدد سے اپنے مالک کے چہرے سے دور رکھنے کی کوشش کی لیکن شاید وہ مکھی بڑی ڈھیٹ تھی، باز نہ آئی۔ اس پر بندر کو غصہ آ گیا۔ بندر نے مالک کا خنجر اٹھا لیا اور سوچا کہ اگر اس بار مکھی چہرے پر بیٹھی تو وہ اس کو جان سے مار دے گا۔ جونہی مکھی آئی اور مالک کے چہرے پر بیٹھی تو بندر نے خنجر سے مکھی پر زور کا وار کیا۔ مکھی اڑ گئی مگر یہ کیا، خنجر کے وار سے مالک کی ناک کٹ گی اور وہ لہولہان ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مالک نے اسی وقت میان میں سے تلوار نکال لی اور بندر کا سر تن سے جدا کر دیا۔

نتیجہ: نادان کی دوستی جی کا جنجال ہے۔

۱۰ عادت کی خرابی

کہتے ہیں کہ کسی دریا میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ایک کچھوا رہتا تھا۔ وہ بالعموم پانی میں ہی رہتا مگر کبھی کبھی گھاس پھوس یا جڑی بوٹیاں کھانے کی غرض سے دریا کے کنارے آ نکلتا۔ اس دریا کے کنارے ایک بچھو بھی رہتا تھا۔ ایک دن کچھوا دریا سے باہر نکلا ہوا تھا۔ بچھو نے اسے دیکھا تو کچھوے کے نزدیک آیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد دونوں کی دوستی ہوگئی۔ بچھو کہنے لگا، یار! ہمیں بھی دریا کی سیر کراؤ۔ کچھوے نے ہامی بھر لی اور کہنے لگا تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ، میں پانی میں اتر جاؤں گا۔ پروگرام کے مطابق بچھو کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور کچھوا دریا کی سطح پر تیرنے لگا۔ کچھ دیر بعد کچھوے کو کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ کچھوے نے بچھو سے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ بچھو نے جواب دیا کہ میرے ڈنک کی آواز ہے۔ میں تمھاری پیٹھ پر ڈنک مار رہا ہوں۔ کچھوے نے پوچھا میں تمھیں دریا کی سیر کرا رہا ہوں اور تم میری پیٹھ پر ڈنک مار رہے ہو، یہ کیا معاملہ ہے؟ بچھو کہنے لگا، یہ میری عادت ہے، میں ڈنک

مارے بغیر نہیں رہتا۔ اسی لمحے کچھوے نے دریا میں غوطہ لگایا تو بچھو پانی میں گر گیا اور لگا ڈوبنے۔ بچھو نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟
کچھوے نے کہا، یہ میری عادت ہے۔ اس طرح بچھو پانی میں بہ گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔
نتیجہ: فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

١١ نااتفاقی کا انجام

پرانے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک کسان کے پاس بڑے بڑے سینگوں والے دو بیل تھے۔ کسان بیلوں سے خوب کام لیتا مگر انھیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہ دیتا۔ بیل کافی کمزور ہو گئے اور ان کی پسلیاں نظر آنے لگیں۔ ایک دن جب دونوں بیل کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ یہ کسان ہماری جان لے کر چھوڑے گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے بھاگ چلیں، شاید اس طرح ہماری جان بچ جائے۔ جب دونوں بیلوں نے بھاگنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو ایک بیل نے اپنے دانتوں سے دوسرے کی رسیاں چبا ڈالیں اور دوسرے بیل نے پہلے کی۔ اس طرح دونوں بیل آزاد ہو گئے اور پو پھٹنے سے پہلے ہی کسان کے ڈیرے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قریبی جنگل کی راہ لی۔

وہ جس جنگل میں پہنچے وہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ دونوں بیلوں کو کھلی فضا راس آ گئی۔ کچھ ہی دنوں میں دونوں بیل موٹے تازے ہو گئے۔ ان دونوں میں بڑا اتفاق تھا۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے قریب چرتے اور کبھی کوئی افتاد پڑتی تو اس کا مقابلہ باہمی اتفاق سے کرتے اور بڑے چین سے رہتے۔

ایک دن ایک شیر ادھر آ نکلا۔ اس نے دو موٹے تازے بیل دیکھے تو شکار کرنے کی غرض سے ایک بیل پر حملہ آور ہوا۔ جونہی دوسرے بیل نے دیکھا تو اس نے شیر کو اپنے سینگوں پر لے لیا۔ شیر اس حملے کی تاب نہ لایا اور زخمی ہو کر اپنی جان بچانے کو بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح شیر نے کئی کئی دنوں کے وقفے سے ایک بیل کو شکار کرنا چاہا مگر وہ جب بھی کسی ایک بیل پر حملہ کرتا تو دوسرا بیل اسے سینگ مارتا چناں چہ وہ ہر بار ناکام رہا۔

اسی جنگل میں ایک لومڑی بھی رہتی تھی۔ اس نے یہ ماجرا دیکھا تو ایک دن موقع پا کر شیر سے کہنے لگی: ''آپ میری مدد کے بغیر بیلوں کا شکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ میرا حصہ دینے کا وعدہ کریں تو میں ان کا شکار کروا سکتی ہوں۔'' شیر نے ہامی بھر لی۔ شیر سے رخصت ہو کر لومڑی ایک بیل کے پاس گئی اور دوسرے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ پھر وہ دوسرے بیل کے پاس گئی اور پہلے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ اس طرح لومڑی نے دونوں بیلوں میں بدگمانی پیدا کر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر لومڑی شیر کے پاس گئی اور اسے خوشی خوشی بتایا کہ اس نے دونوں بیلوں میں نااتفاقی پیدا کر دی ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کریں گے۔ آپ آسانی سے انھیں اپنا شکار بنا سکتے ہیں۔ چناں چہ شیر نے ایسا ہی کیا۔ شیر ایک بیل کو شکار کر کے ہڑپ کر گیا اور چند روز کے بعد دوسرا بیل بھی بڑی آسانی سے شیر کا شکار بن گیا۔ اس طرح دونوں بیلوں نے نااتفاقی سے اپنی جان گنوائی۔

نتیجہ: نااتفاقی کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

۱۲ عقل مند بیوی

آج سے ڈیڑھ دو سو سال پہلے کا ذکر ہے کہ دِلّی شہر میں ایک بُڑھیا رہتی تھی۔ دراصل وہ کٹنی تھی اور اپنے آپ کو تجن ظاہر کرتی تھی اور سادہ لوح عورتوں کو لوٹنے کے لیے نت نئے حربے اپناتی تھی۔ ایک دن شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ بڑھیا لاٹھی ٹیکتی بھرے بازار میں جا نکلی اور ایک بزاز کی دکان پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے ہانپتی بڑھیا کو پانی پلایا اور گاہکوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہوگیا۔ بڑھیا بھی بیٹھی رہی اور بزاز اور گاہکوں کی گفت گو سنتی رہی۔ جب گاہک چلے گئے تو بزاز نے اپنے نوعمر ملازم سے کہا کہ یہ لو برقع، اسے گھر میں دے دینا اور کہنا کہ بڑے صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے، وہ نکال کر دے دیں ایک گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برقع لیا اور دکان سے گھر کی طرف چل دیا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور ملازم کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں باتوں میں بزاز کے گھر کا پتا دریافت کرلیا۔ اچانک بڑھیا کو ایک چال سوجھی۔ ملازم سے بولی، میرے اچھے بیٹے! میں تمھاری دکان پر اپنا پاندان بھول آئی ہوں، جس میں میری نقدی کی پوٹلی بھی ہے۔ ذرا دوڑ کر جائیو، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برقع مجھے پکڑا دو اور دیکھو جلدی آنا میں یہیں کھڑی تمھارا انتظار کرتی ہوں۔ بے چارہ ملازم بڑھیا کی باتوں میں آگیا۔ اس نے برقع بڑھیا کو تھما دیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت جانا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی بزاز کے گھر پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ بزاز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: بڑی بی! کیا بات ہے؟

بڑھیا نے کہا: یہ لو برقع! تمھارے شوہر نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے بڑے صندوق میں سے کپڑے کا تھان نکال کر دے دو، گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کررہا ہے۔

بزاز کی بیوی نے برقع لے لیا اور کہا: تُو جانے کون ہے، میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔ بڑھیا نے بہتیرا کہا: میں سیدھی دکان سے آرہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا اس لیے مجھے ہی آنا پڑا، مگر بزاز کی عورت ٹس سے مس نہ ہوئی اور کسی صورت بھی تھان دینے پر رضامند نہ ہوئی بلکہ جب بڑھیا نے برقع واپس مانگا تو وہ بھی واپس دینے سے انکار کردیا۔

بڑھیا نے سوچا کہ یہ عورت میرے فریب میں نہیں آئے گی۔ اگر ملازم پہنچ گیا تو اس کے فریب کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اسے پولیس کے حوالے ہونا پڑے گا، چناں چہ چپکے سے رفو چکر ہوگئی اور بزاز کی عقل مند بیوی لٹنے سے بچ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے: پاک رہو، بے باک رہو۔

خاکے کی مدد سے کہانی لکھنا

۱ کوّے کا انتقام

کوّوں کا جوڑا درخت پر۔۔۔ درخت کی جڑ میں سانپ۔۔۔ سانپ کوّوں کے بچّے کھا گیا۔۔۔ کوّی نے درخت چھوڑنے کو کہا۔۔۔ کوّا نہ مانا۔۔۔ کوّا شاہی محل کی منڈیر پر آ بیٹھا۔۔۔ کھونٹی پر ہار دیکھا۔۔۔ ہار چونچ میں دبایا اور محل پر جا بیٹھا۔۔۔ کوّوں نے شور مچایا۔۔۔ پیادے دوڑے۔۔۔ کوّا اُڑ کر اپنے درخت پر۔۔۔ سانپ جھوم رہا تھا۔۔۔ کوّے نے ہار پھن میں ڈال دیا۔۔۔ پیادے آ پہنچے ۔۔۔ سانپ بل میں گھس گیا۔۔۔ پیادوں نے بل کھود ڈالا۔۔۔ سانپ کو مار دیا اور ہار لے کر چلے گئے۔۔۔ خوب انتقام لیا۔۔۔

۲ نیبو نچوڑ

ہوٹل میں مہمان کھانے پر۔۔۔ نیبو نچوڑ کی آمد۔۔۔ مہمان کی پلیٹ میں نیبو نچوڑ کر۔۔۔ کھانے کا مزہ نیبو ہی سے ہے۔۔۔ آؤ تم بھی کھاؤ ۔۔۔ آپ کی مہربانی۔۔۔ کھانے میں شریک۔۔۔ کھا پی کر چلتا بنا۔۔۔ مہمان کو ڈبل بل دینا پڑا۔۔۔ نیبو نچوڑ ۔۔۔ بے شرم۔۔۔ مفت خور اور بے غیرت۔۔۔

۳ ایسے کو تیسا

حلوائی کی دکان پر۔۔۔ دیہاتی کی آمد۔۔۔ مٹھائی کا آرڈر۔۔۔ حلوائی ڈنڈی مارتا ہے۔۔۔ یہ مٹھائی وزن میں کم ہے۔۔۔ تمھیں زیادہ وزن نہ اٹھانا پڑے گا۔۔۔ دیہاتی پیسے دیتا ہے۔۔۔ یہ تھوڑے ہیں۔۔۔ تمھیں کم گننا پڑیں گے۔۔۔

۴ انگور کھٹّے ہیں

بھوکی لومڑی۔۔۔ انگوروں کا باغ۔۔۔ بیلوں کی اونچائی۔۔۔ لومڑی کی اچھل کود۔۔۔ انگوروں تک رسائی نہ ہو سکی۔۔۔ تھک گئی ۔۔۔ چل دی۔۔۔ انگور کھٹّے ہیں۔۔۔

۵ دو بکریاں

ندی۔۔۔ پل کے بجائے صرف ایک لٹھ۔۔۔ ایک بکری اِدھر سے آئی۔۔۔ دوسری اُدھر سے آئی۔۔۔ لٹھ کے درمیان میں ملاپ۔۔۔ نہ پیچھے مڑ سکتی ہے نہ آگے جا سکتی ہے۔۔۔ ایک بکری بیٹھ گئی۔۔۔ دوسری اس کے اوپر سے گزر گئی۔۔۔ پہلی بکری اٹھی اور آرام سے کنارے پر پہنچ گئی ۔۔۔

۶ بے وقوف کچھوا

ایک تالاب۔۔۔ کچھوے اور دو مرغابیوں کی دوستی۔۔۔ تالاب سوکھنے لگا۔۔۔ نئے تالاب کی فکر۔۔۔ مرغابیاں وداع ہونے لگیں

۔۔۔ کچھوا گھبرا گیا ۔۔۔ مرغابیوں نے ایک لکڑی لی ۔۔۔ لکڑی کے دونوں سرے دونوں نے چونچوں میں دبائے ۔۔۔ کچھوا بیچ میں لٹک گیا ۔۔۔ لوگوں کی ہنسی ۔۔۔ کچھوے نے منھ کھولا ۔۔۔ زمین پر گر پڑا ۔۔۔

۷ جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے

سوداگر ۔۔۔ حج کا ارادہ ۔۔۔ سو من لوہا ۔۔۔ دوست ۔۔۔ دوست کی نیت میں خرابی ۔۔۔ لوہا چوہے کھا گئے ۔۔۔ سوداگر کی حیرانی ۔۔۔ ترکیب کا سوجھنا ۔۔۔ دوست کی دعوت ۔۔۔ دوست کے بچّے کو چھپا لینا ۔۔۔ بچّے کو چیل لے گئی ۔۔۔ دوست کا نادم ہونا ۔۔۔ اخلاقی سبق ۔۔۔

۸ گیدڑ کی مکّاری

جنگل میں گیدڑوں کا غول ۔۔۔ گیدڑوں کا ہاتھی کو دیکھنا ۔۔۔ ہاتھی کے گوشت کھانے کی ترکیب کرنا ۔۔۔ ہاتھی کو اپنا سردار تسلیم کرنا ۔۔۔ ہاتھی کو دلدل سے گزرنے کا مشورہ دینا ۔۔۔ ہاتھی کا دلدل میں دھنس جانا ۔۔۔ تمام گیدڑوں کا مل کر ہاتھی کو شکار کرنا ۔۔۔

۹ شیر کا گھر

بڑھئی ۔۔۔ جنگل میں پنجرا بنانا ۔۔۔ شیر کا آنا ۔۔۔ بڑھئی سے گفت گو ۔۔۔ شیر کا گھر بنا رہا ہوں ۔۔۔ شیر کا پنجرے میں داخل ہونا ۔۔۔ بڑھئی کا بیٹے سے لوٹے میں ابلتا گرم پانی لانے کا کہنا ۔۔۔ شیر کے اوپر ڈالنا ۔۔۔ شیر کا فرار ۔۔۔ دیگر شیروں کے ساتھ آنا ۔۔۔ بڑھئی کی حاضر دماغی ۔۔۔ ''لوٹا لاؤ'' ۔۔۔

۱۰ اتفاق کی برکت

شکاری کا جال ۔۔۔ بھوکے کبوتروں کا غول ۔۔۔ دانہ نظر پڑا ۔۔۔ زمین پر اُتر آئے ۔۔۔ جال میں پھنس گئے ۔۔۔ شکاری دیکھ کر خوش ہو گیا ۔۔۔ جال کی طرف بڑھا ۔۔۔ کبوتر پھڑ پھڑائے ۔۔۔ جال سمیت اڑ گئے ۔۔۔ شکاری دیکھتا رہ گیا ۔۔۔

۱۱ دیانت داری کا صلہ

دیانت دار لکڑ ہارا ۔۔۔ دریا کنارے درخت ۔۔۔ کلہاڑے کا دریا میں گر جانا ۔۔۔ افسوس ۔۔۔ فرشتۂ غیبی کا نمودار ہونا ۔۔۔ سونے کا کلہاڑا ۔۔۔ چاندی کا کلہاڑا ۔۔۔ لوہے کا اپنا کلہاڑا ۔۔۔ انعام ۔۔۔ دیانت داری کا صلہ ۔۔۔

مضمون نگاری

اظہارِ مطلب کے دو ہی طریقے ہیں: ایک تقریر، دوسرا تحریر۔ تقریر کا تعلق زبان سے ہے اور تحریر کا قلم سے۔ دونوں صورتوں میں بیان کا مربوط ہونا ضروری ہے۔ اگر بیان مربوط ہو تو تحسین کے لائق ہے ورنہ نفرین کا سزاوار۔ اس لیے جو مضمون بیان کرنا یا لکھنا ہو، اسے سوچیے، مواد کو وسعت دیجیے اور ایک مؤثر ترتیب سے مرتب کیجیے۔

جب مضمون کا مواد جمع اور مربوط ہو جائے تو اسے مختصر سی تمہید کے ساتھ زیبِ قرطاس کیجیے۔ زبان کو روزمرہ اور محاورے کی چاشنی سے آراستہ کیجیے اور خدا کا نام لے کر لکھتے جائیے۔ قرآنی آیات، احادیث، قول اقوال اور برمحل و موزوں اشعار بھی مضمون کے حسن کو بڑھا دیتے ہیں، مگر ان کی شمولیت آٹے میں نمک کے برابر ہو۔

مضمون کو نہایت درجہ خوش خط لکھیے تا کہ آسانی سے درست طور پر پڑھا اور سمجھا جا سکے۔ مضمون کو مکمل کر لینے کے بعد ایک دفعہ ضرور پڑھیے تا کہ وہ الفاظ جو لکھنے میں چھوٹ گئے ہوں، دوبارہ لکھے جا سکیں۔ املا کی غلطیاں بھی درست کی جا سکیں اور وہ خیالات جو لکھنے سے رہ گئے ہیں اور پڑھتے ہوئے یاد آئے ہیں، انھیں بھی تحریر کیا جا سکے۔

اقسام: ہر مضمون زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مضمون کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ادبی : ایسے مضامین جو ادب سے متعلق ہوں مثلاً: کسی ادبی مجلس کی کارکردگی، شعرا کے لطائف۔ شعر و سخن وغیرہ

اخلاقی : ایسے مضامین جو اخلاق سے متعلق ہوں جیسے: انصاف، صلۂ رحمی، سچائی کا بول بالا، نیکی اور پارسائی وغیرہ

معاشرتی: ایسے مضامین جو معاشرت سے متعلق ہوں مثلاً: اتفاق و اتحاد، گداگری، جہیز ایک لعنت ہے، رسوم و روایات، اطاعتِ والدین، تعلیمِ نسواں، حُبِ وطن، یومِ آزادی، محنت کی برکات، پابندیِ وقت، خوشامد، اپنی مدد آپ، تمباکو نوشی کے نقصانات، برسات کا موسم، سیلاب اور زلزلے کی تباہ کاریاں وغیرہ

سوانحی : ایسے مضامین جو کسی شخصیت کے احوال سے متعلق ہوں جیسے: سرسیّد احمد خاں، علامہ اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ، مادرِ ملّت فاطمہ جناحؒ، لیاقت علی خاں، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ

سیاسی : ایسے مضامین جن کا تعلق سیاست سے ہو جیسے: جمہوریت، آمریت اور مسئلۂ کشمیر وغیرہ

سائنسی : ایسے مضامین جو سائنس سے متعلق ہوں جیسے: انفارمیشن ٹیکنالوجی، ٹیکنیکل ایجوکیشن، ٹیلی وژن، موبائل فون، کمپیوٹر دورِ حاضر کی ضرورت اور سائنس کے کرشمے وغیرہ

تاریخی : ایسے مضامین جن کا تاریخ سے تعلق ہو جیسے: ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ، تحریکِ آزادی وغیرہ

جغرافیائی: وہ مضامین جو زمیں اور اہلِ زمیں کے حالات سے متعلق ہوں جیسے: جاپان کے لوگ، آتش فشاں پہاڑ، سیم اور تھور، زلزلے اور سیلاب کی تباہ کاریاں وغیرہ

۱ آبِ زَم زَم

مکہ معظمہ کی مسجد الحرام سے صرف ۲۰ میٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق کی جانب حجر اسود کی سیدھ میں ایک کنواں واقع ہے جس کو بیرِ زَم زَم کہتے ہیں۔ بیر عربی میں کنویں کو کہتے ہیں۔ یہ کنواں کعبہ شریف سے بھی قدیم ہے اور اس کی گہرائی کے بارے میں پہلے قیاس تھا کہ ۱۴۰ فٹ ہے لیکن حالیہ پیمائش پر یہ ۲۰۷ فٹ گہرا پایا گیا۔ ممکن ہے پانی کی مسلسل نکاسی کی وجہ سے یہ نیچا ہو گیا ہو۔ مسلمانوں کے نزدیک اس کا پانی متبرّک ہے۔ نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے ہمیشہ قبلہ رُو اور کھڑے ہو کر پیا اور ایک خصوصی دعا فرمائی:

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، ایک ایسے علم کا جو فائدہ دینے والا ہو اور ایسے رزق کا جو مجھے کھلے دل سے عطا کیا جائے اور مجھے تمام بیماریوں سے شفا مرحمت فرما!"

آج سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے کہ آج کل جہاں مکّہ مکرمہ کا متبرّک شہر آباد ہے۔ وہاں ریت اور جھلسی ہوئی پہاڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ دُور دُور تک کسی جاندار کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو ان کے نومولود بچے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے ہمراہ مکّے کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئیں۔ جب یہ قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچا تو اس صابر وشاکر خاتون نے اپنے مجازی خدا سے صرف ایک بات پوچھی: "کیا ہمارا یہاں آنا اور رہنا اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہے؟" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مطمئن ہو گئیں کہ اب ان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ جو اُن کو وہاں لایا ہے، وہی ان کی خبر گیری بھی کرے گا۔

ماں اپنے ننھے شیر خوار کو لیے ایک پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔ سورج بلند ہوتا گیا۔ دھوپ کی تیزی بڑھتی گئی۔ زمین تپ گئی۔ گرم لُو کے تھپیڑے آنے لگے۔ پانی کی چھاگل خشک ہونے لگی اور ذرا دیر میں سوکھ گئی۔ ماں بچّے کے ہونٹ سوکھے، پھر زبان خشک ہوئی۔ ماں گھبرائی۔ ننھا سسکنے لگا۔ ماں کے ہوش اڑ گئے۔ اپنی پیاس بھول گئی۔ بچّے کی حالت دیکھ کر تڑپی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ ریت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا آسمان کو دُور پایا۔ نیچے دیکھا زمین کو تنور پایا۔ ان حالات میں حضرت ہاجرہ بے ساختہ پکاریں:

"میرے رب! پانی پانی! ایک گھونٹ، ایک قطرہ۔ میرے لیے نہیں، میرے بچّے کے لیے۔ شیر خوار اسماعیل کے لیے! اے ابراہیم علیہ السلام کے خدا! اس جنگل میں، اس بیابان میں، اس ریگستان میں، آگ کو گلستاں بنانے والے! اس آگ کے دریا میں پانی کا چشمہ بہا! میرے ننھے کو پانی کا ایک قطرہ عطا فرما! اللہ میاں! مجھے اپنی جان کی پروا نہیں، اس ننھی جان پر کرم فرما!"

آخر کار بچّے کی حالت نہایت نازک ہو گئی۔ حضرت ہاجرہ پریشانی کے عالم میں کبھی صفا کی پہاڑی پر جا کر دیکھتیں اور کبھی مروہ پہاڑی پر چڑھ کر نظر دوڑاتیں کہ شاید کہیں پانی یا کوئی شخص نظر آ جائے، جس سے وہ مدد لے سکیں۔ وہ اسی طرح صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان دوڑ رہی تھیں کہ چھے پھیرے مکمل ہو گئے۔

ساتویں مرتبہ اللہ سے دعائیں کرتی ہوئی دوڑیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔ انھوں نے فوراً اسے مخاطب کر کے نیکی کے نام پر مدد کی درخواست کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور انھوں نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو زمین سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ ساتویں مرتبہ اللہ سے دعا کرتی ہوئی دوڑیں اور واپس آئیں تو دیکھا کہ بچّے نے بے تابی سے

جہاں ایڑیاں ماریں اور رگڑی تھیں، وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے گھبراہٹ میں پتھر جمع کر کے اس کے اردگرد ایک دائرہ سا بنالیا تا کہ پانی ضائع نہ ہو اور کچھ دنوں کے لیے ذخیرہ ہو جائے اور پانی پر ہاتھ رکھ کے فرمایا: ''زَم زَم'' یعنی (اے پانی) ٹھہر جا، ٹھہر جا۔ اسی سے چشمے کا نام بھی ''زَم زَم'' ہو گیا اور اس کا پانی آبِ زم زم کہلایا اور مقدس پانی گردانا گیا۔

حضرت ہاجرہ نے اسی چشمے کے پاس اپنی رہائش اختیار کر لی۔ چند روز ہی گزرے تھے کہ صحرانشین بدوؤں کا ایک قافلہ قریب سے گزرا۔ انھوں نے اڑتے اور چہچہاتے ہوئے پرندے دیکھے تو قیاس کیا کہ اس مقام پر کہیں پانی ہے۔ پانی کی تلاش و جستجو انھیں حضرت ہاجرہ کے پاس لے آئی۔ حضرت ہاجرہ کے پاس پہنچ کر انھوں نے پانی کی اجازت طلب کی۔ آپ کی اجازت سے ان لوگوں نے خود بھی پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔ پانی کی فراوانی دیکھ کر وہ بدو حضرت ہاجرہ کی اجازت سے اپنے خیمے نصب کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

اس کے بعد یہ ماجرا ہوا کہ لوگ آتے گئے اور آباد ہوتے گئے اور یوں ایک شہر آباد ہو گیا۔ پہلے پہل خیموں کا شہر تھا، پھر لوگوں نے پتھروں اور مٹی سے مکانات کی تعمیر شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم شہر وجود میں آ گیا۔ یہ وہی شہر تھا جسے آج مکّہ مکرمہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان اضطراری حالت میں سات چکر لگائے تھے۔ آپ کی وہ ادا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اسے باری تعالیٰ نے حج و عمرہ کا لازمی رکن بنا دیا۔ آج تک اہلِ ایمان بی بی ہاجرہ کی طرح صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان بے تابی سے دوڑتے ہیں جسے ''سعی'' کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم جب تک مکّہ میں رہے۔ آبِ زم زم بڑے احترام کے ساتھ پیتے رہے اور جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو صلح حدیبیہ کے موقع پر منگوا کر پیا اور واپسی میں ساتھ لے کر آئے۔ ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرامؓ بھی سفرِ حج کے بعد واپسی میں آبِ زَم زَم ہمراہ لایا کرتے تھے اور یہ رواج اسی ذوق و شوق سے آج بھی جاری ہے۔

حج کے دنوں میں اور ان کے بعد حجاج اور زائرین کو پانی پلانا ہر دور میں عزّت کا باعث سمجھا جاتا رہا ہے۔ قیامِ مکّہ کے دوران میں حجّاج اپنے پینے کے لیے آبِ زَم زَم کا استعمال رغبت اور کثرت سے کرتے ہیں اور جب وہ اپنے اپنے وطنوں کو لوٹتے ہیں تو تبرّک کے طور پر آبِ زَم زَم کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمایا:

> ''زَم زَم کا پانی جس غرض سے بھی پیا جائے، اسی کے لیے مفید ہوگا۔ اگر شفا کی غرض سے پیا جائے تو اللہ اس سے شفا دے گا اور اگر سیراب ہونے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں سیراب کرے گا اور اگر تم اللہ سے کسی سلسلہ میں پناہ لینے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں پناہ دے گا۔ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کنواں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سیرابی ہے۔''

تحقیق اور سائنسی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ زَم زَم کا پانی صاف ستھرا اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور پینے کے انتہائی قابل اور عالمی معیار کے عین مطابق ہے۔ اس پانی میں یہ وصف ہے کہ یہ بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفا ہے۔ سر درد میں مفید ہے، بینائی کو تیز کرتا ہے اور یہ نیکوکاروں کا مشروب ہے۔ زَم زَم روئے زمین پر پانچ ہزار سال سے جاری ہے اور کبھی کمی واقع نہیں ہوئی اور بیرِ زَم زَم اللہ تعالیٰ کا ارضِ پاکِ عرب پر ایسا معجزہ ہے جس میں اہلِ بصیرت کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

۲ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

دنیائے اسلام میں علّامہ اقبالؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ایک شعلہ بیان شاعر، عظیم المرتبت فلسفی، مناظرِ فطرت کے پرستار، ملّت کے غم خوار اور ایک ماہرِ تعلیم تھے۔ آپ کے اشعار اور آپ کے خطبات نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے مُردہ دلوں میں حیاتِ نو کی شمع روشن کی اور ان کے منجمد جذبات کو آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکا دیا۔ کسی قوم میں آپ جیسا بے نیاز دل کا حامل باکمال شخص سیکڑوں ہزاروں سال کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی کا شعر ہے جو انھی کی ذات پر صادق آتا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کائنات کے رنگ و بو میں ایسی شخصیات آتی رہتی ہیں جو آسمانِ علم و ادب پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں اور شہرت پا کر رخصت ہو گئیں لیکن علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسی مثال آپ کو بہت کم ملے گی۔

علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ کے تاریخی شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ نور محمد ایک صوفی منش انسان تھے۔ آپ ایک ایسے شہر میں پیدا ہوئے جس میں ہر طرف اسلامی تشخص عام تھا۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں حاصل کی۔ آپ کو ابتدا میں ایک ایسا استاد ملا جو اسلامی دین داری کا قابلِ تقلید نمونہ تھا اور شمس العلما سیّد میر حسن جیسے عربی و فارسی کے ممتاز فاضل اور جیّد عالم کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ سیالکوٹ سے ایف اے کرنے کے بعد آپ لاہور چلے آئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کیے۔ یہاں آپ کو پروفیسر آرنلڈ جیسے لائق استاد سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ آپ کو بچپن ہی سے شاعری سے محبت تھی۔ لاہور میں آپ شعر و شاعری بھی کرتے رہے اور آپ نے مختلف مشاعروں میں شرکت بھی شروع کر دی، لیکن ابھی شاعری کا دائرہ محدود تھا۔ کثرتِ مطالعہ سے آپ کے دل میں علمی تحقیق کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اسی جذبے کے تحت ۱۹۰۵ء میں یورپ روانہ ہوئے۔ انگلستان سے بیرسٹری اور جرمنی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے ڈاکٹر محمد علّامہ اقبالؒ وطن واپس آئے۔

آپ نے لاہور میں وکالت کا پیشہ اپنایا مگر آپ کا اصل میدان شاعری تھا۔ انجمن حمایتِ اسلام کے اجلاس میں علّامہ اقبالؒ کے نام سے رونق آجاتی تھی۔ آپ کا ایک ایک شعر اشرفیوں میں تلتا تھا۔ آپ مسلمانوں کے زوال پر بے حد غم ناک تھے اور مسلمان نوجوانوں کو اسلام کی آن پر کٹ مرنا سکھاتے تھے۔ چناں چہ آپ نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں پاکستان کا تصور پیش کر کے نوجوانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ صدارتی خطبے میں پہلی مرتبہ اسلامیانِ ہند کے لیے آزاد مملکت کا نظریہ پیش کیا۔ گویا یہ پاکستان کا پہلا باضابطہ مطالبہ تھا، اس لیے آپ کو ''مصوّرِ پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ علّامہ اقبالؒ نے نہ صرف تصورِ پاکستان پیش کیا بلکہ اس سلسلے میں قائدِ اعظمؒ کو نہایت مفید مشورے بھی دیے۔

قیامِ یورپ کے دوران میں اقبالؒ نے مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا۔ انھیں فرنگی تہذیب کے کھوکھلے پن کا پتا چل گیا، وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ جدید تہذیب جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے، جس نے آنکھیں چندھیا رکھی ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک علّامہ اقبالؒ کی آنکھوں کو

خیرہ نہ کرسکیں۔ حالاں کہ علّامہ اقبالؒ نے زندگی کے طویل ایام یورپ میں گزارے تھے۔اس کی وجہ رسول پاک ﷺ سے علّامہ اقبالؒ کی والہانہ محبت، جذبۂ عشق اور روحانی وابستگی تھی۔ خودی، خودشناسی، تعینِ نفس، شعورِ ذات کا دوسرا نام ہے۔خودی علّامہ اقبالؒ کے نزدیک رازِ حیات ہے۔علّامہ اقبالؒ نے عرفانِ ذات پر زور دیا ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک زندگی میں نہ سوزِ ہستی ہے نہ جذبۂ عشق۔علّامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے سے خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔علّامہ اقبالؒ انھیں دوبارہ اسی مقام پر دیکھنے کے آرزومند ہیں۔علّامہ اقبالؒ کو ملّتِ اسلامیہ کی بقا متحد ہونے میں ہی نظر آتی ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

علّامہ اقبالؒ فرد اور جماعت کے رابطے کا ذکر کرتے ہیں۔ان کے خیال میں فرد کی نشوونما جماعت کے موثر آئین کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان دوسروں کے ساتھ رہ کر ہی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتا ہے، جیسا کہ ان کا کہنا ہے:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

علّامہ اقبالؒ کی شاعری میں مومن کا لفظ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے۔علّامہ اقبالؒ چاہتے تھے کہ مسلمان صحیح معنوں میں مردِ مومن بن جائے۔وہ مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کا ہر کام خدا کے لیے ہو۔وہ بلند ہوجائے اس کی ذات برائیوں اور ناانصافی کے خلاف ایک چیلنج ہو۔علّامہ اقبالؒ کا تصورِ مردِ مومن قرآن کی خالص پیداوار ہے۔جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں ، اللہ کی بُرہان!
قہاری و غفّاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اسی طرح وہ اپنے کلام میں مردِ مومن کے اوصاف کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مناظرِ فطرت اور قدرت کی تصویر کشی میں علّامہ اقبالؒ کو مہارتِ تامہ حاصل ہے۔آپ کے کلام میں نادر تشبیہات اور تراکیب کی جدّت کا انبار لگا ہوا ہے۔جوان کی وسعتِ فکر کی دلیل ہے۔قوم نے آپ کو ترجمانِ حقیقت، شاعرِ مشرق، حکیم الامت کے القاب سے نوازا۔حکومتِ برطانیہ نے انھیں ''سر'' کا خطاب دیا۔مگر علّامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کے بخیے ادھیڑ دیے۔آپ کا کلام اردو فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔انھوں نے اس قدر بلند خیالات کا اظہار کیا کہ ایران اور دنیا بھر کے شاعروں اور فلسفیوں نے موجودہ زمانے کو عصرِ اقبال کہہ کر عقیدت کے پھول پیش کیے۔بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کا نصف حصّہ، ان کے اردو شعری مجموعے ہیں جب کہ فارسی میں پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، مثنوی اسرار ورموز اور ارمغانِ حجاز کا نصف حصّہ شامل ہے۔

علاّمہ اقبالؒ نے اپنے بوڑھے وفادار خادم علی بخش کی گود میں آخری سانس لی اور عالمِ اسلامی میں پھیلے ہوئے دوستوں، شاگردوں اور قدردانوں سے منھ موڑ کر اور ان کو سوگوار چھوڑ کر دین و ادب کا آفتابِ عظمت، جس نے دلوں کو حرارت عطا کی تھی۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کا آفتاب نکلنے سے پہلے غروب ہوگیا۔ آپ کے جسدِ خاکی کو بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں ہزاروں لوگ ہر روز اس بطلِ جلیل کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

۳ قائدِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ

ایک مغربی مؤرّخ نے بابائے قوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''دنیا میں فقط چند افراد ہی ایسے ہوئے ہوں گے جنھوں نے انفرادی طور پر معنی خیز انداز میں تاریخ کے دھارے کو تبدیل کر دیا ہو۔ شاید گنتی کے چند لوگ ہی ہوں گے جنھوں نے دنیا کے نقشے میں ترمیم کر دی ہو اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے کسی بکھری ہوئی قوم کو ایک بنا کر اسے ایک ملک دے دیا ہو۔ محمد علی جناحؒ نے یہ تینوں کارنامے انجام دیے۔''

محمد علی جناحؒ جنھیں تمام پاکستانی اپنا محسن سمجھتے ہیں اور ''قائدِ اعظم'' اور ''بابائے قوم'' کے القاب سے یاد کرتے ہیں، ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو وزیر مینشن کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام پونجا جناح اور والدہ کا نام مٹھی بائی جناح تھا۔ آپ کے والد، جو گجرات کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے، کراچی میں چمڑے کی تجارت کرتے تھے اور خوش حال تھے، چناں چہ آپ کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر ہوا۔ جب آپ چھے سال کے ہوئے تو آپ کو کراچی کے سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخل کرادیا گیا۔ جہاں سے آپ نے چودہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کرلیا۔ آپ ایک ہونہار اور ذہین طالب علم تھے اور حصولِ علم کا وافر شوق رکھتے تھے۔ جب آپ نے میٹرک پاس کر لیا تو آپ کے والد آپ کو اپنے ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کا کاروبار چمکے مگر آپ کے والد کے ایک مخلص دوست نے محمد علی جناحؒ کی لیاقت دیکھ کر انھیں مشورہ دیا کہ بچے کو اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ بھیجنا چاہیے چناں چہ آپ کے والد نے آپ کو لندن بھیج دیا۔ جہاں سے آپ نے لنکنز ان یونیورسٹی (Lincolns Inn University) سے بارایٹ لا کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران میں آپ کا گھرانا کراچی سے ممبئی منتقل ہو چکا تھا۔ چناں چہ آپ بھی ممبئی چلے گئے اور ۲۴ر اگست ۱۸۹۶ء کو آپ نے ہائی کورٹ کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرایا اور اس کے ساتھ ہی لا کی پریکٹس شروع کر دی۔ بہت ہی کم عرصے میں آپ نے اپنے رفیقانِ کار سے اپنی لیاقت کا لوہا منوالیا اور آپ کا شمار ممبئی کے چوٹی کے وکیلوں میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ کے لیے آپ نے بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل کے ساتھ کام کیا پھر عارضی طور پر ریذیڈنسی مجسٹریٹ ہوگئے۔ بعدازاں آپ کو پندرہ سو روپے ماہوار کے سرکاری عہدے کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے انکار کر دیا کہ بہت کم عرصے میں اتنی رقم تو میں ایک دن میں کمانے کے قابل ہو جاؤں گا۔

محمد علی جناحؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے سیاست سے خاصی دلچسپی تھی۔ آپ کے سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں زیادہ تر طالب علم زمین پر کانچ کی گولیوں سے کھیلتے تھے جس سے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے۔ آپ نے طالب علموں سے کہا کہ وہ کانچ کی گولیوں سے نہ کھیلیں بلکہ انھیں کرکٹ کھیلنے کی طرف راغب کیا۔

جب آپ ممبئی میں وکالت کر رہے تھے تو آپ کانگریسی لیڈر دادا بھائی نوروجی سے متاثر تھے اور آپ بھی کانگریس کے بڑے فعال ممبر تھے کیونکہ اس وقت کانگریس ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم تھی مگر جب ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو آپ نے بھی آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ بمبئی کے مسلم حلقے سے پارلیمانی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۱۳ء تک مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کیا۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۹ء تک آپ ہندو، مسلم اتحاد کے حامی تھے اور ''ہندو، مسلم اتحاد کے سفیر'' کہلاتے تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ کانگریس تو ہندوستان میں ہندو راج کے لیے کام کر رہی ہے تو آپ نے کانگریس سے استعفا دے دیا اور مسلم لیگ کو توانا بنانے کے کام میں لگ گئے۔

محمد علی جناحؒ ایک بے باک اور نڈر لیڈر تھے اور فہم و فراست اور جرأت و حق گوئی و بے باکی کی عمدہ مثال سمجھے جاتے تھے بقول علّامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ:

آئینِ جواں مرداں ، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۹۱۶ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو لکھنؤ میں ۳۰ اور ۳۱ر دسمبر کو منعقد ہوا، آپ کی سیاسی خدمات کی بنا پر آپ کو شان دار خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۶ء کا ''میثاقِ لکھنؤ'' جو ہندو مسلم اتحاد کی آخری کوشش تھا، آپ ہی کی کوششوں سے ظہور پذیر ہوا تھا مگر آپ کانگریس کے متعصّبانہ رویّے سے بہت دل برداشتہ ہوئے اور آپ نے نہرو رپورٹ کے جواب میں ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے انگریزی حکومت کو کچھ مطالبات پیش کیے جنھیں تاریخ میں ''قائدِ اعظمؒ کے چودہ نکات'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس الٰہ آباد کے مقام پر ہوا جس کی صدارت علّامہ اقبالؒ نے کی اور انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسلم انڈیا وِدِاِن اِنڈیا (Muslim India within India) کی تجویز پیش کی جسے بعد ازاں دو قومی نظریہ یا نظریۂ پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس دوران میں قائدِاعظمؒ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جا چکے تھے اور وہ برِعظیم کے معاملات سے اس قدر دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ انھوں نے لندن ہی میں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا مگر علّامہ اقبالؒ نے انھیں پے در پے کئی خط لکھے اور انھیں جتایا کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمان بڑے نازک دور سے گزر رہے ہیں اور آپ ہی ان کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ قائدِاعظمؒ نے علّامہ اقبالؒ کے مشورے کی بہت قدر کی اور انھوں نے دو قومی نظریے کے تحت مسلمانوں کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو جب لاہور کے منٹو پارک، جسے اب اقبال پارک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، میں قائدِ اعظمؒ کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا تو متفقہ طور پر قرار دادِ پاکستان منظور کر لی گئی، جس میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ اور آزاد مملکت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قائدِ اعظمؒ کی مسلسل جاں فشانیوں کے بعد بالآخر حکومت برطانیہ اور کانگریس نے ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اسی روز قائدِ اعظمؒ نے آل انڈیا ریڈیو سے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کے الفاظ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خداداد پاکستان وجود میں آ گئی۔ قوم نے اپنے عظیم محسن کی گراں قدر خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ''قائدِ اعظم'' اور ''بابائے قوم'' اور ان کی بہن فاطمہ جناح کو، جو جدوجہد آزادی میں اپنے بھائی کی شریکِ کار تھیں، ''مادرِ ملّت'' کے القاب دیے۔

قائدِاعظمؒ کی کوششوں کے نتیجے میں ملنے والی آزادی نے دس کروڑ مسلمانوں کو آزاد قوموں کی صف میں لاکھڑا کیا اور آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرّر ہوئے۔

نئی مملکت کے طور پر ابتدا میں بھارت نے پاکستان کی راہ میں بڑے روڑے اٹکائے اور پاکستان کو بڑی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جن میں سے مسئلۂ کشمیر آج تک موجود ہے جس کے تفصیلی بیان کا شاید یہ موقع نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ قائدِاعظمؒ کو ملک کا نظم ونسق چلانے میں دن رات جس قدر محنت کرنا پڑی اُس نے آپ کی صحت کو بُری طرح متاثر کیا۔ ہر چند ڈاکٹروں نے آپ کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنی صحت کی پروا نہ کی اور ملک کے لیے کام کرتے رہے لیکن تابہ کے، آخر ۱۱رستمبر ۱۹۴۸ء کو راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ قوم نے اپنے محسن کے شایانِ شان کراچی میں ایک عظیم مقبرہ تعمیر کروایا جو آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔ قائدِاعظمؒ تو ہم سے رخصت ہو گئے لیکن ان کا لافانی کردار آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران
اے قائدِاعظمؒ! تیرا احسان ہے، احسان

۴ حُبِّ وطن

وطن سے محبت کا جذبہ کوئی مصنوعی چیز نہیں بلکہ یہ ایک فطری چیز ہے جو پیدا نہیں کی جاتی بلکہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان دنیا میں جہاں مرضی گھومے پھرے، مگر جو آرام وسکون اُسے اپنے گھر میں نصیب ہوتا ہے، کہیں اور میسّر نہیں آسکتا۔

وطن گہوارہ ہے۔ وطن ایک جنم بھومی کا نام ہے۔ جس کی زمین، ہوا اور ماحول میں انسان پیدا ہوتا، کھیلتا اور جوان ہوتا ہے۔ وہیں اس کے ماں باپ، بہن بھائی، ہمدرد اور غم گسار موجود ہوتے ہیں۔ انسان کو ان سب چیزوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ ان سے جدا ہوتے ہی مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے۔ اس لیے وطن کو سوہنی دھرتی کا نام دیا جاتا ہے:

جنّت سے کہیں بڑھ کے حسیں، میرا وطن ہے
ہم سر ہے فلک کی جو زمیں، میرا وطن ہے

وطن ایک گھر ہے، جس سے انسان کی محبت ایک فطری امر ہے۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جانور اور پرندے بھی شام کو اپنے ٹھکانوں اور گھونسلوں میں واپس پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں وہیں سکون ملتا ہے، جہاں ان کا گھر ہوتا ہے۔ گویا حُبِ وطن ایک ایسا جوہر ہے جو ہر انسان اور حیوان میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ اپنے وطن کی مٹی عزیز ترین متاعِ حیات ہے۔ دیس کے کانٹے سُنبل اور ریحان کے پھولوں سے زیادہ دلکش محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کی رسالت مآب ﷺ نے جذبہ حبِ وطن کو 'جزوِ ایمان' قرار دیا ہے۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنے وطن مکۂ مکرمہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ جب آپ ﷺ نے وہاں سے مدینے کو ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ دُکھی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے شہرِ مکّہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے مکّہ! تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے، لیکن کیا کروں تیرے بیٹے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔''

عربی کا مشہور قول ہے کہ: حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

جس شخص کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ انگڑائی نہیں لیتا وہ جانور ہے۔ کوئی شخص دوسرے ملک میں کتنا ہی خوش وخرم کیوں نہ ہو پھر بھی وطن کی یاد ضرور ستاتی ہے۔ اُسے اپنے وطن کی کچی گلیاں لندن اور پیرس کی آراستہ وپیراستہ سڑکوں سے زیادہ حسین معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افغان اور مغل بادشاہ ہندوستان جیسے زرخیز اور عظیم الشان ملک میں ہونے کے باوجود ایک آدھ دفعہ اپنے وطن ضرور جایا کرتے تھے۔ گویا وطن کی فضاؤں میں جو اپنائیت ہے، وہ پردیس میں محسوس نہیں ہوتی، خواہ انھیں جنّت کا سا دلکش ماحول ہی کیوں نہ میسر آ جائے۔

اسی پس منظر میں میر انیس نے کیا خوب کہا ہے:

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
جانے وہی بلبل ، جو بچھڑ جائے چمن سے

وطن کی محبت ایک نعرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے بڑے تقاضے ہیں۔ اگر وطن کا ذرّہ ذرّہ عزیز ہے تو قدم قدم پر خون بہانا پڑتا ہے۔ اگر اہلِ وطن کے دل ودماغ میں وطن کی محبت رچی بسی ہو تو وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اپنے وطن میں تحفّظ کا احساس اور اس کی قدر و قیمت صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جنھیں ابھی تک دوسروں کی محکومی کرنا پڑ رہی ہے جیسے بوسنیا، کشمیر اور فلسطین کے مظلوم لوگ اپنی ذات کے لیے نہیں لڑ رہے بلکہ نظریاتی احساس کے حوالے سے ایک آزاد وطن کے لیے مصروفِ جہاد ہیں۔ خصوصاً اہلِ وطن جب دیارِ غیر میں چلے جاتے ہیں تو وہاں انھیں اپنے وطن کی یاد ستاتی اور تڑپاتی ہے اور اس طرح وہ دن رات اپنے وطن کو یاد کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ تڑپ اور لگن اس قدر سر اُٹھاتی ہے کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اور انسان یہ سوچتا ہے کہ کاش ایسا ہو جائے کہ وہ پلک جھپکتے ہی میں اپنے وطن پہنچ جائے۔

حبِ وطن رکھنے والے اپنے وطن کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں اپنے وطن سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ ہوتا ہے، وہ اپنے وطن میں رُوکھی سُوکھی کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

ایک دَور تھا جب مسلمان برِعظیم پر قابض تھے۔ پھر آہستہ آہستہ مسلم حکومت زوال پذیر ہوئی تو انگریز قابض ہو گئے۔ ہمارے آباواجداد نے حصولِ وطن کے لیے کتنی قربانیاں دیں۔ اپنا گھر بار، کاروبار، مال و اسباب، یہاں تک کہ آل و اولاد تک قربان کر دیے۔ لوگوں سے ان کے عزیز بچھڑ گئے۔ وہ پاک دامن خواتین جن کی عفّت کی فرشتے بھی قسمیں کھاتے تھے، وہ بے آبروئی کے سمندر کی بے رحم موجوں کے رحم وکرم پر تھیں۔ غرض یہ کہ اپنا وطن پاکستان حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اب ۷۵ سال گزر جانے کے بعد ہمارا وطن بفضلِ تعالیٰ ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ یہ سب کس کے طفیل ہوا؟ یہ سب کچھ انھی پرخلوص لوگوں نے کیا جن کو اپنے وطن سے سچی محبت تھی۔

سر سیّد احمد خانؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، علامہ اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ، فاطمہ جناحؒ یہ سب وطن کی محبت سے سرشار نظر آتے ہیں۔ انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے، اس کی زمین اور آسمان اُسے زندگی اور راحت بخشتا ہے۔ اسے آخر وطن سے محبت کیوں نہ ہو، اس کی گلیوں میں اس کا بچپن گزرا۔ اس کے درختوں نے اُسے جھولا جھلایا۔ سورج اسے نیند سے جگاتا تھا۔ تارے اُس سے باتیں کرتے تھے۔ چاند اُسے دیکھا اور اپنے پاس بلایا کرتا تھا۔ وطن کے ندی نالوں کے جھرنے اسے گیت سناتے تھے۔ اسی لیے جب استاد ابراہیم ذوق کو دکن کے حکمران نے گراں قدر

مشاہرے پر حیدر آباد (دکن) میں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے دِلّی کی گلیوں کو دکن کے محلات پر ترجیح دی۔ چناں چہ اُن کا شعر ہے:

اگر چہ دکن میں بہت ہے آج کل قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر

پاکستان ہمارا وطن ہے جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا۔ اس مُلک کے لیے ماؤں نے اپنے بیٹوں کو، بہنوں نے بھائیوں کو، بیویوں نے اپنے سہاگ اور ننھے بچّوں نے اپنے والدین کو وطن کے نام پر قربان کیا۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے خون کے دیپ جلا کر اس وطن کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ وہ وطن ہے جس کے نظّاروں میں جنّت کی بہاروں کا حُسن اور جس کی زمیں فلک کی ہم سری کا دعویٰ کرتی ہے۔

آج گویا پاکستان ایک حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے مگر دُشمن نے اسے دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ ہمیشہ اس موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس وطن عزیز کو تاخت و تاراج کرے، لیکن وطن کے رکھوالے غافل نہیں۔ وہ بازوؤں میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ جو اس ارضِ مقدس کی طرف نظرِ بد سے دیکھے، اس کی آنکھیں نکال دیں اور ان پاؤں کو توڑ دیں جو اس پاک سرزمین کو تاراج کرنے کے لیے آگے بڑھیں:

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں
تیری بنیادوں میں ہے لاکھوں شہیدوں کا لہو
ہم تجھے گنجِ دوعالم سے گراں پاتے ہیں

۵ یومِ آزادی

۱۴ر اگست ''یومِ آزادی'' کہلاتا ہے۔ اس روز اہلِ پاکستان اپنی آزادی کی سال گرہ مناتے ہیں۔ یہ دن ہر سال آزادی، حریّت اور استقلال کا پیغامبر بن کر آتا ہے۔ جس سے جدوجہدِ آزادی کی یاد پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی آزادی کے دن کو ہمیشہ غیر معمولی اہمیّت دیتی ہیں اور اسے شایانِ شان طریقے سے مناتی ہیں۔ پاکستان بھر میں ۱۴ر اگست کا دن ہمارے لیے ایک قومی تقریب کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر سال انتہائی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

آج کے دن آزاد ہوئے ہم
آج کے دن سب دُور ہوئے غم

برِعظیم پاک و ہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت کمزور ہوتی گئی اور انگریزوں کا، جو اس ملک میں تجارت کی غرض سے آئے تھے، اقتدار بڑھتا گیا اور وہ رفتہ رفتہ ملک کے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مغلیہ سلطنت کا چراغ، جو مدت سے ٹمٹما رہا تھا، ہمیشہ کے لیے گُل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی انگریز پوری طرح ملک پر مسلّط ہو گئے۔

انگریزوں نے حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینی تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ مسلمانوں سے بدگمان رہتے تھے کہ اگر انھیں موقع مل گیا تو یہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے اس بدگمانی کو اور مستحکم کر دیا، لہٰذا

انھوں نے مسلمانوں کی قوّت کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ اس کے برعکس وہ ہندوؤں کی پشت پناہی کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمان روز بروز پستی میں گرتے چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں زندگی کے ہر شعبے میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے۔

مایوسی اور بددلی کے اس نازک دور میں بعض دردِ دل رکھنے والے مسلمان رہنماؤں نے قوم کو تباہی سے بچانے کا بیڑا اُٹھایا۔ سر سیّد کا نام ان رہنماؤں میں سرفہرست ہے۔ انھوں نے قوم کو بیدار کرنے اور ترقی کی راہ پر چلانے کے لیے جدوجہد شروع کی۔ قوم نے جھرجھری لی۔ آنکھیں کھولیں۔ اپنی زبوں حالی کی طرف نگاہ ڈالی اور اللہ کا نام لے کر اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آزادی کی تحریک کی ابتدا آل انڈیا کانگریس نے کی جس کے بانی ایک انگریز تھے۔ جن کا نام اے او ہیوم (A.O.Hume) تھا۔

کانگریس کی تمام جدوجہد کا مقصد بظاہر ہندوستان کی آزادی تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مسلمان، ہندو اور سکھ وغیرہ چونکہ سبھی اسی دھرتی کے سپوت ہیں، اس لیے انھیں ہندوستان کی آزادی کی خاطر مل کر جدوجہد کرنی چاہیے اور جب آزادی حاصل ہو جائے گی تو یہاں ایک ایسی جمہوری اور قومی حکومت قائم کی جائے گی جس کو چلانے میں باشندگانِ ملک کا آبادی کے لحاظ سے برابر کا حصّہ ہوگا۔

کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک ہندوؤں کی عیّاری اور مسلمانوں کی سادگی اور صاحبِ نظر رہنماؤں سے محرومی کی بدولت روز افزوں ترقی کرتی گئی اور متحدہ قومیّت کا تصور کچھ اس طرح مسلمانوں میں رچنے لگا کہ وہ اسلامی تہذیب و روایات سے منحرف ہونے لگے۔ اس قسم کے افسوس ناک مناظر دیکھنے میں آئے کہ مسلمان ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگے جانے کو علّامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مصداق اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے:

تھا جو ناخُوب بتدریج وہی خُوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

برعظیم کے مسلمانوں پر جلد ہی یہ بات عیاں ہوگئی کہ کانگریس تو صرف ہندو راج کے لیے کوشاں ہے چناں چہ کانگریس کے یک طرف رویّے سے مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ انھیں بھی اپنی ایک الگ پارٹی بنانی چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکے لہٰذا ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا تھا۔

مسلمان رہنماؤں کو جب یقین ہو گیا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی ترقی کسی طرح گوارا نہیں اور وہ اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کو رعایتیں دینا تو درکنار ان کے جائز حقوق تک دینے کے لیے تیار نہیں تو انھوں نے اپنے ذہن میں الگ وطن کا نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ اس آزاد اسلامی وطن کا واضح تصور سب سے پہلے حضرت علّامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں پیش کیا۔ اس وقت مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ الٰہ آباد میں منعقد ہوا۔ علّامہ اقبالؒ اس کے صدر تھے۔ انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا:

''میری نگاہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی کش مکش کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے انھیں ملا کر انگریزی حکومت کے زیرِ اثر یا اس سے آزاد ایک سلطنت قائم کر دی جائے جس میں مسلمان اپنے مذہب، اپنی روایات اور اپنے تمدن کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کریں۔''

اس وقت مسلمانوں کو جس قسم کا انقلابی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی، اس کا صحیح احساس پیدا کرنے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا شرف نمایاں طور پر دو شخصیتوں کو حاصل ہوا۔ ایک علّامہ محمد اقبالؒ اور دوسرے قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ اگر ایک ہستی نے اپنے نغمۂ جاں سوز سے

مسلمانانِ ہند کے اندر ایک نئی روح پیدا کر دی تو دوسری ہستی نے اپنے فکر و عمل سے مسلمانوں کے عزائم کو تحریک بخشی اور بالآخر اہلِ زمانہ نے وہ دن بھی دیکھا جب کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرے کا طلسم پاش پاش ہو کر رہا اور مسلمانانِ ہند نے اپنی شاندار تہذیب کو زندہ رکھنے اور اُسے پنپتا ہوا دیکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور ۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء کو اقبال پارک لاہور میں ایک قرارداد پیش کی جس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

یہ ساری کاوشیں تھیں، دین کی، ایمان کی خاطر
ہزاروں کلفتیں تھیں، ایک پاکستان کی خاطر

اسلامی تہذیب وتمدن کی برتری پر یقینِ کامل ہی کا نتیجہ تھا کہ ارضِ ہندوستان راس کماری سے لے کر پشاور تک پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے نعروں سے گونج اٹھی اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی چلائی ہوئی تحریک پاکستان اپنے اسلامی تصوّرات ونظریات کے سبب مسلمانانِ ہند کے دلوں میں اتر گئی۔

تحریکِ پاکستان راستے کی صبر آزما مشکلات کے باوجود قائدِ اعظمؒ کی اعلیٰ قیادت اور اسلامیانِ ہند کی جرأت واستقامت کی بدولت عروسِ کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور ۱۴ / اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا ظہور ہوا اور لاکھوں مسلمان اپنے عزیز و اقارب اور گھر بار کو چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔

پاکستان کو وجود میں آئے ۷۵ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آج تک یومِ پاکستان ہر سال نہایت شان وشوکت اور جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ ملک بھر میں عید کا سماں نظر آتا ہے۔ بچّے، بوڑھے اور عورتیں اس جشن میں بھرپور حصّہ لیتے ہیں۔ رات کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ یومِ پاکستان اس قدر جوش وخروش سے اور جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حصولِ آزادی کی جدوجہد پھر سے ذہنوں میں تازہ ہو جاتی ہے:

آزادی کا ہر لحظہ پیامِ اَبدیت
محکومی کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات

۶ اطاعتِ والدین

(ماں باپ کے ساتھ سلوک)

اللہ تعالیٰ کے بعد والدین ہی اولاد کے سب سے بڑے مُربی ومحسن ہیں۔ جس طرح کسی بھی مذہب میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے رُو گردانی جائز نہیں، اسی طرح والدین کی نافرمانی بھی روا نہیں۔ اسی بنا پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ احترام بھی والدین کا کیا جاتا ہے۔

دنیاوی رشتے داروں میں والدین کی قدر ومنزلت سب سے اہم ہے اور ماں باپ کا سایہ اولاد کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اولاد کو دنیا کی ہر نعمت مُیَسّر آسکتی ہے مگر ان کے سر سے والدین کا سایہ اٹھنے کے بعد والدین کی محبت اور شفقت کسی قیمت پر نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ

ہے کہ سمجھ دار لوگ اپنے والدین کی درازیِ عمر کی دعا مانگتے، اُن کی عزّت وتکریم کرتے اور ان کا ہر حکم فرمانِ الٰہی سمجھ کر سر آنکھوں پر لیتے ہیں۔

ماں باپ دونوں ہی واجب الاحترام ہیں مگر ان میں بڑا درجہ ماں کا ہے، اس کی وجہ ادنیٰ سے تامُّل کے بعد سمجھ میں آجاتی ہے۔ ماں بچّوں کو اپنی کوکھ سے جنم دیتی ہے، ان کو دو ڈھائی سال تک دودھ پلاتی ہے، اپنی گود میں لیے رہتی ہے، انھیں لوریاں سناتی ہے اور اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔ بچّہ کسی وجہ سے رونے لگے تو بے چین ہوجاتی اور امکان بھر بچّے کے رونے کا مداوا کرتی ہے۔

روایت ہے کہ کسی صحابی نے رسولِ کریم ﷺ سے دریافت کیا: ''میری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟'' تو رحمتِ دو عالم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: "تمھاری ماں۔'' پوچھا: "اس کے بعد؟'' ارشاد ہوا: "تمھاری ماں۔'' صحابی نے پوچھا: "اس کے بعد؟'' پھر ارشاد ہوا: ''تمھاری ماں۔'' اور چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا: ''تمھارا باپ۔'' اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد پر ماں کی خدمت کا حق اتنا فائق ہے کہ کوئی بھی شخص کما حقہٗ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ بچّے کی پرورش کے ضمن میں ذرا ماں کی ذمہ داریوں پر غور کیجیے: ماں اپنے بچّے کی خاطر جو تکلیفیں اٹھاتی ہے، اُن کا تصوّر بھی محال ہے۔ خدانخواستہ بچّہ بیمار پڑ جائے تو ماں کی جان پر بن آتی ہے اور جب تک وہ اپنے بچّے کو صحت یاب نہ دیکھ لے، سکھ کا سانس نہیں لیتی اور کھانا پینا بھول جاتی ہے۔ بچّہ ماں کی نظروں کے سامنے ہنستا کھیلتا رہتا ہے تو اس کے دل کی کلی کھلی رہتی ہے۔ بچّے کی خوشی ماں کی خوشی اور بچّے کا غم، ماں کا غم ہے۔ اگر بچّہ کسی شے کے حصول کے لیے ضد کرنے لگتا ہے تو ماں ہزار جتن کرتی ہے اور بچّے کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کرتی ہے، چاہے خود اسے بھوکا رہنا پڑے۔ جس خلوص اور محبت کے ساتھ ماں بچّے کی تعلیم و تربیت کرنے کا فریضہ نبھاتی ہے یہ صرف اسی کا حصّہ ہے۔ اس لیے ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جنّت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔'' لیکن یہ جنّت اولاد میں سے اُسی کے حصّے میں آئے گی جو دل و جان سے ماں کی فرماں برداری کرے گا لیکن ماں باپ کا سایہ اولاد کے سروں پر ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اس لیے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے سروں پر ماں کا سایہ ہے اور بدقسمت ہیں وہ لوگ جو ماں کے سائے کے ہوتے اُن کی دعاؤں سے محروم ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی ماں کا سایہ اُس وقت اٹھ گیا تھا جب وہ حصولِ علم کی غرض سے جرمنی میں مقیم تھے، چناں چہ انھوں نے کس حسرت سے کہا:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دُعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا !

ماں کے ساتھ ساتھ باپ بھی اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کے خواب بُنتا ہے اور اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے ہر وہ کام کرتا ہے جو اس کے امکان میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو اُن کے سامنے اُف بھی نہ کرو اور نہ ان کو جھڑک کر جواب دو بلکہ احترام کے ساتھ بات کرو اور ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما! جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا پوسا تھا۔''

اطاعتِ والدین کے موضوع کا لبِ لباب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کی روزی میں کشادگی ہو، اس کو چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔''

چناں چہ اولاد پر لازم آتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس لیے اولاد اپنے والدین کی مطیع و فرماں بردار اور خدمت گزار رہے اور ان کے ادب، اطاعت اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں ذرّہ بھر بھی غفلت نہ کرے کہ اولاد کے لیے دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔

۷ شجر کاری کی اہمیّت و افادیت

شجر کے معنی درخت اور کار کے معنی کام کرنا کے ہیں، چناں چہ شجر کاری کے معنی ہوئے درخت لگانے کا وہ کام جس کو انسان اپنے ہاتھوں انجام دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ روزِ اوّل ہی سے انسان اور درخت کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہے کہ انسان درخت کو اپنا ایسا دوست شمار کرتا ہے جس کے بغیر وہ جینے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ قدرت کے نظام ہی کے تحت درخت انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے لیے فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب اور آکسیجن فراہم کرتے ہیں، جس سے ہم سانس لیتے ہیں۔ اگر درخت اور پودے نہ ہوں تو ہم سانس بھی نہ لے سکیں۔ علاوہ ازیں یہ درخت اور پودے ہی تو ہیں جو ہمیں خوراک، رہائش، ادویات، فرنیچر اور بہت سی دوسری چیزیں فراہم کرتے ہیں۔ اگر روئے زمین پر درختوں کی ہریالی اور سرسبزی و شادابی نہ ہو تو ہماری زندگی اجیرن ہو جائے۔ یہ درخت ہی تو ہیں جو انسان کے غارت گر ہاتھوں سے پیدا ہونے والی فضائی، زمینی، آبی اور شور کی آلودگی کو کنٹرول کرتے اور انسان کو جینے کا قرینہ سکھاتے ہیں۔ درخت پرندوں اور جانوروں کا گھر، ان کا مسکن اور ان کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

روئے زمین پر پھیلے ہوئے جا بجا درخت اور جنگل بنی نوع انسان کے لیے قدرت کا اَن مول تحفہ ہیں۔ درخت نہ صرف سایہ فراہم کرتے ہیں بلکہ یہ ماحولیات کی آلودگی کو کم کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچاؤ اور زمین کے کٹاؤ کو روکنے کا بھی اہم ذریعہ ہیں۔

درخت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو موسمیاتی تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ درختوں کی بدولت بارش کا موجب بننے والے بادل وجود میں آتے ہیں اور انھی کی بدولت بادل برستے ہیں۔ ہمارا وطنِ عزیز پاکستان اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے چاروں موسموں: گرمی، سردی، بہار اور خزاں سے نوازا ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ہمارے ملک میں صرف چار فی صد حصّے پر جنگلات موجود ہیں جو انتہائی کم ہیں اور بڑی تشویش ناک بات ہے جب کہ ہمارے ملک کے مقابلے میں ایران میں ۷ فی صد، بھارت میں ۲۳ فی صد چین میں ۲۲ فی صد اور روس میں ۴۴ فی صد رقبہ جنگلات پر مشتمل ہے۔

آج دنیا کے کچھ ممالک کو گلوبل وارمنگ کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ جس میں پاکستان بھی شامل ہے۔ گلوبل وارمنگ میں اضافے کا ایک بڑا سبب درختوں کا بے تحاشا کٹاؤ بھی ہے۔ درختوں کے بے تحاشا کٹاؤ سے فضا میں آکسیجن کم اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زیادہ ہو رہی ہے۔

درخت چونکہ کاربن ڈائی اکسائیڈ بطور خوراک استعمال کرتے ہیں لہذا اگر درختوں کا کٹاؤ اسی رفتار سے جاری رہا تو کاربن ڈائی اکسائیڈ کا اضافہ انسانی صحت کے لیے خطرناک حد تک پہنچ جائے گا اور گلوبل وارمنگ کے اثرات زیادہ ہو جائیں گے کیونکہ ہمارے ملک میں گلوبل وارمنگ سے بچاؤ کے لیے کوئی قابلِ ذکر ٹیکنالوجی موجود نہیں اس لیے حکومت کو لازم ہے کہ وہ شجر کاری مہم کا آغاز کرے اور عوام الناس کو شجر کاری مہم کے متعلق ایک آگاہی مہم جاری کرے۔ پھر جو درخت لگیں ان کے بڑھنے تک ان کی حفاظت کرے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہمارے ملک میں گلوبل وارمنگ کے اثرات کم ہو سکیں گے۔

آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ شجر کاری کے لیے بھی دنیا میں جدید طریقے آ چکے ہیں۔ جن مین ڈرون کے ذریعے سے شجر کاری کی جاتی ہے۔ یہ ڈرون فضا سے زمین پر بیج پھینکتے ہیں جن کے ذریعے سے کم وقت میں ایک وسیع وعریض رقبے پر شجر کاری کا عمل انجام دیا جا سکتا ہے۔ کئی ملکوں مثلاً جاپان اور سری لنکا نے اس ٹیکنالوجی سے، جو ہاتھ سے شجر کاری کے مقابلے میں دس گنا زیادہ تیز اور سُود مند ہے اور رقم بھی بے حد کم خرچ ہوتی ہے، بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

ہر محب وطن پر، چاہے وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو، لازم آتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو، اپنی دسترس میں رہ کر شجر کاری ضرور کرے۔ شجر کاری ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور قرآن مجید میں مختلف حوالوں سے اشجار (درختوں) کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں درخت کو اپنی رحمت قرار دیتے ہوئے اس کا ذکر اسی طرح کیا ہے:

''وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا، جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعے سے کھیتیاں اُگاتا ہے۔ زیتون، کھجور، انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے بھی درخت لگانے اور ان کی پرورش و نگہداشت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

- ''جو شخص درخت لگائے، اس کے بعد اس کی نگہداشت، حفاظت اور نگرانی کر کے (اسے) مکمل پھل دار درخت کی صورت میں بڑا کر دے تو اس کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔''
- ''جو مسلمان درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے اور اسے انسان جانور اور پرندے کھالیں تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔''

شجر کاری کے حوالے سے ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

- ''قیامت قائم ہو رہی ہو اور کسی کو شجر کاری کا موقع ملے تو وہ (اس) موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔''

ان تمام باتوں کا لبِ لباب یہ ہے کہ یہ صرف حکومت ہی کا نہیں بلکہ ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ہم درختوں سے، جو اللہ کی مخلوق کے لیے انتہائی فیض رساں ہیں، والہانہ پیار کریں۔ درختوں کو تلف کرنا گناہ سمجھیں اور جہاں تک ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں اور ان کی اس طرح حفاظت کریں جس طرح والدین اپنی اولاد کی کرتے ہیں لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم میں سے کچھ ناسمجھ لوگ پودوں کو روندنے اور درختوں کے ساتھ ظلم کرنا روا رکھتے ہیں۔ اے کاش! ایسا نہ ہو۔

۸ ٹیکنیکل ایجوکیشن

مولانا حالی نے کسی زمانے میں کس قدر درست کہا تھا:

کمالِ کفش دوزی علمِ افلاطوں سے بہتر ہے
یہ وہ نکتہ ہے جس کو سمجھے افشائی نہ اشراقی

مفہوم یہ ہے کہ علمِ کفش دوزی (جوتے بنانے کا علم) افلاطون (یونانی فلسفی) کے علم سے بہتر ہے اور یہ چیز وہ نکتہ ہے جو افشائی اور اشراقی (ایرانی فلسفیوں) کی سمجھ میں نہیں آئے۔ دراصل شاعر نے اس شعر میں علم اور ہنر کا موازنہ کیا ہے اور ہنر کو بے عمل علم پر فوقیت دی ہے۔ اسی شاعر نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کا سبب بیان کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ کہا ہے:

ہر اِک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہورِ دنیا ہوئے وہ
ہر اک ملک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

یعنی کہ مسلمانانِ عالم جب تک عملی فنون کے متلاشی رہے، ان کا شمار اقوامِ عالم میں سب سے بلند مرتبے پر ہوتا رہا مگر جب انھوں نے اس طرف سے پہلوتہی کی، وہ اپنے مرتبے سے نیچے گرتے چلے گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام عالمِ اسلام بالعموم اور پاکستان کے نوجوان بالخصوص اسی طرف بھرپور توجہ دیں تا کہ ان کو وہ اقوامِ عالم میں پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ حاصل کر سکیں۔

ہر چند تعلیم اور ہنر بظاہر دو متضاد چیزیں ہیں لیکن دونوں کا تعلق عقلِ انسانی سے ہے۔ تعلیم یعنی حصولِ علم ایک نعمتِ الٰہی اور ایک ایسی دولت ہے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لے آتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ علم و ہدایت کا پیکر بن کر آئے اور دنیا کے اندھیرے کو علم کے نور سے روشن کر دیا۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اہلِ علم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔'' (الزمر: آیت ۹)

یعنی اسلامی تعلیمات میں دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے حصول پر زور دیا گیا ہے۔ دنیاوی علوم سے مراد وہ تعلیم ہے جو ہم اپنے تعلیمی اداروں میں حاصل کرتے ہیں۔ اس زُمرے میں سائنس، ریاضی، انجینئرنگ، ڈاکٹری، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ تمام علوم شامل ہیں، جن کے حصول میں بلا دریغ زندگی کا ایک بڑا حصّہ اور لاکھوں روپے خرچ کر دیے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر طالب علموں کا مقصد ڈگری کا حصول ہوتا ہے۔ جس کے بعد وہ نوکریوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اور اپنی زندگی برباد کر لیتے ہیں۔ اگر ایک عام آدمی بے مقصد ڈگری لینے کے لیے دوڑ دھوپ کے بجائے کسی ہنر کو سیکھنے کی طرف توجہ دے تو اس کی زندگانی زیادہ کارآمد ہو۔

ہمارے ملک کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اربابِ اختیار پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کی توجہ ہنر مندی، جسے ہم ٹیکنیکل

ایجوکیشن یا فنی تعلیم کہتے ہیں، کی طرف مبذول کرے اور اس ضمن میں سہولتیں پیدا کرے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک نے فنی تعلیم از قسم : چمڑا سازی، دھات سازی، زراعت، چوب کاری، ظروف سازی اور کپڑا سازی وغیرہ کی تعلیم کو اپنی عمومی تعلیم کا حصہ بنا کر اس پر بھرپور توجہ دی، وہاں معاشی ترقی کی شرح زیادہ کہیں زیادہ ہے۔

ٹیکنیکل ایجوکیشن کسی بھی معاشرے کے معاشی استحکام کی ضامن ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ فی زمانہ پاکستان میں ٹیکنیکل ایجوکیشن کی شرح صرف ۲ فی صد ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۶۲ فی صد سے بھی زیادہ ہے۔

نوجوانوں کی فنی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے حکومتی کاوشوں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سیکٹر کی شراکت بے حد اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ہمارے ملک میں سرِ دست سرکاری، پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ صرف تیس ہیں جب کہ پرائیویٹ سیکٹر میں یہ تعداد تین فی صد سے متجاوز ہے۔ اس اعتبار سے اربابِ اختیار و اقتدار کے فنی تعلیم کے شعبے میں دلچسپی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ہمارے ہونہار اور باصلاحیت طالب علموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ موسم گرما کی تعطیلات خصوصاً میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات کے بعد اگلی جماعت میں داخلہ لینے تک کا طویل عرصہ کوئی ٹیکنیکل ورک یا کام سیکھنے کا بہترین وقت ہوتا ہے۔ آپ کے گھر کے نزدیک اگر کوئی ایسا ادارہ ہے جہاں آپ کو بلا معاوضہ یا معمولی معاوضہ کے عوض ہنر سیکھنے کا موقع مل سکتا ہے تو آپ ہفتہ کے مقررہ دنوں میں یا ہر روز مقررہ اوقات میں کام سیکھنے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں۔ یہ چیز یقینی طور پر آپ کی عزّت و آبرو میں اضافے کا موجب بنے گی کیوں کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی''

یعنی اگر آپ دنیا میں معزز ہونا چاہتے ہیں تو (کسی نہ کسی کام میں) کمال حاصل کریں۔

۹ انفارمیشن ٹیکنالوجی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

علّامہ اقبال کا یہ شعر، جو انھوں نے تقریباً سو سال پہلے کہا تھا، محیّر العقول ایجادات کے پیشِ نظر آج کے زمانے پر کس قدر صادق آتا ہے۔

فی زمانہ ریڈیو، ٹیلی فون، کیلکولیٹر اور کمپیوٹر جیسی قبیل کی اہم ایجادات نے انسانی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے اور انٹرنیٹ کی ایجاد اس زندگی میں مزید انقلابات لے کر آئی ہے۔ جدید مواصلات اور پلک جھپکتے ترقی کی منازل طے کرنے کے اس جدید نظام کو اصطلاح میں انفارمیشن ٹیکنالوجی یا آئی ٹی کہا جاتا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی اصطلاح کا اطلاق، جس نے ٹیکنالوجی سیکھنے اور معلومات کی جدید ترقی میں بے پناہ امکانات پیدا کیے ہیں، دنیا بھر میں ٹیکنالوجی کی تمام ترقیوں پر ہوتا ہے۔ ٹیلی وژن حالیہ زمانے کی ایک جدید ایجاد اور ہر گھر کا ایک اہم حصہ ہے۔ آج کے دور میں ٹیلی وژن محض تفریح ہی کا وسیلہ نہیں بلکہ یہ ان کی زندگی میں بہت سی مفید معلومات کا ذریعہ بھی بن چکا ہے اور ہم گھر بیٹھے بٹھائے طرح طرح کے پروگرام اور خبریں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح کمپیوٹر جدید دور کا الٰہ دین کا چراغ یا عمرو عیار کی وہ زنبیل ہے

جس میں ہمارے لیے لامحدود اور نت نئی معلومات کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہے۔ اس مشین کا بنیادی مقصد معلومات کو یک جا کر کے ہمارے لیے مرتّب و منظّم کرنا ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا شعبہ ہو یا صحت و تندرستی کا، صنعت و حرفت کا میدان ہو یا سیاسیات و معاشیات کا، انفارمیشن ٹیکنالوجی نے ہر جگہ اس مضبوطی سے پنجے گاڑے ہوئے ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں کی ناگزیر ضرورت بن کر رہ گئی ہے جب کہ انٹرنیٹ نے دنیا کو ایک گھرانے کی مانند اس طرح باہم مربوط و منظّم کر دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ اور بات چیت بھی کر سکتے ہیں اور دفتری کام کاج کو بھی وسیع پیمانے پر پھیلا سکتے ہیں۔ یہ انٹرنیٹ ہی تو ہے جس کے ذریعے سے گھر بیٹھے دنیا بھر کی معلومات تک رسائی مؤثر انداز میں اور بآسانی ممکن ہے۔ گھر بیٹھے دنیا جہان کی کتابوں اور رسائل و جرائد کا مطالعہ ہو سکتا ہے اور گھر بیٹھے تجارتی سامان کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے۔ گویا انٹرنیٹ کے توسّط سے دنیا نے ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی شکل اختیار کر لی ہے۔ موجودہ دَور میں تیز ترین اور فوری رابطے کا ایک ذریعہ ای میل ہے جو انٹرنیٹ کی وجہ ہی سے ممکن ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی نے بلاشبہ ہماری زندگی کو آسان تر بنا دیا ہے اور ہم مڑ کر پیچھے بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ اکیسویں صدی کو انفارمیشن ٹیکنالوجی کی صدی کہا جاتا ہے اور دنیا بھر میں پل پل میں رونما ہونے والے واقعات کو بریکنگ نیوز کے نام پر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے سے برق رفتاری سے لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہے۔ چند سال پہلے کا نامہ نگار کاغذ پر نیوز لکھ کر بذریعہ ڈاک روانہ کرتا تھا جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا جب کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی سہولت سے یہ کام اب ای میل کے ذریعے سے فوری ہونے لگا ہے۔ دنیا بھر کے اخبارات کا مطالعہ، اپنی پسند کی کسی کتاب یا مواد کو اپنے ڈیسک ٹاپ سکرین یا لیپ ٹاپ یا موبائل پر تلاش کرنا اور پڑھنا اب خواب نہیں رہا بلکہ ہماری روزمرّہ زندگی کی حقیقت بن گیا ہے۔

عصرِ حاضر میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے استعمال نے ہماری قومی زبان اردو کو بھی اس نئی ترقّی سے ہم آہنگ ہونے کا حوصلہ دیا ہے۔ جو زبان پہلے قلمی کتابت کے ذریعے سے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی صورت میں عوام تک پہنچتی تھی، اب کمپیوٹر کتابت اور الیکٹرانک ذرائع سے ہم آہنگ ہو کر ترقّی کی راہیں طے کر رہی ہے۔ اردو یونیورسٹیوں کا قیام بعض خلیجی و سارک ممالک اور افریقا و امریکا میں منعقد عالمی سیمنار اور مشاعرے و مجالس، سیکڑوں ویڈیو، آڈیو پروگرام، ڈاکومینٹری، انٹرنیٹ پر دستیاب اردو کی بے شمار ویب سائٹس، امریکا، آسٹریلیا اور یورپ سے شائع ہوئے روزنامے اور رسائل و جرائد نے اس زبان کو نئی وسعت عطا کی ہے اور ایک اندازے کے مطابق دنیا میں کم و بیش اردو بولنے، سمجھنے اور لکھنے والے ایک ارب عوام اور فاصلاتی نظامِ تعلیم کے دائرے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ:

''اردو کے روئے زیبا کی کشش سے پروانے خود بخود اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔''

مرزا غالبؔ و علّامہ اقبالؔ اور فیض احمد فیضؔ نے اردو زبان کی جو وراثت چھوڑی تھی، اس پر انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میٹریل سے نئی نسل نے ایک شاندار عمارت تعمیر کی ہے اور اردو بھی دنیا کی دیگر اہم زبانوں کی طرح 21 ویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہی ہے۔ پہلے اردو زبان اور اس کی تعلیم محض ریڈیو اور ٹیلی وژن تک محدود تھی۔ ان دنوں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے سہارے اس کا دائرہ کار ورلڈ وائیڈ ویب World Wide Web کے ذریعے سے بڑھ گیا ہے اور ای لرننگ، ای ایجوکیشن، مائیکرو چپس اور ای میل کے ذریعے سے انسان نے دنیا کو ایک مٹھی میں بند کر دیا ہے اور اس زبان نے سائبر اسپیس میں بھی اپنے قدم جمائے ہیں۔ جس کی زندہ مثال ہماری اردو زبان ہے۔ دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح پہلے اس خط نے رومن رسم الخط کا سہارا لیا لیکن جلد ہی اس نے نئے جہاں کے آداب سیکھ لیے اور اردو نے بھی دنیا کی

دیگر زبانوں کی طرح پورے وقار کے ساتھ سائبر سپیس (Cyber Space) میں اپنی جگہ بنالی۔

آج آپ اردو میں گوگل پیج پر یونی کوڈ میں کسی بھی شاعر یا ادیب کا نام ٹائپ کر کے اس سے متعلق معلومات اور مواد حاصل کر سکتے ہیں۔ یونی کوڈ سے پہلے یہ سب سہولیات اردو زبان میں میسّر نہیں تھیں۔ یونی کوڈ نظام کی وجہ سے جہاں انگریزی لکھی جاتی تھی، وہیں پر اب اسی طرح اردو بھی لکھی جانے لگی ہے۔ انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کی ہمہ جہت افادیت کے پیش نظر یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری اردو زبان بھی اس قابل اور اس لائق ہو چکی ہے کہ وہ جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ ہو سکے اور اردو نے بھی خود کو کمپیوٹر کی زبان بنالیا ہے۔ اب ہمیں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے استعمال کے لیے کسی اور زبان کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم پورے کمپیوٹر کو اردو میں منتقل کر سکتے ہیں اور یہ ناممکن کام اردو یونی کوڈ نے ممکن کیا ہے۔

انٹرنیٹ پر اردو میں ڈیجیٹل لائبریری اور کئی اہم ادبی، تہذیبی، ثقافتی سائٹس موجود ہیں۔ آج سے صرف بیس سال پہلے ان پیج کے ذریعے سے کمپیوٹر پر اردو کتابت کا کام شروع ہوا اور اردو اخبارات اور کتابیں کمپیوٹر پر خوب صورتی سے آراستہ ہو کر شائع ہونے لگی تھیں، مگر جب دنیا میں کمپیوٹر کا استعمال بڑھا اور ٹیلی وژن، سیل فون اور دیگر ٹیکنالوجی کے آلات میں اردو کے استعمال کی ضرورت بڑھی تو اردو کے علاوہ دنیا کی تمام زبانوں کو کمپیوٹر کے ایم ایس آفس پروگرام اور انٹرنیٹ پروگراموں میں شامل کرنے کے لیے زبانوں کا یونی کوڈ نظام شروع کیا گیا اور اس اعتبار سے کی بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، اردو میں جمیل نوری نستعلیق اور علوی نستعلیق فانٹس تیار ہوئے جن کی مدد سے کسی بھی اپلیکیشن، فیس بک، ٹویٹر اور دیگر اپلیکیشنوں اور سیل فون میں اردو لکھنا آسان ہو گیا اور ان پیج کو یونی کوڈ میں منتقل کرتے ہوئے اردو زبان وادب کا بیش قیمت ذخیرہ انٹرنیٹ پر محفوظ کر دیا گیا۔ آج اگر کوئی گھر بیٹھے اپنے کمپیوٹر پر کلّیاتِ اقبالؒ، دیوانِ غالب، مضامین سرسیّد یا کوئی اور کتاب دیکھنا چاہتا ہے وہ یونی کوڈ کی سہولت کو گوگل سرچ میں استعمال کرے تو اسے اردو زبان وادب کا ایک نیا جہاں نظر آئے گا۔ علّامہ اقبالؒ نے کسی زمانے میں درست کہا تھا کہ:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

۱۰ ڈینگی بخار

ہر چند اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو اَن گنت نعمتوں سے نوازا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کو ہر زمانے میں طرح طرح کی آزمائشوں اور مصائب سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ان میں متعدد قدرتی آفات اور مختلف قسم کی بیماریاں اور امراض شامل ہیں۔ کبھی ملک کے کسی حصّے میں زلزلہ آ جاتا اور بربادی پھیلاتا ہے، کبھی سیلاب اس قدر تباہی پھیلاتے ہیں کہ صورتِ حال کو سنبھالنے میں برسوں لگ جاتے ہیں اور بعض اوقات کسی ملک میں وبا پھوٹ پڑتی ہے تو سیکڑوں ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ یہ آفات اور وبائیں کسی مسلم یا غیر مسلم یا پس ماندہ یا ترقی یافتہ قوموں میں امتیاز نہیں کرتیں البتہ ترقی یافتہ ممالک اپنے سابقہ تجربات، وسائل اور منصوبہ بندی سے صورتِ حال پر جلد قابو پا لیتے ہیں جب کہ پس ماندہ ممالک سے وہاں کے حکمرانوں کی نااہلی یا بدعنوانی کی وجہ سے صورتِ حال سنبھل نہیں پاتی اور وہ محض

دوسرے ممالک سے امداد کی امید لگا لیتے ہیں۔

ڈینگی بخار بھی ایک وبا ہے اور چونکہ یہ وبا نسبتاً ایک نئی وبا ہے اس لیے اس نے جو خوف وہراس پھیلایا اس پر پاکستانی سخت پریشان ہوئے۔ اس وبا سے پہلے ۱۹۹۴ء میں کراچی میں اور پھر ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۱ء میں لاہور میں اور بیرون لاہور (زیادہ تر پنجاب) بلکہ پورے ملک میں سیکڑوں مریضوں کی جان کا نذرانہ لیا۔ حکومت پنجاب نے اس کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی اور بڑی حد تک ڈینگی کا سدّ باب تو کر دیا مگر پوری طرح قلع قمع نہیں ہو سکا اور ۲۰۲۲ء میں اس وبا سے لوگ پھر پریشان ہیں۔

حفظِ ماتقدم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ڈینگی کیا ہے؟ اس کی علامات اور علاج کیا ہے اور وہ کون سی احتیاطی تدابیر ہیں جن کے اختیار کرنے سے اس وبا سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

اسباب: ڈینگی بخار ایک مچھر (Aedes) کی مادہ کے کاٹنے سے پھیلتا ہے۔ گھر کے اندر پائے جانے اس مچھر کے جسم پر سیاہ اور سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ یہی مادہ مچھر انسانی جسم میں وائرس داخل کرتی ہے اور جب ڈینگی کے مریض کو کاٹنے کے بعد وہ صحت مند آدمی کو کاٹے تو وہی وائرس اس میں بھی داخل ہو جاتا اور اسے بھی بخار ہونے لگتا ہے۔ یہ مچھر دس ملی میٹر تک لمبا اور انسانی خون کا بڑا رسیا ہوتا ہے۔ اس جنس کے مچھر عموماً سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے اور سورج غروب ہونے کے ذرا بعد زیادہ فعال ہوتے ہیں۔ ذرا سے تصرّف کے بعد یہاں کسی استاد کا یہ شعر حسبِ حال ہے:

''دو ہی لمحے راس ہیں مجھ کو یہاں دن رات میں''
اک ترے آنے سے پہلے، اک ترے جانے کے بعد

علامات: ڈینگی بخار کی بہت سی علامات ہیں۔ ان میں سے جب بھی کوئی علامت ظاہر ہو تو معالج سے رجوع کرنا چاہیے۔

- مچھر کے کاٹنے کے سات دن کے اندر اندر بخار آنے لگتا ہے جو عموماً ایک سو دو درجے سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔
- سر میں شدید درد ہوتا ہے۔ خصوصاً آنکھوں کے پچھلے حصے اور جسم کے جوڑوں میں شدید درد ہوتا ہے۔
- بھوک کم ہو جاتی اور پیاس بڑھ جاتی ہے۔
- جی متلاتا ہے اور اُبکائیاں آنے لگتی ہیں۔ قے آتی ہے، مریض تھکن اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔
- آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور جسم پر سرخ دانے (دھپڑ) ظاہر ہو جاتے ہیں اور خارش بھی ہوتی ہے۔
- غنودگی طاری ہوتی ہے اور مریض بے چینی محسوس کرتا اور مسلسل کراہتا ہے۔
- مریض کے پیٹ میں شدید درد ہوتا ہے۔
- ڈینگی کی شدید ترین قسم DHF (Dengue Hemorrhagic Fever) ہے، جس میں مریض کے مسوڑوں اور دیگر اعضا سے خون رسنے لگتا ہے۔ خوراک کی نالی سے خون رسنے کی صورت میں کالے رنگ کے پاخانے آتے ہیں۔
- انجمادی خلیوں یعنی Platelets (پلیٹ لٹس) کی کمی اور سرخ خلیوں کی زیادتی اس بخار کی بڑی علامت ہے۔

علاج: ہمارے یہاں سماجی ادبیات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے آنے والے نوے فی صد افراد مریض کو

علاج کے بارے میں کچھ ہدایات اوراپنے تجربات کا اطلاق مریض پر کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ غلط روایت ہے۔ لازم ہے کہ مریض اوراس کے لواحقین مرض کی تشخیص اور علاج کے لیے ہمیشہ مستند ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات پر عمل کریں۔ تادمِ تحریر ڈینگی کی ویکسین ابھی تک تیار نہیں ہوسکی البتہ ڈبلیو ایچ او نے ڈینگی کے علاج کے لیے جو تجاویز دی ہیں، ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

- بلڈ ٹیسٹ کرائیں۔
- مریض کا ہر گھنٹے کے بعد چیک اپ کیا جانا چاہیے اور اگر انجمادی خلیے (Platelets) کم ہوجائیں تو ڈرپ لگائی جائے اور خون بھی دیا جانا ضروری ہے۔
- ڈینگی کے مریض کو عام طور پر پیناڈول یا پیراسٹامول تجویز کرتے ہیں۔ یہ دوا ہر تین یا چار گھنٹے کے بعد دیں۔
- مریض کو نارمل خوراک کے ساتھ جوس، سُوپ اور پانی زیادہ مقدار میں دیں۔
- اسپرین، بروفین اور سٹیرائیڈ سے پرہیز کریں۔

احتیاطی تدابیر: بعض اوقات مرض سے زیادہ مرض کا خوف انسان کے لیے زیادہ خطرناک ہوجاتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مریضوں کی شرح اموات پانچ چھے فی صد ہے۔ جسے ایک یا نصف فی صد تک لایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عوام اور حکومت درج ذیل احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کریں۔

- ذاتی سطح پر خود کو خود کو مچھر کے کاٹنے سے بچائیں۔ پوری آستین کی قمیض پہنیں۔ سوتے وقت مچھر دانی کا استعمال کریں۔
- مچھروں کی افزائش اور پناہ گاہوں کو ختم کریں۔ مثلاً گھروں کو کاٹھ کباڑ، شاپنگ بیگز، ٹوٹے پھوٹے برتن، کھلونے، پلاسٹک اور شیشے کی چیزوں سے صاف رکھیں۔ انھیں بیچ دیں یا پھینک دیں۔
- گھریلو سطح پر یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ گملوں، کیاریوں، بالٹیوں، بوتلوں، کچرے کے ڈرموں، روم کولروں وغیرہ میں کہیں بھی پانی کھڑا نہ رہنے دیں۔
- استعمال ہونے والے پانی کے ذخیرے کے برتنوں اور کوڑے دان کو ڈھانپ کر رکھیں۔
- گھروں میں سپرے کروائیں اور جالیوں سے کمروں کو اس طرح بند رکھیں کہ مچھروں کو کمروں میں آنے کا راستہ نہ ملے۔
- ہمارے یہاں ہر سال، ان گنت افراد ملیریا اور ہیپاٹائٹس سے مرجاتے ہیں۔ مگر ڈینگی کی دہشت ان سب امراض سے زیادہ ہے۔ ۲۰۱۱ء کے بعد ۲۰۲۲ء میں ڈینگی کا خوف پھر سامنے آیا ہے کیونکہ اس سال کچھ زیادہ ہی مریض سامنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس موذی مرض سے محفوظ رکھے!

۱۱ فوگ اور سموگ: اسباب، اثرات اور تدارک

اکیسویں صدی کے انسان کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل میں ایک سفّاک اور سنگین مسئلہ فوگ اور سموگ سرِ فہرست ہے۔ جب دھواں اور درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے دھند (فوگ) آپس میں اتصال کرتے ہیں تو اتصال سے سموگ جنم لیتی ہے۔ یہ

ایک قسم کی فضائی آلودگی ہے جسے فوٹوکیمیکل سموگ بھی کہا جاتا ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نائٹروجن آکسائیڈز جیسے دیگر زہریلے ذرّات سورج کی حدّت سے مل کر اپنا ردِعمل ظاہر کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے کیمیائی اجزا سانس کے ذریعے انسانی جسم میں داخل ہو کر صحت کے لیے ہمہ گیر اور ہمہ جہت مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی خرابی، سانس کی تکلیف اور آنکھوں میں شدید جلن وہ ظاہری علامات ہیں جو سموگ کے باعث ہر عمر کے شخص کو بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سموگ انسانی صحت کو ایسے نقصانات بھی پہنچاتی ہے جو بظاہر فوری طور پر دکھائی نہیں دیتے لیکن وہ کسی بھی شخص کو موذی اور مہلک مرض میں مبتلا کر سکتے ہیں جیسا کہ پھیپھڑوں کی خرابی یا کینسر کا موذی مرض وغیرہ۔ طبی ماہرین کی تحقیق ہے کہ بچّے اور بوڑھے سموگ سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ موسمِ سرما میں پاکستان کا صوبہ پنجاب بالخصوص لاہور شہر، سموگ کے مہلک اثرات کی زد میں آ جاتا ہے۔ موسمِ سرما میں لاہور کا ایئر کوالٹی انڈیکس پاکستان کے دیگر شہروں کی نسبت سب سے زیادہ ہو جاتا ہے اور انسانی صحت پر مضر اثرات مرتّب کرنا شروع کر دیتا ہے جو لاہور میں رہنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

قدرتی طور پر کرّۂ ارض کے اردگرد گیسوں کا ایک غلاف موجود ہے، جس میں نائٹروجن، آکسیجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسیں بہ لحاظِ وزن ایک خاص تناسب سے فضا کا حصّہ بنتی ہیں اور بقائے حیات کے لیے ضروری ہیں۔ مگر بے تحاشا انسانی آبادی اور چاروں طرف صنعتوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے فضا میں ان گیسوں کا تناسب بگڑ گیا ہے اور فضا میں مختلف قسم کی مضرِ صحت گیسیں جمع ہو گئی ہیں، جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ صنعتی چمنیوں سے نکلنے والی گیسیں، ٹریفک کی لاتعداد گاڑیوں اور خشت سازی کے بھٹوں سے نکلنے والا دھواں، کچے راستوں اور شکستہ سڑکوں پر موٹر گاڑیوں کی آمد و رفت سے اٹھنے والے گرد و غبار کے بادل فضا کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ یہ آلودگی متاثرین کی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتّب کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ فضائی آلودگی سے نباتات بھی بری طرح متاثر ہوتی ہیں اور قریبی عمارات کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

معدنی ایندھن کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی کثرتِ مقدار توازن سے کہیں زیادہ بڑھ کر فضائی آلودگی کا سبب بنتی ہے۔ اس توازن کے بگڑنے سے تمام وافر کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا کے گیسی غلاف میں ایک دبیز تہ کی صورت میں جمع ہو جاتی ہے۔ یہ تہ سورج کی روشنی سے حاصل ہونے والی حرارت کو اس گیسی غلاف سے باہر نہیں نکلنے دیتی۔ اس اثر کے تحت گزشتہ کچھ سالوں سے ہمارے یہاں کے اوسط درجہ حرارت میں اضافہ ہوا ہے۔ ماحولیاتی سائنس دانوں کے مطابق درجہ حرارت میں یہ اضافہ نہایت ضرر رساں اور ماحولیاتی آلودگی کا سبب بنتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشفاق احمد ورک:

پھیلی جاتی ہے ہر طرف آلودگی
کون روکے گا بڑھ کر یہ بے ہودگی

تدارک:

ان تمام خدشات اور خطرات کے حوالے سے بطور ایک ذمہ دار شہری ہم یہ تو کر سکتے ہیں کہ شاہرات پر رواں دواں، دھواں اگلتی گاڑیوں کو مکمل طور پر بند کر دیں اور ایسی پبلک ٹرانسپورٹ کو متعارف کرائیں جن سے دھواں نہ نکلتا ہو اور وہ ماحول کو آلودہ بھی نہ کر سکے۔ درختوں کے کٹاؤ بلکہ قتلِ عام پر سختی سے پابندی عائد کر دی جائے اور نئے درختوں کی کاشت میں اضافہ کر دیں کیوں کہ درخت ہی فضائی

آلودگی روکنے اور آکسیجن کی پیداوار میں مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ آلودگی کو کم کرنے کے لیے نچلی سطح تک لوگوں میں آگہی مہم شروع کرنی چاہیے تاکہ لوگ اس مسئلے کی سنگینی کو سمجھ سکیں اور آلودگی کو کم کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ دُور کے سفر کے لیے ریلوے کو ترجیح دی جائے کیونکہ یہ واحد ذریعہ ہے جس میں آلودگی کے پھیلنے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ ہر سطح کے نصابات میں ماحولیاتی آلودگی کے اسباب اور تدارک پر اسباق شامل کیے جائیں۔ ماحولیاتی آلودگی کے بارے میں آگہی کو عام کیا جائے۔ اخبارات، رسائل اور جرائد میں معلوماتی فیچر لکھے جائیں جس سے لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہو۔ ہر علاقے سے روزانہ کی بنیادوں پر کوڑا کرکٹ اُٹھانے کا اہتمام کیا جائے۔ محلے کی سطح پر ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں جو اپنے علاقے میں فضائی آلودگی کو پھیلنے سے بچانے کی کوشش کریں۔ وزارتِ ماحولیات کو اس ضمن میں انتہائی متحرک اور فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ محض زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صرف بنی نوع انسان ہی فوگ اور سموگ کے مضر اثرات سے متاثر نہیں ہورہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام مخلوقات بھی شدت سے متاثر ہورہی ہیں۔ سمندر میں موجود آبی حیات ہو یا فضا میں موجود پرندے یا کرۂ ارض پر موجود دوسرے تمام جانور، سب اس خاموش قاتل کی گرفت میں آئے ہوئے ہیں۔ عالمی سطح پر اس کے تدارک کے لیے جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ ابھی کم ہیں اور ان میں معتد بہ اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لاہور میں حالیہ سموگ اور فضائی آلودگی کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال نے شہریوں کی زندگی اور صحت کو کیسے متاثر کیا ہے، اس بارے میں لاہور کے رہائشیوں نے بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی تکلیف بیان کی ہے۔ ڈیڑھ سال کی ایک بیٹی کی پڑھی لکھی والدہ نے بی بی سی کو بتایا کہ ان کی بیٹی سموگ سے بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا گلا خراب، کھانسی، بخار ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے مُنھ میں چھالے بھی نکل آئے ہیں۔ اس وجہ سے اسے کھانے پینے میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ لاہور شہر میں بسنے والے لاکھوں افراد سموگ سے بری طرح متاثر ہورہے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنی کے ایک سیلز مین کا کہنا ہے، کہ اس کا روزگار ایک ایسے کام سے منسلک ہے جس کی وجہ سے سارا دن گھر سے باہر رہ کر موٹر سائیکل چلانا پڑتی ہے۔ میں مختلف پوائنٹس پر جا کر اپنی پراڈکٹ کی مارکیٹنگ کرتا ہوں اور جب دن بھر کام کر کے گھر جاتا ہوں تو فضائی آلودگی اور سموگ کے باعث میری آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور ان میں شدید جلن شروع ہو جاتی ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ موٹر سائیکل چلاتے ہوئے آنکھوں میں جلن اور پانی آنے کے باعث جگہ جگہ بائیک روک کر پانی سے آنکھیں دھونا پڑتی ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد پھر تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ فضائی آلودگی سے کثافت زدہ ماحول نہایت مہلک ہوتا ہے جس کے خوفناک نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم معدنی ایندھن کا متبادل تلاش کریں۔ مثلاً شمسی توانائی، پانی اور ہوا کی قوت سے حاصل شدہ توانائی کا استعمال نہ صرف معاشی اعتبار سے سودمند ہوگا بلکہ اس طرح فضائی آلودگی میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔ اس کے علاوہ فضائی آلودگی سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ ان صنعتوں میں جو فضائی آلودگی کا زیادہ سبب بنتی ہیں، فاضل گیسوں کے کیمیائی معالجے کے لیے پلانٹ نصب کیے جائیں اور یہ کام ٹھوس بنیادوں اور حکومتی سطح پر ہو۔ اسی طرح موٹر گاڑیوں کے زہریلے دھوئیں کے اثرات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو سیسے سے مُبرّا پٹرول کے استعمال کو فوقیت دی جائے، دوسرے گاڑیوں کو درست حالت میں رکھا جائے اور دھواں دینے والی گاڑیوں کو قانون کی گرفت میں لیا جائے۔ درخت قدرت کا انمول عطیہ ہیں، جو فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے صحت مند آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی جگہوں پر، جہاں کارخانوں کی بہتات

ہے یا کثرت سے گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں، کثرت سے درخت پیدا کیے جائیں۔ علاوہ ازیں کارخانوں کی وجہ سے فضا کو آلودگی سے بچانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ کارخانے آبادی سے زیادہ سے زیادہ فاصلے پر لگائے جائیں اور کارخانوں کے اردگرد اور آبادی کے درمیان بہتات سے درخت لگائے جائیں۔ ہم بے احتیاطی سے فصلوں پر کیڑے مار ادویات کی صورت میں زہر چھڑک کر اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن بنادیتے ہیں، اس بارے میں ضابطوں سے ہرگز تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

انسان کے اردگرد کا ماحول اس کی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحت مند انسانوں ہی سے صحت مند معاشرے جنم لیتے ہیں جب کہ صحت کی قیمت پر کوئی بھی ترقی خوش آیند نہیں ہوا کرتی۔ انسان دوستی اور پائیدار معاشرے کے شفاف تصور کے لیے ہر شخص کو جہاں تک اس کی دسترس ہے، اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم پر لازم آتا ہے کہ ایک تو ہم ماحولیات کے بنیادی اصولوں کی پیروی کریں، دوسرے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ چہار عناصرِ فطرت (ہوا، پانی، مٹی اور آگ) کی پاسداری اور فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کریں۔ ہم پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہم چیزوں کو کفایت سے استعمال کریں اور تیسرے فوگ اور سموگ سے بچنے کے لیے بے تحاشا درخت لگائیں اور اگر ایک درخت کاٹنا پڑے تو اس کی جگہ پانچ درخت لگائیں اور اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کریں جن کی وجہ سے وسائل پر بوجھ نہ پڑے ورنہ ان کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان کی نگہبانی کریں۔

۱۲ تعلیمِ نسواں اور ملکی ترقی

''نسواں'' کا لفظ ''نساء'' کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ''عورت'' کے ہیں۔ چناں چہ تعلیمِ نسواں کے معنی ہوئے عورتوں کی تعلیم۔ علم ایک ایسی دولت ہے، جس کا ہر انسان، خواہ وہ مرد ہے یا عورت، محتاج ہے۔ علم روشنی ہے، علم نور ہے۔ کہتے ہیں: ''ہر کمالے را زوالے'' یعنی ہر کمال کو زوال ہے لیکن علم ایسی دولت ہے جس کو زوال نہیں۔ علم ایسا دوست ہے جو سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت ہر جگہ انسان کا ساتھ دیتا ہے۔ علم انسان کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ اسی لیے سرورِ کائنات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

دورِ جدید کے مہذّب اور متمدن معاشرے میں تعلیمِ نسواں کی اہمیت سے انکار جاہلیت اور کم عقلی ہے۔ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پہیا بھی ناکارہ ہو جائے تو زندگی کی گاڑی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ہر گھر ایک چھوٹی سی سلطنت کی مانند ہے جس میں شوہر بادشاہ اور بیوی وزیر ہوتی ہے۔ بادشاہ خواہ کتنا ہی منتظم اور لائق کیوں نہ ہو اگر اس کا وزیر دانا نہیں تو وہ امورِ سلطنت میں بادشاہ کو صحیح مشورہ نہیں دے سکے گا۔ چناں چہ ایسی سلطنت کا روبہ زوال ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کا حاصل کرنا بھی از بس ضروری ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اقوامِ عالم میں صرف وہی قومیں سب سے آگے ہیں جن کی عورتیں حصولِ تعلیم و تربیت میں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ ماں کی گود بچّے کی پہلی درس گاہ ہے۔ بچّہ جو کچھ ماں کی گود میں سیکھتا ہے، وہ اس کی آیندہ تمام زندگی پر اثر انداز رہتا ہے۔ اس لیے بچّے کی بہتر نشوونما اور تہذیب و تربیت کے لیے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا بہت اہم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے بادشاہ

نپولین نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''آپ مجھے اچھی مائیں دیں، میں آپ کو بہترین قوم دوں گا۔'' نپولین کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مہذّب اور تعلیم یافتہ ماں ہی اپنی اولاد کی صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس ایک جاہل عورت اپنی جہالت کے سبب نہ صرف قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ اپنے بچّوں کا مستقبل بھی تاریک کر دیتی ہے۔

یہ بات بڑی خوش آیند ہے کہ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں پاکستانی خواتین زیورِ علم سے آراستہ ہو کر زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کارکردگی دکھا رہی ہیں۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال ارفع کریم کی ہے جنھوں نے کم عمری ہی میں مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل کا اعزاز حاصل کیا اور مائیکروسافٹ کمپنی کے مالک بل گیٹس نے بھی اُن کی صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا لیکن افسوس کہ وہ کم عمری ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ لاہور میں ارفع کریم ٹاور انھی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

اس کی دوسری بڑی مثال ڈاکٹر نگار جوہر کی ہے جنھوں نے میڈیکل سائنس کے شعبے میں گراں قدر خدمات دیں اور انھیں پاکستان کی برّی فوج میں لیفٹیننٹ جنرل کے اعلیٰ عہدے تک پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں سیاست کے خارزار میں بھی ملکی خواتین آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس کی ایک مثال مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی اور دوسری مثال محترمہ بےنظیر بھٹو کی ہے جو نہ صرف ''وزیرِ اعظم'' کے جلیل القدر عہدے پر متمکن رہیں بلکہ جنھوں نے پاکستانی خواتین کو علم و فضل و ہنر سے آراستہ کرنے کے لیے بھی بڑی جدوجہد کی۔ آج ملک کے مرکزی و صوبائی اداروں میں پاکستانی خواتین نے اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا ہے۔ کوئی بینک ہو یا سرکاری و غیر سرکاری دفتر کہیں بھی خواتین کی کارکردگی مردوں سے کم نہیں ہے، خصوصاً ہسپتالوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خواتین اپنے فرائض بطریقِ احسن انجام دے رہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بجا طور پر کہا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کائنات کا سارا حُسن عورت کے وجود کا رہینِ منّت ہے اور زندگی کا سوزِ دروں اسی ساز سے نکلتا ہے مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عورت علم و حکمت اور فہم و فراست سے آراستہ ہو۔ جدید ضروریاتِ زندگی نے عورتوں کو اس امر کا احساس دلایا ہے کہ انھیں گھر کی چاردیواری سے نکل کر دفتروں، بازاروں اور صنعت و حرفت کے مراکز میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے۔

یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین ہی باعزّت روزگار کے حصول میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں عورتوں کے لیے معاشرے میں ایک بہتر مقام متعین ہو چکا ہے۔ مخلوط تعلیم کے اداروں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لیے اَن گنت الگ درس گاہیں بھی بن چکی ہیں، جہاں وہ بغیر کسی مزاحمت کے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مواقع کی اس فراوانی سے
خواتین بھرپور استفادہ کریں تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے قوم کی فلاح و بہبود میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے یہاں طبقۂ خواتین کی اکثریت تعلیم کی کمی کی وجہ سے تنگ نظری، تعصب، جہالت اور توہم پرستی کا شکار ہے۔ اگر ہم انھیں ان معاشرتی امراض سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں خواتین کو تعلیم کے حوالے سے انھیں ہر قسم کی سہولیات فراخ دلی سے فراہم کرنا ہوں گی۔

خواتین کو دُنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ آیندہ نسلوں کی مثبت خطوط پر تربیت کر سکیں۔ جن ممالک اور معاشروں نے زندگی کے تمام شعبوں میں حیران کن ترقی کی ہے، انھوں نے اپنی خواتین کی تعلیم کو اوّلین ترجیح دی ہے۔ افسوس کا مقام ہے

کہ ہمارے وطنِ عزیز پاکستان میں فی الحال عورتوں کی شرح خواندگی حوصلہ افزا نہیں ہے۔ ہمیں بحیثیت قوم اسے اپنی اوّلین ترجیح بنانا ہوگی۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم قوموں کی برادری میں ممتاز اور مؤثر مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۳ عِیدَین

عیدین کے لغوی معنی ہیں: دونوں عیدیں، یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ دنیا بھر کے مسلمان سال میں دو بڑے تہوار مناتے ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ، اس لیے دونوں عیدوں کو ''عیدین'' بھی کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر خوشی کے موقع کو بھی عید کہتے ہیں اور عیدالفطر تو خوشی کا ایک بڑا موقع ہے اور مسلمانوں کے لیے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے، اس لیے عید کے حوالے سے بہت سے محاورے زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ مثلاً: عید کا چاند ہونا، عید کا چاند نکلنا، عید کرنا، عید منانا، عیدی آنا، عیدی جانا، عید کے پیچھے ٹر ومنانا وغیرہ۔

عیدالفطر جسے میٹھی عید یا سویّوں والی عید بھی کہا جاتا ہے، یکم شوال کا چاند دیکھ کر منائی جاتی ہے۔ عیدالفطر کے موقع پر عید نماز سے بہر صورت پہلے غریبوں اور محتاجوں کو ایک خاص صدقہ دیا جاتا ہے جسے فطرانہ کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے عید کا نام عیدالفطر ہے۔ فطرانہ ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ دراصل فطرانہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہے اور وہ عید سے قبل اس لیے ادا کیا جاتا ہے تاکہ یہ لوگ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔

بوڑھے ہوں یا جوان، علما ہوں یا فقرا، بچیاں ہوں یا عورتیں، عید کے موقع پر سبھی خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ کوئی مصافحہ تو کوئی معانقہ کر کے خوش نظر آتا ہے۔ بوڑھے اس لیے خوش ہیں کہ ان کو اپنی زندگی میں ایک اور رمضان کے روزے رکھنا نصیب ہوئے اور انھوں نے پورے روزے رکھے اور عبادت و ریاضت سے خوب ثواب کمایا۔ علما اور فقرا اس لیے خوش ہیں کہ انھوں نے تراویح پڑھیں، اعتکاف میں بیٹھے اور ان کے شاگردوں اور مریدوں میں ان کا تقدّس اور بڑھا۔ جوان اس لیے خوش ہیں کہ خدا خدا کر کے روزوں کے دن ختم ہوئے، اب رات دن جو چاہو کھاؤ پیو، چین سے رہو:

ماہِ رمضان گزشت و عید آمد

بچّے اور بچّیاں اس لیے خوش ہیں کہ سکول سے چھٹی ہے، عیدی ملے گی، کھلونے خریدیں گے، جھولے لیں گے، اچھلیں گے، کودیں گے، سویّاں اور طرح طرح کے پکوان کھائیں گے۔

مسلمانوں کی دوسری عید، عیدالاضحیٰ ہے۔ عیدالاضحیٰ ہر سال ماہِ ذی الحج کی دس تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز بھی عیدالفطر کی طرح نمازِ فجر کے بعد صبح ادا کی جاتی ہے اور نماز کی ادائیگی کے بعد صاحبِ حیثیت لوگ جانور ذبح کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے لے گئے۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت و فرماں برداری بے حد پسند آئی چناں چہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گلے پر چھری رکھی، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دُنبا لے آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دُنبا ذبح کرنے کا حکم ہوا اور آپ نے اسے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کی۔ علامہ اقبالؒ نے اسی پس منظر میں کیا خوب کہا ہے:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

قربانی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ کو تمھاری قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا، پہنچتا ہے تو صرف تقویٰ۔'' (سورۃ الحج، آیت ۳۷)

قربانی کے ثواب کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔'' لیکن یہ نیکی تب ہی ملتی ہے جب قربانی سچے دل سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی جائے۔ قربانی کے گوشت میں سے کچھ حصہ نکال کر غریبوں اور مفلسوں تک پہنچانا ایک نیک عمل ہے۔ ایسا کرنے سے وہ لوگ بھی، جو قربانی کی اہلیت نہیں رکھتے، ہمارے ساتھ خوشیوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔

عیدین کی نماز پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، وہ یہ کہ: عید کی نماز میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد خطبہ ہوتا ہے۔ عید کی نماز کی پہلی رکعت میں ثنا کے بعد تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں کہی جاتی ہیں یعنی عید کی نماز میں باقی نمازوں سے چھے تکبیریں زائد ہوتی ہیں۔ عید کی نماز عید گاہ میں اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ نمازِ عید کے بعد تمام مسلمان ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے اور گلے ملتے ہیں۔

عیدین کے لیے کچھ خاص سنتیں ہیں۔ بچوں پر لازم آتا ہے کہ انھیں ہمیشہ یاد رکھیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز ہمیشہ عید گاہ میں ادا فرماتے۔
- عید کے روز غسل فرماتے، مسواک کرتے، اچھا لباس زیبِ تن فرماتے اور خوشبو لگاتے۔
- نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے پیدل جاتے اور عید گاہ جاتے ہوئے ایک راستہ اپناتے اور واپسی کے لیے دوسرا راستہ اختیار کرتے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات کر سکیں۔
- عید الفطر کی نماز سے پہلے فطرانہ ادا کر دیتے اور عید الاضحیٰ کی نماز کے فوراً بعد قربانی کرتے۔
- عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے آہستہ آہستہ آواز میں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے ہو بلند آواز میں تکبیر پڑھتے:

  اَللّٰهُ اَکْبَرُ. اَللّٰهُ اَکْبَرُ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَکْبَرُ. اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

- عید الفطر کی نماز سے پہلے گھر سے جاتے وقت کوئی میٹھی چیز تناول فرماتے۔

دینِ اسلام کی یہ دونوں عیدیں مسلمانوں کو خوشی کے اظہار کا موقع دیتی ہیں اور ایک ہی معاشرے میں رہنے والوں کی مدد اور خبر گیری کا ذریعہ بنتی ہیں۔ بالآخر یہ عیدیں ہم سے ایک سال کے لیے بچھڑ جاتی ہیں اور لوگ اگلے سال کی عیدوں کے انتظار میں بڑی حسرت سے لگ جاتے ہیں تا کہ ان کی لذّتِ کام و دہن کا پھر سے خاطر خواہ انتظام ہو۔

۱۴ لائبریری

انگریزی میں لائبریری اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کتابوں، رسالوں، اخباروں اور پڑھنے کے لیے اسی نوعیت کا قدیم و جدید مواد یکجا رکھا جاتا ہے۔ اردو اور فارسی میں اس کے لیے ''کتب خانہ'' اور عربی میں ''دارالکتب'' کے الفاظ آتے ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے تقریباً ہر اچھے تعلیمی ادارے میں مختلف مضامین کی کتابوں کا ایسا ذخیرہ موجود ہوتا ہے جہاں طلبہ اور اساتذہ لائبریری پیریڈ یا اپنے فارغ اوقات میں جاتے ہیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے کتابوں کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے لائبریری میں ایک آدھ ایسا گوشہ ہوتا ہے، جہاں وہ سکون سے پڑھ سکتے ہیں اور کوئی ان کے مطالعے میں حارج نہیں ہوتا، اسے ریڈنگ رُوم یا دارالمطالعہ کہتے ہیں۔ بعض طلبہ یا اساتذہ کو اپنی مطلوبہ کتاب زیادہ وقت کے لیے درکار ہوتی ہے تو وہ اسے لائبریری کلرک سے اپنے نام پر چند دنوں کے لیے ایشو کروا لیتے ہیں اور مقررہ دنوں کے بعد لائبریری کو بحفاظت تمام واپس کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

کوئی بھی زندہ معاشرہ لائبریری کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ ترقی یافتہ معاشروں کے افراد اپنی ذاتی لائبریری کا بھی انتظام کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اسے وسعت دیتے چلے جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں اب موبائل لائبریریوں کا رواج عام ہو رہا ہے اور موبائل لائبریریوں کے ذریعے سے فروغِ مطالعہ عمدگی کے ساتھ انجام دیا جا سکتا ہے۔

لائبریری سکول سطح کی ہو، کالج یا یونیورسٹی سطح کی ہو یا جنرل لائبریری ہو۔ لائبریری میں چھوٹے بڑے سبھی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ لائبریری میں ہر موضوع کی صرف مستند اور معتبر کتابوں ہی کا اضافہ کیا جائے۔ اچھی کتاب کا مطالعہ ہی دراصل زندہ مطالعہ ہوتا ہے جو دل کو قوت اور توانائی بہم پہنچاتا ہے مگر غیر معیاری کتاب کا مطالعہ دل کو مردہ کرتا ہے، اس لیے کتابوں کے انتخاب میں چھان پھٹک کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ نئی نسلوں تک تازہ افکار کی ترسیل ہو سکے۔

بارود کے بدلے ہاتھوں میں آ جائے کتاب تو اچھا ہو\
اے کاش! ہماری آنکھوں کا اکیسواں خواب تو سچا ہو

اقوامِ عالم کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ قوموں کی برادری میں رہبری اور رہنمائی کا فریضہ فقط وہ قوم ادا کر سکتی ہے جس کے افراد میں مطالعۂ کتب کی عادت پختہ ہو چکی ہو۔ کسی شخص کو یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں تعلیمی ادارہ کس سطح کا ہے تو وہ وہاں کی لائبریری دیکھ لے۔ ایک عمدہ لائبریری ہی کسی تعلیمی ادارے کے معیار کی کسوٹی ہوتی ہے۔ لائبریری میں کم و بیش ہر مضمون کی کتابیں موجود ہوتی ہیں، جنھیں لائبریری کے اربابِ اختیار شعبہ وار خاص ترتیب سے رکھتے ہیں۔ منظم طریقے سے کتابیں رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مطلوبہ کتاب کی تلاش میں بڑی سہولت رہتی ہے۔ کتابوں کو ترتیب و تنظیم سے رکھنا ایک باقاعدہ علم ہے جسے ''لائبریری سائنس'' کہا جاتا ہے۔ طلبہ یا اساتذہ کشاں کشاں لائبریری میں آتے ہیں، اپنے ذوق کے مطابق کتاب مستعار لیتے ہیں اور اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ بعض طلبہ یا اساتذہ اپنے خاص مضمون کے علاوہ اپنے علم میں اضافے کے مُتمنّی ہوتے ہیں، مثلاً کسی کو شعر و ادب کا ذوق ہے، کوئی افسانے یا ناول پڑھنا پسند کرتا ہے، بعض تاریخی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں، کچھ ایک کو جغرافیائی یا سائنسی معلومات بڑھانے کی دُھن ہوتی ہے، جب کہ بعض دینی ذوق کے حامل اشخاص کو اپنی شخصیت میں نکھار کے لیے مذہب کے بارے میں معلومات درکار ہوتی ہیں۔ لائبریری میں ان سب کی تشفی کا وافر سامان موجود ہوتا ہے

، جہاں وہ ''فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست'' کے مصداق اپنی تشنگی دُور کر سکتے ہیں۔ سابق امریکی صدر ابراہم لنکن کہا کرتے تھے: ''میرا سب سے بہترین دوست وہ ہے جو مجھے وہ کتاب تحفہ دے جو میں نے پہلے نہ پڑھی ہو۔''

دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر طلبہ لائبریری سے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا اپنے ساتھیوں پر علمیّت کا رعب بٹھانے کے لیے کتابیں تو اپنے نام ایشو کروا لیتے ہیں مگر کتاب کا پوری توجہ سے مطالعہ نہیں کرتے اور نہ کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے طلبہ پڑھائی میں دوسرے طلبہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ طلبہ لائبریری کی کتاب کو حفاظت سے نہیں رکھتے، یا تو کتاب کے ورق پھاڑ دیتے ہیں یا پھر کتاب پر جا بجا نشان لگا دیتے ہیں، جس سے کتاب کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں بے ذوقی ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے طلبہ طالب علم نہیں ہوتے بلکہ انھیں ''علم چور'' کہنا چاہیے جو طلبہ کے لبادے میں تعلیمی اداروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہونہار طلبہ لائبریری سے بڑے قرینے اور سلیقے سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان کی طلب صادق ہے تو وہ اس ضمن میں اپنے اساتذہ کرام اور سینئر طلبہ سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں۔ جو طالب علم کتابیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے، اُن کے لیے لائبریری ایک نعمتِ غیر مُترقبہ ہے۔ اپنے کورس پر عبور حاصل کرنا تو ہر ادارے کے تمام طلبہ کا مقصد ہوتا ہی ہے، اس کے علاوہ اکثر طلبہ بوجوہ اپنے مطالعے میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، چناں چہ وہ لائبریری کا رخ کرتے ہیں۔ لائبریری میں مخطوطات یا کچھ قیمتی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں ایشو نہیں کرایا جا سکتا، ایسی کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی بہتر صورت یہ ہے کہ طلبہ یک سوئی کے ساتھ مطالعہ کریں اور زیرِ مطالعہ کتاب میں سے ضروری نکات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں یا انھیں نوٹ کرتے جائیں تاکہ وہ اپنی ذات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ ہر اچھی لائبریری میں تازہ ترین اخبارات اور متنوع قسم کے رسائل و جرائد بھی آتے ہیں، باشعور طلبہ ان سے بھی بقدرِ ظرف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کتاب ہماری تنہائی اور تخلیے کا سب سے قابلِ اعتماد ساتھی ہے۔ یہ ہماری بوریت آمیز تنہائی کو معطر تنہائی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اکیسویں صدی میں کوئی ملک اور کوئی معاشرہ لائبریری کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اس بات کا شعور حاصل ہونا چاہیے کہ دنیا میں صرف وہی اقوام سرفراز اور سربلند ہوتی ہیں جنھیں لائبریری کے قیام میں دلچسپی ہوتی ہے۔ کتاب کے حوالے سے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ایک کتاب سرہانے رکھ دی، ایک چراغ ستارا کیا
مالک! اس تنہائی میں، تُو نے کتنا خیال ہمارا کیا

۱۵ گداگری

(اسلام میں گداگری کی مذمت)

کسی سے کچھ مانگنا یعنی بھیک مانگنا یا دستِ سوال دراز کرنا ''گداگری'' کہلاتا ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں اس قبیح رسم کو بڑی تیزی کے ساتھ فروغ مل رہا ہے۔ اس برائی کو ختم کرنے کے لیے جتنی زیادہ کوشش کرنی چاہیے تھی، اس کے برعکس اس کو پھیلانے کے لیے اتنا ہی تیزی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ گداگری مہذب معاشرے میں ایک لعنت سے کم نہیں ہے اور گداگری مہذّب ملکوں میں رسوائی اور ذلّت کی علامت سمجھی جاتی ہے اور مہذّب ملکوں میں اس برائی کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور اس کی روک تھام کے لیے مناسب اقدام اٹھائے جاتے ہیں۔

گداگروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلی قسم تو ان لوگوں کی ہے جو کسی مجبوری یا حالات کی ستم ظریفی سے تنگ آ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو تن آسانی کے عادی ہوتے ہیں۔ محنت اور مشقت کرنے کو ان کا دل نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہیں اور اسی کو اپنا باقاعدہ پیشہ بنا لیتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں اب تو گداگری ایک باقاعدہ انڈسٹری کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ مختلف لوگوں نے معذور اور اپاہج لوگوں کے گروہ بنا رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان معذور لوگوں کو صبح سویرے ایسے مقامات پر بٹھا جاتے ہیں جہاں لوگوں کی بہت زیادہ ریل پیل اور ہجوم ہوتا ہے۔ یہ معذور افراد مختلف قسم کی آوازیں کستے اور راہ گیروں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ معذور افراد بھیک مانگنے اور صدا لگانے کے حوالے سے بھی نفسیاتی طریقۂ کار اختیار کرتے ہیں۔ راہ جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ اگر کوئی نوجوان کتابیں اٹھا کر جا رہا ہو تو اس کو دعا دیں گے کہ اللہ تجھے اچھے نمبروں سے پاس کرے۔ اگر کوئی فائل اٹھا کر جا رہا ہے تو اس سے کہیں گے کہ اللہ تجھے بہتر نوکری دے۔ ایسے ہی اگر کوئی نو بیاہتا جوڑا چلا جا رہا ہو تو دعائیں دیں گے اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ اس طرح راہ چلتے ہوئے کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی ضرور مدد کرنی چاہیے کہ اس نے مجھے موقع کی مناسبت سے دعا دی ہے۔

نبی پاک ﷺ نے گداگری کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اے مسلمانو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ احکامِ الٰہی بجا لاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔''

آپ ﷺ نے ایک مقام پر مزید ارشاد فرمایا: ''جو شخص بھیک مانگتا ہے۔ قیامت کے روز اس کے چہرے پر سیاہ داغ ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔'' اس حدیثِ پاک میں آپ ﷺ نے نہایت ہی سخت الفاظ میں بھیک مانگنے کی مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام سوال کرنے کے معاملے میں اتنے محتاط تھے کہ اگر سواری کی حالت میں کسی کے ہاتھ سے چابک گر جاتا تو کبھی ساتھی سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے چابک پکڑا دو۔ خود سواری سے نیچے اترتے اور چابک اٹھاتے کہ کہیں یہ بھی سوال کرنے کے زُمرے میں داخل نہ ہو اور آپ ﷺ نے کسی سے کچھ مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''ہم میں جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور اس کو فروخت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت رفع کرے۔ یہ اس کے حق میں بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے اور وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔''

اگرچہ اسلام میں گداگری کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے اور بھیک مانگنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، مگر اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ غریب اور فقرا کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی بابت کہا ہے: ''یہ لوگ دوسرے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے'' اصل میں ایسے ہی لوگ ہماری امداد کے مستحق ہوتے ہیں، جو دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور نہ ہی اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے اپنے حالات بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان تک ان کا حق پہنچائیں کیونکہ اسلام نے زکوٰۃ فرض ہی اس لیے کی ہے کہ معاشرے سے گداگری کی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اور اس کی عزتِ نفس مجروح ہو۔ اسلام تو ہر شخص کی توقیر چاہتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب صدقہ کرنے لگو تو دوسرے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو۔

ایک اخباری سروے کے مطابق پاکستان میں بہت سے بھکاری منشیات کے عادی ہیں۔ ایسے حضرات کے پاس جب نشہ کرنے کے لیے روپیا پیسا ختم ہو جاتا ہے تو یہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کا علاج معالجہ کرا کے انھیں معاشرے کا مہذّب فرد بنایا جا سکتا ہے۔

گداگری کو معاشرے میں سے ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتِ وقت اس حوالے سے مناسب اقدامات کرے۔ حکومت کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے نظام کو بہتر کرے اور زکوٰۃ کا مصرف درست مقامات پر کیا جائے۔ حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ غریب لوگوں کی امداد کے لیے ایسے اداروں کی تشکیل کریں جو غریب لوگوں کو بلاسود قرضہ دیں تاکہ لوگ آسانی سے اپنی روٹی کما سکیں۔ اگر کوئی نوجوان اور تندرست شخص بھیک مانگتا ہے تو بھیک دینے سے بہتر ہے کہ اس کے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کر دیا جائے تاکہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پال سکے۔

ایک سروے میں یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ پاکستان میں بہت سے بھکاری ایسے ہیں جو کروڑوں روپے کی جاگیروں کے مالک ہیں، مگر اپنی عادت سے مجبور اور تن آسانی کی وجہ سے محنت مشقت کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اگر ہم اپنے روپے پیسے کا صحیح استعمال کریں تو اس گروہ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل تدابیر کو بروئے کار لا کر گداگری جیسے مکروہ پیشے کا انسداد کیا جا سکتا ہے:

- ہمیں یہ عہد کر لینا چاہیے کہ کسی غیر مستحق کو کسی صورت میں بھی امداد نہیں دی جائے گی۔ خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی جائے۔
- علما اور واعظین کا فرض ہے کہ وہ اپنی تقاریر میں اور وعظ کی مجلسوں میں لوگوں کو آزادی اور بے باکی کے ساتھ اس ذلّت آمیز پیشے سے دُور رہنے کی تلقین کریں۔
- سیدھی ساری عورتوں کو جو ہر فقیر کی آواز کو غیب کی آواز سمجھتی ہیں، انھیں صدقات وغیرہ دینے سے باز رکھا جائے۔
- اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے سے کام کرنے کی عظمت اور گداگری کی مذمت بیان کی جائے۔
- گداگروں کو محنت اور کام کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

گداگری ہر حوالے سے ہمارے معاشرے کے لیے ایک بدنما داغ ہے۔ ملکی ترقی افراد کی بلند ذہنی سطح پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک بھیک مانگنے والے کی سوچ غلام کی سوچ سے بھی بدتر ہے۔

مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس زمانے میں ہر ایک جگہ جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، اس قدر کسی اور قوم کے افراد نظر نہیں آتے۔ کاش مسلمان غیرت کو کام میں لائیں اور یہ لوگ اس رسمِ قبیح سے باز آئیں کیونکہ بقول علامہ اقبالؒ:

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

۱۶ سیروسیاحت: تفریح بھی، تعلیم بھی

فرمانِ الٰہی ہے: سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی اس زمین پر گھومو پھرو۔ زمین پر گھومنے پھرنے کا دوسرا نام سیروسیاحت ہے اور سیرو سیاحت بلاشبہ تفریح بھی ہے اور عمدہ تعلیم کا ذریعہ بھی۔ آدمی گھر سے نکلتا ہے تو اس کے علم میں طرح طرح سے اضافہ ہوتا ہے۔ وہ قسم قسم کے لوگوں سے ملتا ہے۔ اسے اشیا اور جگہوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کی نظروں میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ رسولِ کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اُطْلُبُوا الْعِلْمِ وَلَو كَانَ بِالصِّيْنِ یعنی ''علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔'' آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد اس لیے نہیں فرمایا تھا کہ اُس زمانے میں چین میں علم و حکمت کے دریا بہتے تھے اور چار دانگِ عالم سے تشنگانِ علم وہاں آکر علم کی تشنگی دُور کرتے تھے بلکہ فرمانِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفہوم یہ تھا کہ چین عرب سے ہزاروں میل دور تھا اور چین تک کے سفر کی تاب لانا بڑا محال تھا۔ اس سفر میں وسیع سمندری فاصلے طے کرنے کے بعد دشوار گزار پہاڑ بھی آتے تھے، جنگل ویرانے بھی، لق و دق صحرا بھی اور دریا بھی اور ندی نالے بھی، پھر تیز و تند موسم کی سختیاں برداشت کرنا اس کے علاوہ تھا۔ دورِ رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکیلے دوکیلے شخص کا عازمِ سفر ہونا بھی بعید از قیاس تھا، بلکہ لوگ کارواں در کارواں ایک ملک سے دوسرے ملک کو جاتے تھے اور اثنائے سفر میں مشکلوں کا پیش آنا لازمی امر تھا، جس کی تاب لانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، چناں چہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اسی پس منظر میں ہے کہ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سیروسیاحت اور علم و فن کے حصول کی افادیت عربوں کے ذہن نشین ہو جائے۔

مَثَل مشہور ہے: ''پائے گدا لنگ نیست، ملکِ خدا تنگ نیست'' مفہوم یہ ہے کہ انسان ہمت کرے تو جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اللہ کی سرزمین بہت وسیع ہے۔ دنیا میں پانچ بحرِ اعظم اور سات برِ اعظم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سیروسیاحت کی جبلّت کم یا زیادہ ہر شخص کو دی ہے، چناں چہ کچھ لوگوں کو تو بوجوہ گھروں سے نکلنا محال ہوتا ہے مگر کچھ لوگ اپنے سمندِ شوق کو نہیں روک سکتے اور وہ سفر کا سامان تیار کر کے گھروں سے شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں گھومنے پھرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں جن میں سے شاید راقم الحروف بھی ایک ہے۔ زیادہ تر سیاح تو سفر محض اس لیے کرتے ہیں کہ:

اب اپنا بھی میرؔ سا عالم ہے ٹک دیکھ لیا ، دل شاد کیا

مگر کچھ لوگ سیروسیاحت بڑے اہتمام سے کرتے ہیں، کچھ ''سفر وسیلۂ ظفر'' بنانے کے لیے گھروں سے نکلتے ہیں جب کہ کچھ سیاح دنیا سے کچھ سیکھنے اور سکھانے کا جذبۂ فراواں لے کر دنیا کے دُور دراز گوشوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں ہر خطۂ زمین کا محض سفر ہی مرغوبِ خاطر نہیں ہوتا بلکہ وہ وہاں کی تہذیب و تمدّن اور معاشرت و معیشت کا بھی غائر مطالعہ کرتے اور اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں سفرنامے بھی لکھ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے قدیم سفرنامہ نگاروں میں البیرونی، ابنِ بطوطہ، مارکو پولو، کولمبس، واسکوڈی گاما اور ناصر الدین شاہ قاچار کے نام خاصے نمایاں ہیں۔

جن لوگوں نے بہ رضا و رغبت اور ذوق و شوق کے ساتھ سفر اختیار کیے وہ ظفر اور فتح مندی سے ضرور بہرہ مند ہوئے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اِس زمانے میں سیروسیاحت بہت آسان ہے۔ کچھ ملکوں نے تو سیروسیاحت (Tourism) کو باقاعدہ صنعت کا درجہ دے

رکھا ہے اور سیر وسیاحت کو آسان اور پرکشش بنادیا ہے، جہاں لوگ جوق در جوق جاتے ہیں۔ان ملکوں میں برطانیہ،فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، سپین، امریکا، آسٹریلیا، چین، جاپان، انڈیا، مصر، سعودی عرب، ترکی، یونان، شام اور ملائیشیا زیادہ اہم ہیں۔قدرت نے پاکستان کی سرزمین کو بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہاں گرم پانیوں کا آٹھ سو کلومیٹر طویل ساحل ہے، جس میں سمندری مخلوق کی کثرت ہے، یہاں سربفلک پہاڑوں کے سلسلے ہیں اور دنیا کی گیارہ بلند ترین اور برف پوش چوٹیوں میں سے سات چوٹیاں، جن میں کے ٹو، نانگا پربت اور راکا پوشی شامل ہیں، پاکستان میں ہیں۔صحت افزا مقامات اور ایسی ایسی سرسبز و شاداب اور گل پوش وادیاں ہیں کہ:

ز فرق تا قدمش ہر کجا کہ من نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

یعنی کسی منظر پر نگاہ جا پڑے تو وہاں سے اٹھنے کا نام نہیں لیتی۔ پاکستان میں ایسے میٹھے اور رسیلے پھل ہیں جو دنیا کے کسی اور ملک میں پیدا نہیں ہوتے علاوہ ازیں بڑی اہمیّت کی حامل تاریخی جگہیں ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان میں سیر وسیاحت (ٹورازم) کو ابھی تک صنعت کا درجہ نہیں دیا گیا حالانکہ یہ وقت کی اشد ضرورت ہے اور اس صنعت سے خاطر خواہ زرِمبادلہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔

۱۷ سیلاب

دُنیا میں انسان پر بے شمار آفات اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ ہر مصیبت ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے۔جن میں ایک سیلاب ہے۔ سیلاب کیا ہے؟ سیلاب، ''سیل آب'' کا مرکّب ہے یعنی ''پانی کا طوفان''۔سیلاب ایک ایسی بلا ہے جس کی تباہ کاری کے ہاتھوں انسانیت سسکنے لگتی ہے۔بعض دفعہ بارشوں کی وجہ سے دریاؤں اور ندی نالوں میں پانی کی سطح اتنی بلند ہوجاتی ہے کہ پانی کناروں سے باہر نکل کر دور دور تک پھیل جاتا ہے۔ پانی کے اس تیز ریلے کو جو کناروں سے باہر نکلتا ہے ''سیلاب'' کہتے ہیں۔

پانی دنیا کے چار عناصر میں سے ایک ہے جس پر قابو پانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ بے قابو پانی سے سب پناہ مانگتے ہیں۔انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات سے بغاوت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے پانی ہی سے کام لیا۔''طوفانِ نوحؑ'' اسی کا نام تھا۔اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور اصول ہے کہ وہ انسانوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کون اس کا شکر گزار بندہ ہے اور کون اس کی ناشکری کرتا ہے۔ چناں چہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

''ہم تمھیں کچھ خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور صابروں کو خوشخبری دے دو۔'' (البقرہ، آیت:۱۵۵)

سیلاب عام طور پر برسات کے موسم میں آتے ہیں کیونکہ اس موسم میں بارشیں مسلسل اور لگاتار ہوتی ہیں۔ندی نالے بپھر جاتے ہیں، سڑکوں اور گلیوں میں پانی اُبل پڑتا ہے۔ دریا اپنی حدوں کو بڑھا لیتے ہیں۔ مسلسل بارشوں سے پہاڑوں پر جمی برف پگھل کر دریا کے پانی میں شدّت، زور اور بے پناہ وسعت پیدا کردیتی ہے جس کی وجہ سے دریا کا پانی کناروں کی حدوں سے باہر نکل کر ارد گرد کے علاقوں تک پہنچنا شروع ہوجاتا ہے۔ دریا کے پانی میں اتنی تیزی ہوتی ہے کہ اس کے راستے کی ہر رکاوٹ تنکے کی طرح اچھل کر ملیامیٹ اور برباد ہوجاتی ہے۔ لوگ بے چارے سیلاب کے آثار دیکھ کر اپنی جانیں بچانے کے لیے دُور کھڑے ہوتے ہیں۔لیکن کئی افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی بھی

حالت میں مکانوں کو چھوڑ نا نہیں چاہتے۔ نتیجے کے طور پر سیلاب کا پانی موت بن کر انھیں دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید اسی پس منظر میں فراز نے کہا ہے:

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے، کچھ تو خیال کر

سیلاب لوگوں سے سر چھپانے کا آسرا چھین لیتا ہے۔ ان کو گھروں سے دُور ایسی جگہ جانے پر مجبور کر دیتا ہے جہاں نہ کھانے پینے کی دستیابی ممکن ہے اور نہ سونے کے لیے بستر۔ اس افراتفری کے عالم میں بے شمار لوگ سیلاب کی پُرشور اور ہیبت ناک موجوں کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔

سیلاب سے اور بھی بہت سے نقصانات ہوتے ہیں۔ مثلاً درخت جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ تیز پانی اپنے ساتھ زرخیز مٹی کو بہا کر لے جاتا ہے اور کہیں دوسری جگہ جا کر ڈھیر کر دیتا ہے۔ پودوں کی جڑوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ فصلوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ بہت سے دیہات اور قصبے شدید سیلاب کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ ذرائع مواصلات اور بجلی کا نظام بھی تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے۔ زمین کا ایک بڑا حصّہ کٹاؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں بہت سا زرخیز اور زرعی علاقہ دریا بُرد ہو جاتا ہے۔ زمین کے کٹاؤ کے عمل سے دریا اپنا رخ بھی بدل لیتے ہیں۔

مصائب کا یہ سلسلہ انھی باتوں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ تیز و تند سیلاب کی وجہ سے بربادی ہی بربادی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حفاظتی تدابیر کو اختیار کیا جائے جن کی مدد سے ہم مستقل طور پر اس بڑے نقصان سے بچ سکیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دریاؤں اور نہروں کی باقاعدہ صفائی کریں تا کہ فالتو مٹی نکلنے کے بعد ان میں زیادہ پانی کے لیے گنجائش پیدا ہو۔ ملک میں نئے ڈیم بنائے جائیں تا کہ اس فالتو پانی کو جمع کر لیا جائے اور خشک موسم میں آبپاشی کے لیے استعمال کیا جائے۔ لوگوں کو اس مسئلے کے متعلق شعور فراہم کرنا ضروری ہے تا کہ بہت سی قیمتی جانیں بچ سکیں۔ سیلاب آنے کی صورت میں فوراً سدِّ باب کی کوششیں کرنی چاہییں۔ لوگوں کی زندگیاں اور ان کی جائیدادیں بروقت امداد سے بچائی جا سکتی ہیں۔ حکومت کے اربابِ اختیار کو فوراً متاثرہ لوگوں تک پہنچنا چاہیے۔ ان لوگوں تک ضروریاتِ زندگی اور اشیائے خورد و نوش پہنچائی جائیں کیونکہ ایک متاثرہ خاندان کو سنبھلنے کے لیے کافی سال درکار ہوتے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کو بھی کئی بار سیلاب کی تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو بڑا نقصان پہنچا اور ہزاروں لاکھوں آدمی سیلابوں کی وجہ سے برباد ہوئے۔ مثلاً ۱۹۵۰ء میں دریائے راوی اور چناب میں بڑا سیلاب آیا۔ ۱۹۵۸ء میں جہلم اور چناب میں زبردست طغیانی آئی۔ ۱۹۷۳ء کا سیلاب شدید تھا جس کی وجہ سے بہت سا مالی اور جانی نقصان ہوا۔ دریائے جہلم اور چناب میں ۱۹۹۲ء میں جو سیلاب آیا اس نے تباہی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ اس سیلاب میں اربوں روپے کی فصلیں تباہ ہوئیں اور تقریباً ۳۲ لاکھ لوگ سیلاب سے بری طرح متاثر ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب ۲۰۲۲ء میں آیا جب خیبر پختونخوا، جنوبی پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے بہت سے علاقوں کو تباہی و بربادی کا جس طرح سامنا کرنا پڑا، ان کے حالات و واقعات بیان کرنے کے لیے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے۔ کیا ان ہلاکت خیز سیلابوں سے بچاؤ ممکن ہے؟ کیا سیلاب کی طوفانی موجوں کا کچھ علاج ہے؟

ہر چند ان باتوں کا جواب نفی میں ہے مگر انسانی تدابیر سے ان کی شدت کو کسی نہ کسی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ تمام دریاؤں کی پہاڑی یا نیم پہاڑی گزرگاہوں پر تربیلا اور منگلا جیسے بڑے بڑے ڈیم بنائے جائیں اور جیسے منہ زور گھوڑے کو لگام دی جاتی ہے

ویسے ہی ان کے پانی کو روک لیا جائے اور اسی پانی سے سیلاب کے بعد آنے والے دنوں میں زمینوں کو سیراب کیا جائے۔
علاوہ ازیں دریاؤں کے کنارے مضبوط پشتے بنائے جائیں اور حکومت دریاؤں اور ندی نالوں کی گزرگاہوں پر تعمیرات کی ہرگز اجازت نہ دے بلکہ یہ دیکھے کہ پانی کی قدرتی گزرگاہ کا راستہ صاف ہے کہ نہیں۔ حکومت پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ برسات کے موسم سے قبل ہی ہر سال سیلاب جیسی آفات سے بچنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے۔

۱۸ دیہاتی اور شہری زندگی کا موازنہ

کسی بھی ملک کا معاشرہ دیہاتوں اور شہروں سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ جن ممالک کا زیادہ انحصار زراعت اور فارمنگ پر ہے، ان کی کثیر آبادی دیہات پر مشتمل ہے اور جو ممالک صنعت وحرفت پر بھروسا کرتے ہیں، اُن کی زیادہ آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ وہ علیحدہ بات ہے کہ پاکستانی عوام کا رجحان روز بروز صنعت وحرفت کی طرف ہو رہا ہے، مگر ابھی تک زرعی ملک ہونے کے ناتے ملک کی کم وبیش دو تہائی آبادی کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ چونکہ دیہات کی نسبت روزمرہ زندگی کی سہولتیں شہروں میں کہیں زیادہ مُیسّر ہیں، اس لیے ہمارے ملک کے دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ یا تو بڑے شہروں کا رُخ کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں یا منصوبے باندھ رہے ہیں۔ دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی نے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے، جس سے حکومتِ پاکستان عہدہ برآ ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا اپنے قدیم مسکنوں کو چھوڑ کر بڑے شہروں کی جانب رُخ کیوں ہے؟ جب کہ میر انیس نے تو کہا ہے:

دُشمن کو بھی اللہ چُھڑائے نہ وطن سے
جانے وہی بلبل ، جو بچھڑ جائے چمن سے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایسا اپنے دلوں پر جبر کر کے کرتے ہیں کیوں کہ دیہات میں فقط چند ایک ایسے زمیندار گھرانے ہوتے ہیں جن کی زمین زیادہ ہوتی ہے جب کہ اکثریت ایسے مفلوک الحال لوگوں کی ہوتی ہے جن کی اوّل تو زمین نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ دیہات میں انھیں ڈھنگ کا روزگار بھی نہیں ملتا اور ان کی عمر تنگ دستی میں گزرتی ہے۔ مزید برآں دیہات میں ان کی اولاد کے لیے تعلیمی اور طبّی سہولتوں کا فقدان ہے، اس لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے شہروں کا رخ کرنے پر مجبور ہیں، جہاں ضروریاتِ زندگی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں، اعلیٰ تعلیم کی سہولتیں بھی وافر ہیں اور اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو اسے بروقت طبّی امداد بھی مل جاتی ہے۔ ان کے علاوہ آمد ورفت کی سہولتیں اور ملازمت یا کاروبار کے مواقع بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ شہری زندگی کا تاریک پہلو یہ ہے یہاں کا ماحول دیہات کی طرح پُرسکون نہیں ہوتا اور شہروں کو تازہ ہوا اور خالص غذا بھی میسر نہیں ہوتی جب کہ شہری لوگ روزمرہ زندگی اور رہن سہن میں تکلّف برتنے اور نمود ونمائش کے عادی ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی ضروریاتِ زندگی بڑھ جاتی ہیں اور یہی چیزیں ان کے سکون کو برباد کر دیتی ہیں، جب کہ دیہات میں انسان فطرت کی آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ سرسبز وشاداب کھیت، کھلی فضا، ہرے بھرے سایہ دار درخت دیہاتیوں کے لیے قدرت کا عطیہ ہیں اور وہ فطرت کے تقاضوں کے تحت خوشی خوشی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں احسان دانش نے کیا خوب کہا ہے:

واہ رے دیہات کے سادہ تمدّن کی بہار
سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زرنگار

علاوہ ازیں دیہاتی لوگ عام طور پر ان پڑھ یا کم پڑھے لکھے ہونے کے باوجود ملنسار اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے ہیں۔ شہروں کی ہنگامہ خیز زندگی کے موازنے میں دیہات کا ماحول پرسکون ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ سکونِ قلب کی تلاش میں دیہات کا رُخ کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے شاعر احسان دانش کی خواہش ہے کہ:

دل یہ کہتا ہے فراقِ انجمن سہنے لگوں
شہر کی رنگینیاں چھوڑوں یہیں رہنے لگوں

یہ بڑی خوش آیند بات ہے کہ سائنسی ترقی کے اس زمانے میں دیہات کو بھی ترجیح دی جانے لگی ہے اور دیہات کو شہروں کی مانند بنیادی سہولتیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں، جن میں تعلیمی، طبّی اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں شامل ہیں۔ اب وہ دن دُور نہیں جب برطانیہ کے علاوہ دیگر یورپی ممالک، امریکا اور آسٹریلیا کی طرح ہمارے ہاں بھی دیہاتی اور شہری زندگی میں خاص فرق باقی نہیں رہے گا۔

۱۹ میری پسندیدہ کتاب

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو
اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

مطالعۂ کتب ایک ایسا شوق ہے جو ہر صاحبِ علم کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے لیکن مختلف کتابیں تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے مطالعہ کے لیے عمرِ نوح علیہ السلام بھی ناکافی ہے، اس لیے لامحالہ ان کتابیں میں سے فقط اپنی پسند اور ذوق کے مطابق انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اب ہر شخص کی پسند اور اس کا ذوق الگ ہے، چناں چہ کتاب کا انتخاب کرتے وقت ایک تو ہمیں اپنی پسند کا لحاظ رکھنا چاہیے اور دوسرے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کتاب کہاں تک مفید اور کس حد تک کارآمد ہے۔ صحیح کتاب کا انتخاب زندگی سنوار سکتا ہے اور غلط کتاب کا انتخاب زندگی برباد کر سکتا ہے۔ اس لیے جس طرح دوستوں کے انتخاب میں احتیاط لازمی ہے، اسی طرح کتابوں کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

کسی مفکّر کا قول ہے: کچھ کتابیں محض چکھنے کے لیے ہوتی ہیں، کچھ نگلنے کے لیے ہوتی ہیں اور صرف چند کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں خوب چبا چبا کر ہضم کرنا ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اسی قسم کا خیال اپنے ایک لیکچر کے دوران میں کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''ایسی کتاب صدیوں کے بعد وجود میں آتی ہے جس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھنے کے قابل ہوتا ہے۔''

قرآن مجید ایک ایسی ہی آفاقی اور دائمی کتاب ہے۔ یہ زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے۔ یہی میری پسندیدہ کتاب ہے۔ آیندہ سطور میں مجھے یہ واضح کرنا ہے کہ میری پسند کے اسباب کیا ہیں اور یہ کتاب کن موضوعات کی حامل ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی گفت گو حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے ارشادات کی روشنی میں شروع کروں۔ علامہ

اقبالؒ نے امتِ مسلمہ کو تلقین کی ہے کہ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ اقوام عالم میں انھیں عزّت واحترام کی نظروں سے دیکھا جائے تو انھیں چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں قرآنِ مجید، فُرقانِ حمید سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنے کردار کو اس کے مطابق ڈھالیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے۔ قرآن مجید بنی نوعِ انسان کے لیے رُشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ علم وحکمت کی کتاب ہے۔ اس میں ہر نوع کے فرد اور ہر طرح کی قوم کی اصلاح وفلاح اور تجارت کے لیے رہنما اصول بیان ہوئے ہیں۔ جن پر عمل کر کے عرب قوم، جو نزولِ قرآن سے قبل تہذیب وتمدّن سے نا آشنا تھی، انسانیت کے اعلیٰ وارفع اخلاق سے آراستہ ہوئی اور اُس نے قیصر وکسریٰ کی شہنشاہت کو ختم کر کے بہترین اسلامی معاشرے اور عظیم ترین اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ بقول مولانا حالی:

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا　　اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں: تورات، زبور اور انجیل کسی ایک خاص قوم یا ملک کے لیے تھیں لیکن قرآن مجید چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے، اس لیے یہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے مکمل رشد وہدایت ہے، جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر ملک میں قابلِ عمل ہیں۔ اس کتاب کی تعلیمات فطری ہیں، اس لیے ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ اسی دور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے اور وہ اپنی مخلوق کی ضروریات، تقاضوں اور نفسیات کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ تسلیم شدہ امر ہے کہ قرآن مجید سے قبل جو بھی آسمانی کتابیں، جن کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے، نازل ہوئیں، ان کی عبادات میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی حد تک کمی بیشی واقع ہو چکی ہے لیکن ان کے مقابلے میں قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی اسی صورت میں موجود ہے جس صورت میں رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے ایک لفظ، ایک حرف بلکہ ایک بھی نقطے میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور ہم پورے وثوق اور اطمینان کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ خالص اللہ کا کلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

(ترجمہ) ''بے شک یہ نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

قرآن مجید فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ایک ادبی شاہکار ہے۔ اس میں پہاڑوں کا جلال، سمندروں کا تلاطم، دریاؤں کی روانی، بجلی کی تڑپ اور جواہرات کی مرصع کاری ہے۔ عربوں کو اپنی خطابت اور شعر وشاعری پر بڑا فخر وناز تھا اور وہ اپنے مقابلے میں دوسرے ملکوں کو ہیچ سمجھتے تھے اور انھیں ''عجم'' یعنی گونگا کہہ کر پکارتے تھے لیکن جب قرآن مجید نازل ہوا تو اس کی بے پناہ فصاحت وبلاغت کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور کوئی بڑے سے بڑا عالم، خطیب یا شاعر اس جیسا کلام پیش نہ کر سکا۔ قرآن نے جب چیلنج کیا کہ اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر دکھاؤ تو عرب کے تمام فصحا سر جوڑ کر بیٹھے مگر ناکام رہے اور انھوں نے اعتراف کیا کہ بے شائبہ یہ کلام الٰہی ہے اور آج تک کوئی شخص اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ آخر یہ ممکن بھی کیسے ہے؟ قرآن مجید خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق اپنے خالق کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہے؟ روایت ہے کہ جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو نے اسے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا۔ عرب کے ایک بڑے شاعر لبید نے

اسے دیکھا تو دریائے حیرت میں گم ہو کر رہ گیا اور وہیں دیوار پر لکھ دیا: "یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔"

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں یا تو صرف اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں یا صرف مناجات اور دعاؤں یا فقہی مسائل کا مجموعہ تھیں یا اُن میں صرف عقائد یا تاریخی واقعات بیان ہوئے تھے لیکن قرآن مجید ایسی جامع کتاب ہے جس میں ہر انسانی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں اخلاقی تعلیمات بھی ہیں اور عقائد و اعمال کا بیان بھی ہے اور تاریخِ انسانی کے اہم واقعات کا بھی جا بجا تذکرہ ہے۔

قرآن مجید نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام بخشا۔ بنی نوع انسان کو امن و سلامتی کا پیغام اور حریّت و مساوات کا درس دیا۔ کالے اور گورے، عربی اور عجمی کا فرق مٹا دیا اور حسب و نسب کی بنیاد پر معاشرے میں قائم شدہ امتیازات کو ختم کر کے شرافت اور عظمت کی بنیاد صرف تقویٰ اور خوفِ خدا پر رکھی۔

حضرت عمرؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ اسی کتاب ہدایت کا اثر ہے، جس نے حضرت عمرؓ کی، جو اپنے باپ (خطاب) کے اونٹ چرایا اور ان کی جھڑکیاں کھایا کرتے تھے، زندگی یکسر بدل کے رکھ دی۔ یہ وہی عمرؓ ہیں جنھوں نے نہ صرف اسلامی مملکت کو توسیع دی اور اسے مستحکم کیا بلکہ اسلامی سلطنت کا ایسا انتظام و انصرام کیا جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے عمدہ ترین مثال ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یعنی اگر تم ایک مسلمان کی زندگی جینا چاہتے ہو تو قرآنِ حکیم کو زندگی کا جز و بنائے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

۲۰ زلزلے کی تباہ کاریاں

زلزلے کو ہندی میں بھونچال اور انگریزی میں Earth Quake کہتے ہیں۔ ناگہانی طور پر کسی ارضیاتی تبدیلی کی وجہ سے زمین کانپتی ہے تو زلزلہ آ جاتا ہے۔ زمین کا کانپنا کبھی تو اس قدر کم ہوتا ہے کہ زمین کے مکینوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی زمین اس زور سے کانپتی ہے کہ عمارتیں لرز کر رہ جاتی ہیں، گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور سے بجنے لگتے ہیں، شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض اوقات عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں اور عمارتوں کے مکین ملبے تلے دب کر مر جاتے ہیں۔ زمین شق ہو جاتی ہے اور سڑکوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ماہرینِ ارضیات نے ایسی تجربہ گاہیں بنا دی ہیں جہاں زلزلے کی شدت کی پیائش ہو جاتی ہے۔ امریکا نے تو اس سلسلے میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطّے میں کیسا ہی زلزلہ کیوں نہ آئے، وہاں اس کی شدت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اصطلاح میں زلزلے کی پیائش کو ریکٹر سکیل (Richter Scale) کہا جاتا ہے۔ اگر زلزلہ پانچ ریکٹر سکیل کے لگ بھگ ہے تو شدید ہے۔ پانچ سے ساڑھے چھے ریکٹر سکیل ہے تو شدید تر ہے اور اس سے زیادہ ہے تو شدید ترین اور تباہ کن ہے۔

ماہرینِ ارضیات اب اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ زلزلہ آنے کی پیش گوئی کی جا سکے، جس میں وہ تادمِ تحریر تو کامیاب نہیں ہو سکے مگر کچھ بعید نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں۔

زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس بارے میں جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام براعظم مختلف پلیٹوں پر واقع ہیں جو انتہائی گرم سیال

مادوں پر تیر رہے ہیں۔ ان پلیٹوں کے باہمی ٹکراؤ سے جو توانائی پیدا ہوتی ہے، اسی کی لہریں زمین میں ارتعاش پیدا کرتی ہیں، جس کی وجہ سے زمین کانپنے لگتی ہے، جسے زلزلے کا نام دیا جاتا ہے۔

دنیا کے کچھ ممالک ایسے خطوں میں واقع ہیں، جہاں ارضیاتی طور پر زمین میں ہلچل پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ان ممالک میں جاپان، میکسیکو، امریکا، اٹلی، ایران، انڈونیشیا اور چین شامل ہیں۔ ان ممالک میں زلزلے آتے رہتے ہیں اور یہاں کے لوگ زلزلوں کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے گھر بھی تعمیر کرتے ہیں تو ان کی بنیادیں اتنی مضبوط رکھتے ہیں کہ وہ زلزلے کی صورت میں زمین بوس نہ ہوں، پھر بھی زلزلے متذکرہ ممالک کے علاوہ چند اور ممالک میں بھی کبھی کبھی تباہی و بربادی پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ ۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے نے پاکستان کے شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر میں جو قیامت برپا کی، اُس کا تصور کر کے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس زلزلے نے مظفر آباد، بالاکوٹ، باغ، مانسہرہ، راولاکوٹ اور گرد و نواح کے علاوہ ایک وسیع و عریض سرزمین کو تباہ و برباد کر دیا، پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گئے، چٹانیں ٹوٹ پھوٹ گئیں، ندی نالوں کے رُخ بدل گئے، بشمول عطا آباد کئی نئی جھیلیں بن گئیں، عمارتیں زمین پر آ رہیں، اسّی ہزار افراد لقمۂ اجل بن گئے، لاکھوں معذور ہو گئے اور جو مالی ضرر پہنچا، اس کا شمار محال ہے۔ اس زلزلے سے چند سال پہلے جاپان کے شہر کوبے، ہندوستان کے شہر احمد آباد اور ایران کے قدیم شہر بام میں انتہائی خوفناک زلزلے آئے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے شدید ترین زلزلے سے پورا شہر برباد ہو گیا تھا اور پچاس ہزار سے زیادہ افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں بھی شمالی پنجاب اور خیبر پختونخوا میں شدید زلزلہ آیا جس کی شدّت ریکٹر سکیل پر ۳.۷ تھی۔ اس زلزلے نے بھی بعض شمالی علاقوں میں بڑی تباہی مچائی اور سیکڑوں لوگ مارے گئے اور ہزاروں بری طرح متاثر ہوئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زلزلوں کو کسی ریکٹر سکیل پر نہیں بلکہ غیرت و حمیّت اور شرم و حیا کے پیمانے سے ناپنے کی ضرورت ہے کیوں کہ زلزلہ کسی زیرِ زمین کا نہیں بلکہ بالائے زمین انتشار کا نتیجہ ہے اور قہار و جبار قادرِ مطلق کا انتقام ہے اور اُن انسانوں کے لیے ایک طرح کی وارننگ ہے جو خدا کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اس موقع پر زلزلے کے حوالے سے ہندوؤں کے اس دل چسپ مگر مضحکہ خیز عقیدے کا ذکر کرنا بے محل نہیں، جس کے مطابق ''زمین گائے'' نے زمین کو اپنے ایک سینگ پر ٹکا رکھا ہے جب اس کا وہ سینگ بوجھ کے مارے تھک جاتا ہے تو گائے زمین کو دوسرے سینگ پر منتقل کر لیتی ہے جس کے سبب زلزلہ آتا ہے اور جہاں تک اردو شعری ادب کا تعلق ہے تو کسی شاعر نے زلزلے کی کیا خوب صورت توضیح کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے
کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپتا ہو گا

۲۱ تمباکو نوشی کے نقصانات

اردو کے عظیم مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سگریٹ ایک ایسا بدبودار مادہ ہے جس کے ایک سرے پر آگ اور دوسرے سرے پر احمق ہوتا ہے۔''

تمباکو نوشی ہمارے معاشرے کی ایک ایسی قبیح عادت ہے جس میں قوم کا ہر دوسرا فرد مبتلا ہے۔ ان میں کوئی حقّے کا عادی ہے، کسی کو سِگار

کی لت ہے تو کسی نے سگریٹ کا شوق پال رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے بے کار مشغلے اور بے ہودہ شوق ہیں جن سے پیسے اور صحت کے زیاں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سروے کے مطابق ہمارے نوجوان طلبہ وطالبات محض فیشن ہی فیشن میں سگریٹ نوشی کا آغاز کر دیتے ہیں جو بعد میں ان کے لیے مالی مسائل کے ساتھ ساتھ بے شمار طبی مسائل کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بعض اوقات کئی نوجوان سگریٹ کے کثرتِ استعمال (Chain Smoking) سے نوجوانی میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ جو سگریٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمام منشیات کی ماں ہے۔ تو یہ درست ہے کیونکہ تقریباً ہر نشے کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ پہلے پہل مذاق یا شرارت کے رنگ میں ہلکی پھلکی تفریح یا دوستوں کا ساتھ دینے کے لیے اس کا آغاز ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ زندگی کے گھمبیر مسائل کا سبب بنتی چلی جاتی ہے۔ نئی تحقیق کے مطابق معدے اور سانس کی بیشتر بیماریوں کا سبب تمباکو نوشی ہے۔ اس کی عادت پختہ ہو جائے تو تپ دق اور منہ کے کینسر جیسی موذی بیماریاں بھی لاحق ہو سکتی ہیں۔ دل کی زیادہ تر بیماریاں بھی تمباکو نوشی کی وجہ سے لگتی ہیں اور یہ ہونٹوں اور دانتوں کی بدصورتی کا سبب بھی بنتی ہے، جس سے انسان کی ظاہری شخصیت کو بھی بے حد نقصان پہنچتا ہے۔

ہمارے یہاں دیہات میں بالعموم حقے کو ہاضمہ کے مسائل حل کرنے کا سبب سمجھا جاتا ہے جس کی حمایت میں کسی حکیم یا دانا کے قول کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی زمانے میں کسی مخصوص مرض کے پیشِ نظر کسی حکیم نے کسی خاص مریض کو حقہ کشی کا مشورہ دیا ہو مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حقے کو ہر طرح کا مریض ہر وقت اور ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا شروع کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ سگریٹ اور حقے کا ہر کش زندگی کے چند ثانیے کم کرتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کا جواب: ''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے'' کہہ کر دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اسی خدائے بزرگ وبرتر نے زندگی اور صحت جیسی نادر ونایاب نعمتوں کی حفاظت کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

علامہ اقبالؒ، جو ہمارے قومی شاعر ہیں اور ان کی دانش وحکمت کو پوری دنیا میں چرچا ہے، کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ حقے کے بہت شوقین تھے بلکہ حقہ پینا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان کے ملازم علی بخش کا بیان ہے کہ حقہ تازہ کرنے اور چلم بھرنے کی ذمہ داری میری تھی علامہ اقبالؒ نہ صرف خود حقہ پیتے تھے بلکہ اپنے اُن احباب کو بھی پیش کرتے تھے جو حقے کے رسیا تھے۔ بعد میں یہ مشغلہ ان کی موت کا سبب بن گیا۔ حیدرآباد (دکن) کے ڈاکٹر سیّد تقی عابدی، جو ایک طویل عرصے سے کینیڈا میں مقیم ہیں اور ایک دانش ور اور ادب شناس ہونے کے ساتھ ساتھ کینیڈا کے معروف ماہر قلب بھی ہیں اور علامہ اقبالؒ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، دنیا بھر کی بڑی بڑی جامعات میں فکرِ اقبال کے حوالے سے لیکچر دیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب ''چوں مرگ آید'' شائع ہوئی ہے، جس میں علامہ اقبالؒ کی تمام بیماریوں اور موت کا سبب بننے والے امراض پر طبی اور سائنسی انداز سے تحقیق کی گئی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی جملہ امراض کا موجب تمباکو نوشی تھا اور اگر وہ محض حقے سے پرہیز کر لیتے تو مزید بیس برس تک ان کی صحت اور زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا۔

مولانا ظفر علی خانؒ اور علامہ اقبالؒ کا زمانہ ایک ہے۔ دونوں قریبی دوست تھے۔ دونوں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے قوم میں آزادی وحریت کا جذبہ پیدا کیا۔ شعر بہت جلد کہنے پر قادر اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ قائدِ اعظمؒ نے ان کے بارے میں یکم مئی ۱۹۳۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مجھے اپنے صوبے میں مولانا ظفر علی خانؒ جیسے دو چار آدمی دے دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، پھر مسلمانوں کو کوئی شکست

نہیں دے سکتا۔"

مولانا ظفر علی خاں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھی حقے کے بہت رسیا تھے۔ ان کی عادت تھی کہ حقے کا ایک لمبا کش لگاتے اور ایک شعر کہہ دیتے۔ شاید اسی پس منظر میں ان کا ایک شعر ہے:

حُقّہ پیتا ہے، شعر کہتا ہے
اور عاشق میں کیا برائی ہے

ہر چند مولانا ظفر علی خاں نے خاصی عمر پائی مگر شاید وہ تمباکو نوشی نہ کرتے ہوتے تو ملک وملت کی خدمت کے لیے دس بیس سال اور جیتے۔

پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی انگریزی اور اردو کے معروف استاد تھے۔ وہ سگریٹ اور سگار بے تحاشا پیتے تھے۔ اس لیے انھیں دمے کا مرض لاحق ہو گیا اور انھیں کھانسی کے دورے پڑنے لگے۔ موت سے چند دن پہلے جب ڈاکٹر نے ان کے پھیپھڑوں کا ایکسرے کیا تو معلوم ہوا کہ پھیپھڑوں کا صرف ایک انچ حصہ ایسا ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں ورنہ تمام پھیپھڑا سگریٹ نوشی کی وجہ سے پرانی روئی (لوگڑ) کی مانند ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے چند دنوں بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اے کاش! وہ سگریٹ سگار نہ پیتے ہوتے تو کچھ دن اور جیے ہوتے اور اپنے علم وفضل سے اپنے شاگردوں کو فیض یاب کرتے۔

تمباکو نوشی سے انسانی صحت کو جو نقصانات پہنچتے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ دل اور سانس کی اکثر بیماریاں، منھ اور مسوڑھوں کے زیادہ تر امراض، جوڑوں کے درد اور دیگر کچھ مہلک امراض اس کا لازمی شاخسانہ ہیں، جس سے انسان اپنی طبعی عمر میں، جو وہ قدرتِ کاملہ کی طرف سے لے کر آتا ہے، دس سے بیس سال کی کمی کر لیتا ہے۔

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صحت اور زندگی اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہیں۔ انھیں تمباکو نوشی کے ذریعے سے نقصان پہنچانا کفرانِ نعمت کے زُمرے میں آتا ہے۔ اگر آپ تمباکو نوشی سے بچے ہوئے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور کسی وجہ سے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں تو محض قوتِ ارادی سے اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی طرف سے تھوڑی سی غفلت یا سستی کل کو کسی بڑے پچھتاوے کا سبب بن جائے۔ بقول صوفی تبسم:

ایسا نہ ہو یہ درد بنے دردِ لادوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

مضامین کے لیے دیگر عنوانات

۱ محسنِ انسانیت ﷺ
۲ میرا سکول
۳ شہیدِ ملت لیاقت علی خاں
۴ رسم ورواج کی پابندی
۵ صنعت وتجارت
۶ امتحان کی تیاری
۷ سائیکل
۸ قومی اتفاق
۹ طالب علم کے فرائض
۱۰ میرے دوست
۱۱ زمینی آلودگی
۱۲ زندگی کا ناقابلِ فراموش واقعہ
۱۳ جہیز ایک لعنت
۱۴ میرا پسندیدہ استاد
۱۵ توہم پرستی
۱۶ دیانت داری
۱۷ تندرستی ہزار نعمت ہے
۱۸ طالب علم کے فرائض
۱۹ محنت کی برکات
۲۰ اردو ہے جس کا نام
۲۱ ہمارے ہمسائے
۲۲ ریل گاڑی
۲۳ مولانا حالیؒ
۲۴ عید میلادُ النبی ﷺ
۲۵ مولانا ظفر علی خاں
۲۶ دیہاتی زندگی
۲۷ کاہلی
۲۸ ہمارے مہمان
۲۹ پانی کی اہمیّت
۳۰ فضائی آلودگی
۳۱ جمہوریت
۳۲ کھیلوں کی اہمیّت
۳۳ گلاب کا پھول
۳۴ ورزش کے فائدے
۳۵ دہشت گردی
۳۶ عیادتِ مریض
۳۷ عیدین
۳۸ پابندیِ وقت
۳۹ اپنی مدد آپ
۴۰ برسات کا موسم
۴۱ عیدالفطر
۴۲ عیدالاضحیٰ
۴۳ تجارت
۴۴ کرپشن (بدعنوانی)
۴۵ ضرورت ایجاد کی ماں ہے
۴۶ سکول میں میرا پہلا دن
۴۷ سکول میں میرا آخری دن
۴۸ مسلمانوں کے تہوار
۴۹ سردی کا موسم
۵۰ موسمِ گرما
۵۱ توانائی کا بحران
۵۲ مل جل کر کام کرنے کے فائدے
۵۳ ایک پاکستانی بازار
۵۴ چاندنی رات کا نظارہ
۵۵ مرزا غالب
۵۶ کمپیوٹر، عہدِ حاضر کی اہم ضرورت
۵۷ علم کے فائدے
۵۸ خوشامد
۵۹ ایک میلے کی سیر
۶۰ تعطیلاتِ موسمِ گرما

تفہیمِ عبارات

ابلاغ میں زبان بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں طلبہ کی زبان دانی کی صلاحیت واخذ کا جائزہ لینے کے لیے نصاب کے علاوہ کسی بھی تحریر، مضمون یا نظم کا کوئی اقتباس دے دیا جاتا ہے، جس کے حوالے سے عبارت کے آخر میں چند سوالات ترتیب دے کر طلبہ سے ان کے جوابات لکھنے کو کہا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ غیر نصابی عبارت کے مفہوم کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں طلبہ پر لازم آتا ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کو پیشِ نظر رکھیں:

ضروری باتیں

(۱) سب سے پہلے عبارت کو ایک یا دو مرتبہ غور سے پڑھیے اور عبارت کے مفہوم اور نفسِ مضمون کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

(۲) پوچھے گئے تمام سوالوں کے جواب بالعموم عبارت کے اندر ہی موجود ہوتے ہیں، جو ذرا سی سوچ بچار کے بعد ذہن میں آجاتے ہیں۔

(۳) اگر بفرضِ محال کسی سوال کا جواب عبارت میں موجود نہیں تو ایسی صورت میں عبارت کے مجموعی تاثر کے پیشِ نظر جواب دیجیے۔

(۴) تمام جواب عبارت کے مطابق ہوں۔ حقائق کو مسخ مت کیجیے۔

(۵) آپ کے جوابات کو سوالات کے عین مطابق ہونا چاہیے یعنی جس قدر سوال پوچھا گیا ہے، اسی قدر اس کا جواب دیں اور جواب کو غیر ضروری طول ہرگز نہ دیں۔

(۶) جواب دیتے وقت عبارت کا اصل جملہ نقل کرنے کے بجائے اسے ہمیشہ اپنے الفاظ میں لکھنے کی کوشش کریں لیکن جواب کو اپنی لیاقت بگھارنے کی کوشش میں نہ تو مشکل بنانے کی کوشش کیجیے اور نہ ہی عبارت کو مسخ یا بے ربط کیجیے۔

(۷) اگر معروضی طرز کا سوال ہے تو درست ترین جواب کے گرد دائرہ لگائیے۔

(۸) اگر عبارت کا عنوان بھی پوچھا گیا ہے تو یاد رکھیے کہ سب سے بہتر عنوان وہ ہوتا ہے جو اصل عبارت کے مجموعی تاثر کو ظاہر کرتا ہے اور اصل عبارت پڑھنے کے بعد ذہن سے نکلتا ہے، بصورتِ دیگر اس ضمن میں اصل عبارت کا پہلا یا آخری جملہ پڑھ لینا بھی سود مند ہوتا ہے، عین ممکن ہے کہ عنوان وہاں مستور ہو۔

(۹) عنوان کو مختصر ترین ہونا چاہیے اور فقط ایک عنوان دینا چاہیے۔

(۱۰) آیندہ صفحات میں ہم نے طلبہ کی مزید رہنمائی کے لیے نمونے کی چند ایک غیر نصابی عبارتیں مع سوالات دے دی ہیں اور ان میں سے چھے عبارات کے سوالات اور ان کے جوابات بھی لکھ دیے ہیں۔ تفہیمِ عبارت کے سوال میں عام طور پر پانچ سوالات پوچھے جاتے ہیں، اس لیے ہم نے بھی ہر عبارت سے متعلقہ پانچ سوال ہی پوچھے ہیں لیکن ممکن ہے کہ پانچ سے زیادہ سوال پوچھ لیے جائیں۔ بہرکیف طلبہ ان عبارات، سوالات اور ان کے جوابات کو بغور پڑھیں اور ان کی روشنی میں تفہیمِ عبارت کے سوال پر عبور حاصل کریں۔

۱ عبارت

''پنجاب کی حدود اُن دنوں میں غزنی کی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اور راجا یہاں کا جے پال تھا۔ جب مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے معلوم ہوئے تو اس نے غزنی پر ایک بھاری فوج سے چڑھائی کی۔ چناں چہ دفعتہً ملغان پر جا کر ڈیرے ڈال دیے اور پشاور سے کابل تک برابر لشکر پھیلا دیا۔ ادھر سے سبکتگین بھی نکلا۔ چناں چہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور ایک دوسرے کی پیش قدمی کی منتظر تھیں کہ دفعتہً آسمان سے گولے پڑنے لگے یعنی بے موسم برف گرنی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے، انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ہندوستانی بے چارے اپنے لحاف اور رضائیاں ڈھونڈنے لگے، مگر وہاں رضائی کا گزارہ کہاں؟ سیکڑوں اکڑ کر مر گئے، ہزاروں کے ہاتھ پاؤں رہ گئے، جو بچے اُن کے اوسان جاتے رہے۔''

سوالات

(۱) پنجاب کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں، کس زمانے میں؟

(۲) جے پال کون تھا اور سبکتگین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(۳) ''وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے۔'' کون لوگ برف میں رہنے کے عادی تھے؟

(۴) وہاں رضائی کا گزارہ کیوں نہیں تھا؟ وہ لوگ جاڑے میں کیا اوڑھتے تھے؟

(۵) جے پال اور سبکتگین میں جنگ کیوں نہ ہوئی؟

جوابات

(۱) جس زمانے میں جے پال پنجاب کا راجا تھا تو پنجاب کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں۔

(۲) جے پال پنجاب کا راجا تھا اور سبکتگین غزنی کا حکمران تھا۔ یہ وہ سبکتگین ہے جس کا بیٹا محمود غزنوی ہے، جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے تھے۔

(۳) غزنی کے لوگ برف کے کیڑے تھے یعنی وہ لوگ برف میں رہنے کے عادی تھے۔

(۴) غزنی کے لوگ جاڑے میں گرم کپڑے اور اونی کمبل اوڑھتے تھے۔ رضائی سے ناواقف تھے۔

(۵) کیونکہ برف باری نے راجا جے پال کی فوج کے اوسان خطا کر دیے اور فوجی وہاں سے بغیر جنگ کیے پنجاب کی طرف واپس بھاگ گئے۔

❀

۲ عبارت

''سراج الدّولہ اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا آغاز کیا۔ فوجی طاقت سے برِّعظیم کے آزادی طلب عوام کو انگریزوں نے کچلا، مگر جذبۂ حریّت نہ دب سکا۔ ۱۸۵۷ء تک چنگاریاں چمکتی اور بجھتی رہیں۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء کو چنگاری نے شعلہ بن کر فضا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ آگ اور خون کا طوفان اٹھا۔ اس قیامت خیز ہنگامے میں عوام کا نقصان تو اتنا ہوا جس کا اندازہ لگانا

مشکل ہے مگر کمزور عوام نے ایک مرتبہ استحصالی طاقت کو مزا چکھا ہی دیا۔ توپ و تفنگ نے مظلوم عوام کے تاریخ و ثقافت کے بھرے بھرے محل کھنڈر کر دیے، لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا، ملک کا نقشہ پلٹ دیا۔ اب کی مرتبہ یہاں کے قومی رہنماؤں نے سرد جنگ کے بعد گرم معرکے کی تیاری کر لی۔ کانگرس، تحریکِ خلافت اور مسلم لیگ اسی جنگ کے ادارے بنے۔ ان تنظیموں نے عملی حکمتوں سے عوام کو بیدار کیا۔ صفوں کو منظم بنایا اور دشمن کو للکارا اور نئے نئے مورچے بنائے۔ پہلی جنگِ عظیم میں آزادی کے امکانات ابھرے، دوسری جنگِ عظیم کے بعد جد و جہد کامیابی کے قریب پہنچ گئی۔ اس مرحلے میں صدیوں حکومت کرنے والی قوم نے قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں علامہ اقبالؒ کے خواب کی تعبیر ڈھونڈ نا شروع کی۔ اس راہ میں خون کے سمندر اور آگ کے جنگل ملے اور قوم بسم اللہ کہہ کر آگے بڑھی۔ یہ پیش قدمی اللہ کی مدد اور ملت کے اتحاد، تنظیم اور ایمان، قائدِ اعظمؒ کی بصیرت و تدبیر کی بدولت منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ اللہ نے وہ دن دکھایا کہ اللہ اکبر کی گونج میں آزادی کا سورج نکلا اور ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ اسلامی عقائد و افکار، اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی قانون و نظامِ عدل و حکومت کے لیے اللہ نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے طفیل مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر سربلندی و افتخار سے نوازا۔"

سوالات

(۱) سراج الدّولہ اور ٹیپو سلطان کے بارے میں ایک مختصر پیراگراف لکھیے۔

(۲) ۱۸۵۷ء میں آزادی کے علم برداروں کا کیا نقصان ہوا؟ چند سطروں میں لکھیے۔

(۳) علامہ اقبالؒ مرحوم کے خواب سے کیا مراد ہے؟

(۴) سرد جنگ کسے کہتے ہیں؟

(۵) تہذیب و ثقافت سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟

جوابات

(۱) نواب سراج الدّولہ بنگال کا جب کہ ٹیپو سلطان میسور (دکن) کا حکمران تھا۔ یہ دونوں حکمران آزادی اور حریّت کے علمبردار تھے اور کسی صورت میں بھی انگریزوں کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہ تھے، چناں چہ دونوں نے انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ علامہ اقبالؒ نے اس پس منظر میں کیا خوب کہا ہے:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

(۲) ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں آزادی کے علم برداروں کا جتنا نقصان ہوا، اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے مگر لاکھوں لوگ، جس میں سے زیادہ تر مسلمان تھے، مارے گئے۔ جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے، ان کے گھر بار لٹ گئے اور جائیدادیں برباد ہو گئیں۔ تاریخ و ثقافت اور تہذیب و تمدّن کے محلات کھنڈر بن گئے۔ گویا ملک کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔

(۳) علامہ اقبالؒ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ برِعظیم کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا

قیامِ عمل میں آئے۔

(۴) سرد جنگ، ہتھیاروں کی مدد سے کھلم کھلا جنگ نہیں ہوتی بلکہ ایک عرصۂ دراز تک عوام کے نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی اور مخالفین کو اپنی بات منوانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

(۵) ہر سوسائٹی کے کچھ اصول اور رسوم و روایات ہوتی ہیں، انھیں تہذیب کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے کلچر کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح عقائد و نظریات اور افکار اور نظامِ عدل و حکومت کے لیے جو قرینے اپنائے جاتے ہیں، اسے ثقافت کہتے ہیں جیسے: اسلامی تہذیب و ثقافت سب سے الگ اور تمام مذاہب سے جداگانہ ہے۔

۳ عبارت

مادرِ ملت فاطمہ جناح مرحومہ، پاکستان کی بانی نہیں تو قائدِ اعظمؒ کی دستِ راست اور جاں نثار بہن ہونے کے ساتھ ساتھ جنگِ آزادی کے ہراول دستے میں خواتین کی رہنما بہر حال تھیں۔ بلند کردار، جفاکش بہن گھر کی چار دیواری میں عظیم بھائی کی محافظ و نگہبان، ذہنی سکون اور کارِ سیاست و قیادت میں معاون، میدانِ عمل میں مسلم خواتین کے لیے نشانِ عزم و استقلال، جہادِ حریت کے ہر ہر مرحلے میں انھیں بھائی کا آئینہ دیکھا گیا۔ وہی ہمت و جرأت، وہی خلوص و جفاکشی، ملت پر قربان اور اصولوں پر ثابت قدمی۔ لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کے ادب و احترام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ایک مثالی ماں کی طرح ملک و ملت کے لیے محنت کی۔ ہر وقت مصروفِ عمل، ہمہ وقت چوکس، صبح و شام نظریہ، مقصد اور شان دار نتائج کی نگہداشت، ہر جگہ سائے کی طرح بھائی کے ساتھ اور ہر مرحلے میں قوم کی ہم آواز۔

قائدِ اعظمؒ کی وفات نے ان کی عزت و محبوبیت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرد و زن، چھوٹے بڑے ان سے آرزوئیں وابستہ کر چکے تھے اور وہ بھی ہر تقریب اور ہر موقع پر قوم سے بات کرتی تھیں۔ بھائی کے جذبے سے سرشار اور ملک و ملت کی محبت سے لبریز، گرج دار آواز میں حکومتِ عوام کا احتساب کرتی تھیں۔ کارواں کو حرارت و حرکت، روشنی، بیداری اور ہوش مندی کا پیام دیتی تھیں۔ قوم کا دل ان کے وجود سے مضبوط اور وطن کو ان کے وجود سے سہارا تھا۔ وہ دنیا بھر کی عورتوں میں صفِ اوّل کی رہنما خاتون تسلیم کی گئی ہیں۔ اللہ ان پر رحمتوں کے پھول برساتا رہے۔ آمین!

سوالات

(۱) قیامِ پاکستان میں خواتین کا حصہ مردوں کے برابر ہے۔ اس عنوان پر چند سطریں لکھیے۔

(۲) دستِ راست اور ہراول دستے سے کیا مراد ہے؟

(۳) ماں کے فرائض و کردار کیا ہیں اور محترمہ مادرِ ملت کا مرتبہ کیا ہے؟

(۴) احتساب سے کیا مراد ہے؟

(۵) مادرِ ملت کا سب سے بڑا کارنامہ کیا تھا؟

جوابات

(۱) قیامِ پاکستان میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا کردار بھی بھرپور ہے۔ خواتین نے بھی تحریکِ پاکستان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا۔ جلسے کیے، جلوس نکالے، مضامین لکھے اور اس وقت تک آزادی کا دم بھرتی رہیں جب تک قیامِ پاکستان عمل میں نہ آ گیا۔ خواتین نے عزم و استقلال اور جہادِ حریّت کے ہر مرحلے میں مردوں کا حوصلہ بڑھایا اور اپنے قول اور عمل سے ثابت کیا کہ وہ آزادی کے ہراوّل دستے میں مردوں کے ساتھ ہیں۔

(۲) ''دستِ راست'' کے لغوی معنی تو ''دایاں ہاتھ'' کے ہیں مگر اس سے مراد ایسا مددگار لیا جاتا ہے جو کسی شخص کے بہت قریب ہو۔ اسی طرح ''ہر اول دستہ'' کے معنی ہیں: ''گھڑسواروں کا ایسا دستہ جو فوج کے آگے آگے چلے'' مگر اس سے مراد ہے آگے بڑھ کر معین و مددگار۔

(۳) ماں کے فرائض پر تو ایک طویل مضمون لکھا جا سکتا ہے مگر اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ماں اپنی اولاد کی تہذیب و تربیّت اور اس کی حفاظت میں اپنی دانست میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔ اس ضمن میں مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناح کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی مدد اور آزادیِ وطن کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا جو ان کے امکان میں تھا۔

(۴) احتساب کا مفہوم ہے جائزہ لینا یا باز پرس یا روک ٹوک کرنا۔ اس سے مراد ہے غلط کاموں سے سختی سے منع کرنا اور جائز کاموں کی حوصلہ افزائی اور حمایت کرنا۔

(۵) مادرِ ملّت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ قائدِ اعظمؒ کی دست راست اور جاں نثار بہن تھیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے جنگِ آزادی کے ہراول دستے میں خواتین کی رہنمائی کی۔ وہ جب تک زندہ رہیں اپنی گرج دار آواز میں حکومت اور عوام کا احتساب بھی کرتی رہیں۔

۴ عبارت

''مختلف انسان مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ زبانوں کو ان کے ماہروں نے مختلف خاندانوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان میں دو خاندان بہت مشہور ہیں: ایک سامی اور دوسرا آریائی۔ سامی خاندان میں عربی اور عبرانی وغیرہ شامل ہیں۔ آریائی خاندان میں نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی بہت سی زبانیں شامل ہیں بلکہ یونانی، اطالوی، جرمن، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کا شمار بھی اسی خاندان میں ہوتا ہے۔ دراصل آریائی خاندان زبانوں کا بہت بڑا خاندان ہے اور اس سلسلے کا کوئی دوسرا خاندان اس کی وسعت کی برابری نہیں کر سکتا۔ زبانوں کے آریائی خاندان کی شعاعیں پاکستان، ہندوستان، ایران، انگلستان اور یورپ کے مختلف ممالک تک پھیلی ہوئی ہیں۔''

سوالات

(۱) زبانوں کے دو مشہور خاندان کون کون سے ہیں؟

(۲) عربی اور انگریزی زبانیں، زبانوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟

(۳) آریائی خاندان کی جن زبانوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان کے نام لکھیے۔
(۴) دنیا کے کون کون سے ممالک ایسے ہیں جہاں آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں؟
(۵) ہماری قومی زبان اردو کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

جوابات

(۱) زبانوں کے دو مشہور خاندان ہیں: ایک سامی اور دوسرا آریائی۔
(۲) عربی کا تعلق سامی خاندان سے ہے جب کہ انگریزی کا تعلق آریائی خاندان سے ہے۔
(۳) اس اقتباس میں آریائی خاندان کی جن زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے نام ہیں: پاکستانی اور ہندوستانی زبانوں کے علاوہ یونانی، اطالوی، جرمن، فرانسیسی اور انگریزی کا۔
(۴) پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ ایران، انگلستان اور یورپ کے تمام ممالک میں بھی آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔
(۵) ہماری قومی زبان اردو کا تعلق آریائی خاندان کی زبانوں سے ہے۔

۵ عبارت

''ہم عصروں اور ہم چشموں کی رقابت پرانی چیز ہے اور ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ جہاں تک مجھے ان سے گفت گو کا موقع ملا اور بعض اوقات چھیڑ چھیڑ کر اور کرید کرید کر دیکھا اور ان کی تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوا، مولانا اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔ محمد حسین آزاد نے مولانا شبلی کی کتابوں پر کیسے اچھے تبصرے لکھے ہیں اور جو باتیں قابل تعریف تھیں، ان کی دل کھول کر داد دی ہے، مگر ان بزرگوں میں سے کسی نے مولانا کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ لاہور میں کرنل ہالرائیڈ کی زیرِ ہدایت جو جدید رنگ کے مشاعرے ہوئے، ان میں آزاد اور حالی دونوں نے طبع آزمائی کی۔ برکھارت، حُبِ وطن، نشاطِ امید اسی زمانے کی نظمیں ہیں۔ آزاد اپنے رنگ میں بے مثال نثار ہیں مگر شعر کے کوچے میں اُن کا قدم نہیں اٹھتا، لیکن مولانا کی انصاف پسندی ملاحظہ کیجیے کہ کیسے صاف لفظوں میں اس نئی تحریک کا سہرا آزاد کے سر باندھا ہے۔''

سوالات

(۱) اس عبارت کا عنوان تحریر کیجیے؟
(۲) اس عبارت میں مولانا سے کون مراد ہیں؟
(۳) مولانا کس عیب سے بری تھے؟
(۴) جدید رنگ کے مشاعروں میں کس قسم کی نظمیں پڑھی جاتی ہیں؟
(۵) نثار کے معنی لکھیے۔

جوابات

(۱) اس عبارت کا عنوان ہونا چاہیے: ''مولانا حالی کے اوصافِ حمیدہ''

(۲) اس عبارت میں مولانا سے مراد مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔

(۳) ہم چشموں اور ہم عصروں میں کچھ نہ کچھ رقابت ضرور ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے: ''بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن'' یعنی ہم پیشہ ہم پیشہ کا دشمن ہوا کرتا ہے لیکن مولانا کسی سے قطعاً رقابت نہیں رکھتے تھے۔

(۴) جدید رنگ کے مشاعروں میں ''برکھارُت، حُبِ وطن اور نشاطِ امید'' قسم کی نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔

(۵) نثّار کے معنی ہیں نثر نگار یعنی نثر لکھنے والا۔

۶ عبارت

''اسلام نے لفظ قوم کے معنی بدل دیے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے، نسل یا علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اسلام نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے تحت ایک نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم کر دیا۔ اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ تُرک ہے یا تاجیک، وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا، وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا، پاکستان میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا، بلکہ جس کسی نے اللہ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو مان لیا وہ ایک رشتے میں بندھ گیا۔ جس سے اچھا اور پیارا رشتہ اور کوئی نہیں۔''

سوالات

(۱) اسلام نے لفظ قوم کو کتنی وسعت دی ہے؟

(۲) کیا اسلام میں نسل اور علاقے کا امتیاز جائز ہے؟

(۳) کیا اسلام میں ترکی کے مسلمان، چین کے مسلمان اور پاکستان کے مسلمان کے درمیان امتیاز قائم ہوگا؟

(۴) کیا گورے مسلمان کو کالے مسلمان پر کوئی فوقیت حاصل ہے؟

(۵) اس عبارت کا عنوان لکھیے۔

جوابات

(۱) اسلام نے قوم کے لفظ کو بڑے وسیع معنوں میں مراد لیا ہے۔ جس کسی نے، چاہے اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو اور وہ کسی بھی نسل سے ہو کلمہ پڑھ لیا، پس وہ مسلمان قوم میں شامل ہو گیا۔

(۲) اسلامی تعلیمات کی رو سے نسل اور علاقے کا امتیاز ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۳) ترکی کا مسلمان ہو یا چین کا یا پاکستان کا یا کسی اور ملک کا، ان کے درمیان ہرگز کوئی امتیاز قائم نہیں ہوگا بلکہ تمام مسلمان بھائی

بھائی ہیں۔

(۴) گورے مسلمان کو کالے مسلمان پر یا کالے مسلمان کو گورے مسلمان پر ہرگز کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔

(۵) اس عبارت کا مناسب ترین عنوان ہے: ''قومی اتفاق''

مشق کے لیے عبارات

۱ عبارت

''سکون کے وقت سمندر کا دیدار آنکھوں کو فرحت بخشنے والی چیز ہے۔ تختۂ جہاز پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو لہروں کا ایک لاتعداد سلسلہ نظر آتا ہے، جو ہوا کے نرم نرم جھونکوں کے اثر سے سمندر پر قریب قریب ہر وقت آتے رہنے سے ایک دوسرے کے پیچھے حلقے بناتا چلا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لہریں ایک دوسری کے پیچھے دوڑ رہی ہیں۔ صبح کے وقت آفتاب نکلتا ہے اور اچھلتی ہوئی لہروں کی سفید جھاگ پر اس کی کرنیں پڑتی ہیں تو قوسِ قُزح کے سارے رنگ دفعتہً شفاف پانی کے تختوں پر چمک جاتے ہیں اور، دور افق کے قریب تو سنہری روپہلی فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا شاہِ خاور کے خیر مقدم کے لیے سامان ہو رہا ہے۔''

سوالات

(۱) سکون کے وقت سمندر کا نظّارہ کیسا ہوتا ہے؟

(۲) تختۂ جہاز سے سمندر کیسا نظر آتا ہے؟

(۳) جب سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت سمندر کا منظر کیسا ہوتا ہے؟

(۴) دُور افق کے قریب کیا نظر آتا ہے؟

(۵) شاہِ خاور سے کیا مراد ہے؟

۲ عبارت

''انتخابِ کتب ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کے لیے اس طرح کی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے جس طرح کہ دوستوں کے انتخاب کے لیے۔ جس طرح ایک اچھے اور نیک چال چلن کا مالک انسان اپنے دوست کو برائی سے بچا لیتا ہے اور ایک برا دوست اپنی بدکرداری کی وجہ سے دوسرے دوست کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اچھی کتابیں دل و دماغ اور عادات و اطوار پر اثر ڈالتی ہیں اور مخرب اخلاق اور بے ہودہ کتابیں طبیعت کو برائی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اسی طرح بُری کتابوں کا مطالعہ پڑھنے والے کی اخلاقی موت کا باعث بنتا ہے۔ مشاہیرِ زمانہ کی سوانح عمریاں، سفرنامے، تاریخی اور مذہبی کتب اور جدید معلومات پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ انسان اور خصوصاً طالب علم کے لیے بہت مفید ہے۔ اخلاقی کتابوں کے مطالعے سے اخلاق بلند ہوتا ہے۔''

سوالات

(۱) کتابوں کے انتخاب میں کس چیز کی ضرورت ہے؟
(۲) بُرا دوست کیا نقصان پہنچاتا ہے؟
(۳) خراب کتابیں پڑھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟
(۴) طالب علم کے لیے کون سی کتابیں مفید ہیں؟
(۵) اس عبارت کا کوئی مناسب عنوان لکھیے۔

۳ عبارت

مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ اقتدار میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ رہے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھا۔ ہندوؤں کی بعض رسمیں مسلمانوں میں رائج ہوئیں اور بعض اسلامی تصورات ہندوؤں میں مقبول ہوئے۔ لیکن ہندو اور مسلمان آپس میں جذب ہو کر ایک معاشرہ نہ بن سکے۔ ہندو مسلمان عموماً الگ الگ محلوں میں رہتے تھے۔ ہندو معاشرہ ذات پات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس لیے ہندو نہ تو آپس میں متحد ہوتے تھے نہ مسلمانوں کی طرف خلوصِ دل سے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ اگرچہ مسلمان اور ہندو دونوں قومیں ایک خطۂ ارض میں رہتی تھیں، لیکن مسلمانوں کی رواداری کے باوجود ہندوؤں کے معاشرتی اور مذہبی تعصبات پختہ ہوتے گئے۔ باہمی میل جول اور یگانگت کا خاصا فقدان رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی یہ الگ الگ حیثیت پورے اسلامی دور میں نمایاں رہی۔ اس صورتِ حال کو پاکستان کی مخصوص اصطلاح میں ''دوقومی نظریہ کہا جاتا ہے۔''

سوالات

(۱) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے سے کیا کچھ سیکھا؟
(۲) ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس میں تعلقات کیسے رہے؟
(۳) ہندو معاشرہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو سکا؟
(۴) مسلمانوں نے ہندوؤں پر کتنے عرصے تک حکومت کی؟
(۵) دوقومی نظریہ کیا ہے؟

۴ عبارت

''دنیا کے ادب میں ڈراما ایک نہایت قدیم صنف ہے۔ اردو میں ڈرامے کی ابتدا ۱۸۵۳ء میں امانت کی ''اندر سبھا'' سے ہوتی ہے۔ لیکن جدید ڈرامے کا تصور بعد میں انگریزوں کی وساطت سے آیا۔ اردو ڈرامے کے پیش رو کی حیثیت سے ''رہس'' کا ذکر ضروری

ہے۔اس دور میں ڈرامے پر شاعری، رقص وسرود اور موسیقی کا غلبہ تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک یہی سلسلہ رہا۔ بعد میں آغا حشر نے کچھ انگریزی ڈراموں کے ترجموں اور کچھ طبع زاد ڈراموں سے اس میں زندگی کا حقیقی خون دوڑانے کی کوشش کی۔ بیسویں صدی کے پہلے ربع میں مقفیٰ مکالموں کا زور رہا۔ بلکہ عبدالحلیم شرر نے انگریزی کے تتبع میں نظم معرا کی صورت میں چند ڈرامائی نمونے بھی پیش کیے۔ دوسرے ربع کے ڈراما نگاروں کے ہاتھوں ڈراما زندگی اور عوام سے قریب تر ہوتا گیا۔ اس زمانے میں امتیاز علی تاج نے اپنا معروف ڈراما ''انارکلی'' لکھا۔ ان کے ہم عصر ڈراما نگاروں میں عابد علی عابد اور میرزا ادیب بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔''

سوالات

(۱) اس عبارت کا عنوان تجویز کیجیے۔

(۲) اردو ڈرامے کا ذکر کرتے وقت ''رہس'' کا ذکر کیوں ضروری ہے؟

(۳) وہ کون سا دور تھا جس میں اردو ڈرامے پر شاعری اور رقص وسرود کا غلبہ تھا؟

(۴) مقفیٰ مکالمے سے کیا مراد ہے؟

(۵) طبع زاد ڈراما کیا ہوتا ہے؟

۵ عبارت

''قائدِ اعظمؒ ہمیشہ سے ایمان دار، باہمت، نڈر اور مستقل مزاج انسان تھے۔ ان کا دامن لالچ اور ہوس سے پاک تھا۔ وہ کسی جج یا ساتھی وکیل سے بھی اپنی شان کے خلاف کوئی لفظ سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نامساعد حالات میں گھبراتے نہیں تھے اور نہ کبھی دغا اور فریب سے کام لیتے تھے۔ ان کی سیاست صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ وہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے توڑ پھوڑ اور خلافِ قانون اقدامات کے سخت مخالف تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے، اس کے بارے میں کسی سے سمجھوتا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی مصلحت کوشی سے کام لیتے تھے۔ خوش پوشی کا انھیں بے حد شوق اور سلیقہ تھا جو آخر تک قائم رہا۔ ہندوستان کے کتنے ہی وائسرایوں نے ان کی خوش پوشی کی تعریف کی۔ ان کی زندگی کے آخری چند سالوں میں ان کی شہرت بامِ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ پاکستان کا قیام ان کا عظیم کارنامہ ہے۔''

سوالات

(۱) قائدِ اعظمؒ کس قسم کے انسان تھے؟

(۲) قائدِ اعظمؒ کا سیاسی دور کس قسم کا تھا؟

(۳) قائدِ اعظمؒ کا عظیم کارنامہ کون سا ہے؟

(۴) ہندوستان کے وائسرایوں نے قائدِ اعظمؒ کے کس وصف کی تعریف کی ہے؟

(۵) اس عبارت کا عنوان لکھیے۔

۶ عبارت

''علّامہ اقبالؒ کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ایک باعمل شاعر تھے۔ انھوں نے شعر کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات، حسنِ اخلاق، خودی، فقر، درویشی اور مغرب سے بیزاری کی تلقین کی اور اپنے عمل کے ذریعے اس کا ثبوت مہیا کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق شرکت کی۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے یورپ کا سفر کیا۔ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے فلسطین گئے۔ نیز اسلامی افکار اور فلسفہ کی اشاعت کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں دہلی، حیدرآباد (دکن)، مدراس اور بنگلور وغیرہ کے دورے کیے۔ مسلمانوں کے اصرار پر پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کے لیے انتخاب میں حصّہ لیا اور تین سال تک اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی۔ حتیٰ کہ اسلام کے نفاذ کے لیے ایک الگ خطہ زمین کے حصول کی راہ دکھائی۔ پوری دنیا کے مسلمانوں کو آزادی اور تعمیرِ نو کا ولولہ تازہ عطا کیا۔''

سوالات

(۱) اس عبارت کا کوئی موزوں عنوان تحریر کیجیے۔

(۲) علّامہ اقبالؒ نے شعر کے ذریعے سے ہمیں کیا تلقین کی ہے؟

(۳) علّامہ اقبالؒ نے اسلامی افکار کی اشاعت کے لیے کن علاقوں کا دورہ کیا؟

(۴) علّامہ اقبالؒ نے کتنے عرصے تک پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی؟

(۵) علّامہ اقبالؒ نے کن لوگوں کو آزادی اور تعمیرِ نو کا ولولہ تازہ عطا کیا؟

AHSA.PK